سیما

لائبریری اینڈ اسٹیشنرز
وجاہت برادرس
مین روڈ آباد کالونی کراچی

لائبریری اینڈ اسٹیشنرز
وجاہت برادرس
مین روڈ آباد کالونی کراچی

سیما

ناول

رئیس احمد جعفری

نفیس اکیڈیمی
بلاسس اسٹریٹ

عرصہ چھ سال کے لئے جملہ حقوق طباعت و اشاعت
بحق چودھری محمد اقبال سلیم گاہندری
مالک نفیس اکیڈمی و مسعود پبلشنگ ہاؤس
بلاسس اسٹریٹ۔ کراچی (پاکستان)
محفوظ ہیں

پہلا ایڈیشن ——— جولائی ۱۹۵۳ء

دوسرا ایڈیشن ——— اکتوبر ۱۹۵۴ء

تیسرا ایڈیشن ——— دسمبر ۱۹۵۶ء

چوتھا ایڈیشن ——— جولائی ۱۹۵۸ء

کتابت ——— انوری بیگم دھلوی

ہا ——— انٹرنیشنل پریس کراچی

انتساب

..... ایک سال کے بعد آپ کا ناول "اختر" پھر میرے ہاتھ لگا۔ بار بار پڑھنے کے بعد میں یہ کہنے پر مجبور ہو گئی ہوں کہ اگرچہ آپ کے افسانوں کا انجام ہمیشہ ٹریجڈی نہیں ہوتا لیکن خوشی غموں میں گھری رہتی ہے۔ درد کی یہ انمول دولت اور بیش بہا خزانہ آپ نے کہاں سے لوٹا ہے؟

س۔ واسطی

پاک لائبریری و بک اسٹال
بی ۲/۳ پاک کالونی
کراچی

اب وفا ہے نہ جفا۔ یادِ وفا باقی ہے
تھی جہاں شمع، وہاں خاک ہے پروانے کی!

نقشِ دَوام

Seetaw

چودھری محمد اقبال سلیم گاھندری

اس ناول کا مرکزی کردار ایک لڑکی ہے "سیما!" یہ عجیب و غریب لڑکی تھی، عیش و عشرت، اور ناز و نعم کی گود میں پلی، لیکن جب ہوش سنبھالا، تو ناکامی، ذلت، رسوائی، اور فقر و افلاس نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا، اور یہ جانِ ناتواں زندگی کی آخری سانس تک بڑی بہادری اور دلیری کے ساتھ، ہر ہر مصیبت کا مقابلہ کرتی رہی۔ وار کھاتی رہی، وار کرتی رہی — وہ عورت ہی ہے، جس کے بارے میں صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے۔

یہ شاخِ گُل بھی ہے، تلوار بھی ہے

سیما، شاخِ گُل بھی تھی، اور تلوار بھی!

اس ناول کی دوسری خصوصیت، اس کا ماحول ہے، وہی ماحول جو ہمارے آپ کے گھر کا ہے، جسے ہم ہر روز دیکھتے ہیں، برتتے ہیں، لیکن جس کی شعلہ سامانیوں، فتنہ طرازیوں، اور ہلاکت خیزیوں کا کوئی اندازہ نہیں کرے۔ ماں اور بیٹے کی کشمکش — ایک طرف محبت، ایک طرف خاندان کی ناک، ساس اور بہو کے جھگڑے، ایک طرف مادری دبدبہ دوسری طرف حق اور استحقاق کی لڑائی، سگے اور سوتیلے مناقشے، ہولناک لرزہ خیز، دل شکن!

ایک اور بات ہے، جو اس ناول کو دوسرے ناولوں سے ممتاز کرتی ہے وہ ہے سچی محبت کی تصویر کشی، — محبت، ایثار، بے مثال قربانی ہے، سوز

حیات ہے اور اس ناول کے کرداروں میں یہ سارے صفات بدرجہ
بڑی خوبی کے ساتھ ملیں گے۔ یہ وہ تصویریں ہیں جن میں ایک چابک دس
اور ماہرِ فن نقاش نے اپنے موقلم سے حقیقت اور فطرت کا رنگ بھرا ہے
صرف یہی ایک چیز اگر اس ناول میں ہوتی تو کافی تھی۔

میں چاہتا ہوں، ہمارے ملک کے ناول نگار جذبات میں ہیجان پیدا
کرنے والے ناولوں کے بجائے اس طرح کے تعمیری عنوانات پر قلم اٹھائیں
تاکہ اُن کا نقش، نقشِ دوام بن جائے۔

مخلص
نصر اقبال تسلیم کانپوری
۱۲ اکتوبر ۱۹۵۴ء

باب ۱

حسرت ناتمام!

نسیمہ کا شمار ان عورتوں میں تھا جو حسب موقع سستے یا مہنگے داموں اپنے آپ کو بیچتی رہتی ہیں۔

وہ خاندانی طوائف تھی

لیکن طبیعت اور اقتضاء مزاج کے لحاظ سے وہ اس اپنے طبقہ کی عام عورتوں سے جدا تھی وہ بظاہر اپنی زندگی پر قانع تھی، خوب کماتی تھی، خوب کھاتی تھی، خوب کھلاتی تھی رنگ رلیوں اور گلچھروں میں ہمیشہ میش میش رہتی تھی لیکن اس قناعت کے باوجود حقیقت یہ تھی کہ وہ اپنی اس زندگی کو پسند نہیں کرتی تھی وہ چاہتی تھی کہ کسی کی ہو رہے کسی کو اپنا بنا لے لیکن ہائے قسمت، وہ دل ہی دل میں بہتوں کی بنی، لیکن کسی کو اپنا نہ بنا سکی۔

ہر گاہک جو اس کے بالاخانہ پر قدم رکھتا تھا، آخری زینہ طے کر کے جیسے ہی اس کے کمرہ میں آتا تھا، وہ سمجھتی تھی میرا طلبگار آگیا، چاہے وہ جوان ہو یا بوڑھا، خوبصورت ہو یا بدصورت چھریرے بدن کا ہو یا ضرورت سے زیادہ لحیم شحیم، وہ سب کا دل سے خیر مقدم کرتی تھی وہ

اپنی فیس کو فیس نہیں سمجھتی تھی، حق مہر سمجھتی تھی، وہ سمجھتی تھی یہ آنیوالا اب کبھی نہ
اور اگر جائے گا تو اسے اپنے ساتھ لے کر جائے گا اور اگر کسی وجہ سے ساتھ نہ لے جا سکا تو اپ
کے مطابق جلد از جلد واپس آئے گا۔

اس کے بالاخانہ پر ہر روز کوئی نہ کوئی گاہک آیا کرتا تھا ہنستا ہوا، مسکراتا ہوا،
جیب سے نوٹ نکال کر سودا کرتا تھا، شراب کی بوتلیں منگاتا تھا، خود پیتا تھا اور اسے پینے
مجبور کرتا تھا، اسے اپنے آغوش شوق کی زینت بناتا تھا، پیار کرتا تھا، اس کے رخسار و گلو کو چو
اس کی ساقِ سیمیں پر متاعِ نظر نثار کرتا تھا، اس کے حسن کی تعریف میں زمین و آس
کے قلابے ملاتا تھا۔

اور بیچاری نسیمہ ــــ

وہ اتنی سادہ لوح تھی کہ اس سارے ناٹک کو حقیقت سمجھتی تھی، وہ پوری سپردگ
اور سچائی کے ساتھ اپنا سب کچھ اس کے قدموں پر نثار کر دیتی تھی۔
سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھ دیا ــ!

لیکن صبح ہوتے ہی جب وہ واپس جاتا، تو معلوم ہوتا تھا ــــــــــــــ
ــــــــ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا ــــــــــــــ
باتیں پادر ہوا ثابت ہوتی تھیں، وہ اس کی جوانی سے کھیلنے والا شخص کبھی آ کر جھانکتا بھی نہیں تھا ــــــــــ وہ ساری

پھر رات آتی تھی ــــــ!

پھر کوئی نیا گاہک آتا تھا ــــــ!

اور ــــــــــ اور پھر وہی سوانگ رچایا جاتا تھا، پھر وہی ناٹک
کھیلا جاتا تھا، اور نسیمہ اسی ذوق و شوق اور جوش و گرمی کے ساتھ اس کھیل میں تن من سے

جاتی تھی۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے وہ کبھی مایوس نہیں ہوتی ہر شخص کا دامن کھینچتی مگر رات گزرنے کے بعد وہ دامن جھٹک کر الگ ہو جاتا تھا۔

دن اسی طرح گزرتے رہے ——— وہ امید کا دیا ہر رات کو جلاتی تھی صبح ہوتے ہوتے وہ از خود بجھ جاتا تھا اور اس کے بجھتے ہی رات کا، نئے آنے والے کا انتظار شروع ہو جاتا تھا۔

یہاں تک کہ چوبیس سال گزر گئے!

چوبیس سال!

کتنی طویل مدت ہے یہ ——— ! یہ ساری مدت اس نے اسی امید میں کاٹ ی کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ایسا مل جائے جو شرط وفا نبا ہ سکے ———

یکن ایسا کوئی نہ ملا۔

وہ ۱۸ سال کی نوخیز کلی تھی جب اس نے پہلے پہل کانی رقم لے کر طوائف کی زندگی اختیار تھی، اس کی ماں، اس کی ہم پیشہ بہنیں، اس کی برادری کی عورتیں کتنی تھیں اس تقریب سعید موقع پر، کیا دھوم دھام تھی۔

ناچ، باجہ، گانا!

سب ہی کچھ تھا، اور بہت زیادہ تھا، سب ہنس رہے تھے، قہقہے لگا رہے تھے اسے رک باد دے رہے تھے، وہ بھی اس نئی زندگی کا اشتیاق کے ساتھ آغاز کرنا چاہتی تھی ن اس کے باوجود واقعہ یہ تھا کہ اس کے دل میں خوشی کی کوئی لہر نہیں اٹھ رہی تھی، حسوس کر رہی تھی یہ خوشی ساری زندگی کی نہیں صرف ایک رات کی ہے، یہ دھوم ام، مستقبل سے تعلق نہیں رکھتی، صرف حال سے وابستہ ہے مجھے ہر روز نئے چہروں

تی بال سفید ہو گئے تھے ——— !

آہ ——— یہ کیا ہوا ؟

دستک دیتے دیتے ، بڑھاپا آخر ، گھر کے اندر داخل ہو گیا !

آج پہلی مرتبہ وہ مایوس ہوتی ، اسے یقین ہو گیا ، اب کوئی مرد خدا ایسا نہیں مل سکتا
جو اسے اپنا بنالے ، جو اس کا ہو رہے ، جب شباب کی رعنائیاں اور دل ربائیاں کسی کو اپنا نہ
بنا سکیں تو بڑھاپے کی جھریاں اپنی طرف کسی کو کیا کھینچ سکیں گی ؟ ———
یہ سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ زیر لب مجروح ترنم کے ساتھ فراق
کا یہ شعر گنگنانے لگی ۔ •

غرض کہ کاٹ دیئے زندگی کے دن اے دوست
وہ تیری یاد میں یا تیرے بھول جانے میں !

لیکن وہ دوست کون تھا ، جس کی یاد اور جس کے بھول جانے میں اس نے زندگی
کے دن کاٹ دیئے اس کا جواب وہ خود بھی نہیں دے سکتی تھی !

سے واسطہ پڑے گا نتے لوگوں سے سابقہ پڑے گا، یہ سوچتے سوچتے اس کی طبیعت گھبرا گئی
توبہ الہٰی یہ بھی کوئی زندگی ہوئی ، لعنت ہے ایسی زندگی پر، پھر وہ سوچنے لگی ان تماشبی
میں کوئی تو ایسا بلند حوصلہ، آج نہیں کل نہیں پرسوں ——————— نکل آئ
جو میرا بن جائے گا، جو مجھے اپنا بنائے گا، بس میں دل وجان سے اس کی ہو رہوں گی، یہ ہر د
کا چمچہ بننا مجھے منظور نہیں !

اسی انتظار میں نئے نئے گاہکوں کا خیر مقدم کرتی رہی، نئے نئے لوگوں سے
ملتی رہی۔

آخر بیالیس سال کی عمر تک پہنچ گئی !

یہ تمنا جب اس کے نازک دل میں پیدا ہوئی تھی، تو وہ زندگی کے اس مرحلہ پر
کہ اہلِ دل اور اہلِ نظر اسے دیکھ دیکھ کر، بیتابی کے ساتھ کہہ اٹھتے تھے ————
ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگی ——————— وہ بہت دنوں تک
فتنۂ دوراں بنی رہی، پھر وہ قیامت بنی، اور ایسی قیامت کہ واقعی اس نے قیامت
برپا کردی اور اب ——————— ؟

اب وہ ۴۳ سال کی ایک عورت تھی ——————— نہ فتنہ نہ قیامت
——————— مرجھایا ہوا پھول، مٹا ہوا نقش، پہلے وہ اپنی نزاکت اور رعنائی
میں، حافظ کا جام، عمر خیام کی شراب، سعدی کی گلستاں اور میر تقی میر کی غزل تھی اور ا
وہ بجھی ہوئی چنگاری، اور ایک تودۂ خاکستر کے سوا کچھ نہ تھی !

وہ آئینہ کے سامنے کھڑی، اپنے بے رس چہرے اور بے نور آنکھوں کا جائزہ لے رہی تھی
یکایک اس کی نظر، اپنے الجھے ہوئے بالوں پر پڑی اور پھر ... نہ سکی۔

"ہاں جی اب کون مشتہت کا مارا آتا ہے، بڑھاؤ دوکان ہم تو چلے!"

نسیمہ نے کہا

"ہاں جائیے میری طبیعت بھی آج کسلمند ہے کچھ!"

سازندے چلے گئے نسیمہ نے پاندان کھولا اور پان بنانے لگی اتنے میں زینہ پر کوئی چڑھتا ہوا معلوم ہوا، نسیمہ کے کان کھڑے ہوئے کہ یہ کون ہے اتنے میں دیکھتی کیا ہے، ایک فیشن ایبل لیکن ذرا عمر رسیدہ اور صحت مند شخص سامنے کھڑا ہے نسیمہ نے کہا

"آیئے تشریف لایئے"

وہ مسکراتا ہوا آیا اور فرش پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا

نسیمہ نے معذرت کے انداز میں کہا

"اب تو سازندے چلے گئے"

وہ مسکرایا

"لیکن میں سازندوں کے پاس نہیں آیا آپکے پاس آیا تھا، آپ تو ہیں"

نسیمہ کو بھی مسکرانا پڑا

"جی ہاں ــــــ ہوں تو لیکن"

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی!

"بہت خوب ـــــــــــــــ آپ کی صورت بدل گئی، لیکن مزاج نہیں بدلا، دل نہیں بدلا، وہی شوخی اور زندہ دلی آج بھی موجود ہے، جو آج سے بیس برس پہلے تھی!"

باب ۲

نووارد!

سورج ڈوب چکا تھا!

اور اب تک نسیمہ کا بالا خانہ ویران تھا!

یہ کوئی نئی بات نہ تھی اب اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کئی کئی روز گزر جاتے اور کوئی جھانک
تک نہ تھا، نسیمہ اب عمر کی اس منزل پر پہونچ چکی تھی کہ اس کے جسم کے گاہک شاذ و نادر
ہی آتے تھے ہاں آواز کے رسیا کبھی کبھی پہونچ جاتے تھے وہ گاتی بہت اچھا تھی، عمر کے
ساتھ ساتھ اس کا فن بھی ترقی کرتا گیا، لیکن اس چھوٹے سے شہر میں فن کے قدر دان
تھے، جسم کے گاہک زیادہ!

دیکھتے دیکھتے، بادل گھر آئے اور زور شور کی بارش ہونے لگی، اس نے
سازندوں سے کہا

"اب آچکا کوئی"

میر صاحب بولے

گیا

نسیمہ :۔ "اور جیسا آپ نے سوچا تھا ویسا ہی پایا؟"

مرزا :۔

"جی بالکل ویسا ہی ——— آج سے بیس سال پہلے جب آپ کا طوطی بولتا تھا، شہر کی طوائفیں آپ سے جلتی تھیں اور شوقین مزاج لوگ آپ کے نام کا کلمہ پڑھتے تھے میں دو تین مرتبہ اپنے نواب مرحوم کے ساتھ آپ کے ہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے گانا سننے آیا تھا ——— یاد ہیں آپ کو اچھے

نواب ؟

"خوب یاد ہیں، خدا غریق رحمت کرے ——— اس دنیا سے جاتے جاتے مجھے ایک چرکا بھی دے گئے اور تحفہ بھی!"

مرزا صاحب نے ایک تنومند قہقہہ لگایا، جس سے کمرے کی چھت ہلنے لگی۔

پھر کہا

"آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو چرکے کے ساتھ تحفہ بھی دے گیا ورنہ میرا یار جب تک زندہ رہا چرکے ہی دیتا رہا دوستوں تک کو ——— خیر میری طبیعت اسی زمانہ میں آپ کی طرف کھنچنے لگی تھی، لیکن ایک طرف تو کاروبار میں نقصان ہوا، دوسری طرف قرض خواہوں نے ڈگریوں اور قرقیوں کا تانتا باندھ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک رات بیوی بچوں کو ساتھ لے کر بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھا برما پہونچا، وہاں تھوڑی سی پونجی کے سہارے تجارت شروع کر دی، کئی برس بڑی مصیبت کے گزارے پھر خدا نے اپنا فضل شروع کیا۔"

"اور آپ وہاں کے ملک التجار ہو گئے، کیوں؟"

نسیمہ نے پان چباتے ہوئے کہا

"تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ اس کنیز کے پرانے قدر دان ہیں؟"

"جی واقعہ تو یہی ہے"

"لیکن ذرا اپنا تعارف تو کرائیے"

"اتنا کافی ہے کہ آپ کا پرانا قدر دان ہوں

زلفیں بھی نہ بھیگیں جب سے گرفتار ہوں تیرا — اب اس کے بعد

تعارف کی کیا ضرورت ہے، بہت ہے اتنا"

وہ ایک انداز سے بولی

"جی نہیں آپ کو اپنا نام اور اتہ پتہ بتانا پڑے گا"

"خاکسار کا نام ہے دلاور حسین، لوگ مرزا مرزا کہہ کر پکارتے ہیں، وزیر گنج کے محلہ

عزیب خانہ ہے ——— بس یا اور کچھ"

نسیمہ نے پان پیش کرتے ہوئے کہا

جب آپ یہیں کے رہنے والے ہیں تو آج ملنے کا سبب؟

مرزا نے جواب دیا

"آج پورے بیس سال کے بعد وطن آیا ہوں اور آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دل

کہا کہ ذرا آپ کی خبر لے کوئی جا کر"

"شکریہ اس عزت افزائی کا"

مجھے یقین تھا، اگر آپ زندہ ہیں تو زیادہ مصروف نہیں ہوں گی، اسی لئے ذرا وہ

کر کے آیا کہ اگر کچھ تھوڑی بہت مصروفیت ہو بھی تو وہ بھی ختم ہو چکی ہو"

[مر]زا صاحب بچوں کی طرح مچل گئے۔

"کسی روز کیوں۔ آج کیوں نہیں"

"میں نے عرض کیا نا سازندے جا چکے ہیں"

"میں بھی تو فرما چکا ہوں، بس سازندوں کا گانا نہیں آپ کا سننا ہے ــــــــ ــــــــ وہ فن کیا جو ساز کا محتاج ہو ــــــــ تکلف چھوڑیئے شروع [ک]یجئے کچھ"

وہ اٹھلا کر بولی، "آپ تو بچوں کی طرح ہٹ کرتے ہیں"

مرزا صاحب نے کہا، "سن لو بی نسیمہ کان کھول کے، ساری رات گزر جائے چاہے [مگ]ر بندہ جب تمہارا گانا سنے یہاں سے کھسکنے کا نہیں"

وہ جھنجلا کر بولی، "کیا سناؤں بتلایئے"

"کوئی اچھی سی غزل"

"کس کی"

"حسرت، جگر، فانی، کسی کی بھی"

وہ گنگنانے لگی، پھر اس نے ایک پھیکے تبسم کے ساتھ صفی کی یہ غزل شروع کی

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا!

[ا]س غزل نے اور خاص کر مطلع نے ایک سماں پیدا کر دیا، نسیمہ اور مرزا صاحب دونوں ہی [مت]اثر تھے، شاید اس لئے کہ مطلع دونوں ہی کے حسب حال تھا۔

جاتے وقت مرزا نے سو روپے کا نوٹ نسیمہ کے ہاتھ پر رکھا اور کہا

مرزا نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

" یہی سمجھ لیجئے، بہرحال خدا کے فضل سے خوب کمایا، سارا قرض وہیں بیٹھے
ادا کیا، خوشیاں بھی دیکھیں اور رنج بھی، دو لڑکیاں مریں، ایک نوجوان لڑکا دنیا
سدھارا، بیوی نے داغِ جدائی دیا ———— زندگی نام ہے ان ہی چیزوں
جب زندگی کا قافلہ پچاس منزلوں سے آگے بڑھ چکا تو وطن یاد آیا، وہاں کا کاروبار
اور یہاں پہنچ گیا۔"

نسیمہ:-

" اب کب تک قیام کا ارادہ ہے "

مرزا:-

کب تک کی خوب کہی آپ نے ———— ارے بھئی جب
زندہ ہیں یہیں رہیں گے، بلکہ مر کے بھی یہیں دفن ہوں گے - اب کہاں جاتے
ہم -"

نسیمہ:-

" نہیں ایسا نہ کہیئے، خدا کرے بہت دنوں زندہ رہیں آپ"

مرزا:-

" اچھا خیر باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی، کچھ گا نا سنائیے ———— دیکھنا
آپ کی آواز پر بھی بڑھاپا آیا یا نہیں ؟

نسیمہ نے ایک تبسم کے ساتھ کہا

" یار زندہ صحبت باقی ——— دیکھ لیجئے گا کسی دن "

باب ٣

چرکا اور تحفہ!

مرزا دلاور حسین اب اکثر وقت بے وقت نسیمہ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے ، نسیمہ بھی بڑے تپاک اور گرم جوشی سے ان کا استقبال کرتی تھی ، اس کا بازار اجڑ چکا تھا ، ایسے وقت میں مرزا صاحب کا اس سے راہ و رسم بڑھانا بڑی بات تھی

ایک روز مرزا صاحب نے نسیمہ سے کہا

"سنتی ہو بھئی"

وہ پان پیش کرتے ہوتے بولی "فرمائیے سن رہی ہوں"

مرزا صاحب نے فرمایا "تم میں بہت سی خوبیاں ہیں ، لیکن ایک کمزوری بھی ہے"

نسیمہ : وہ کیا

"وہ یہ کہ ضرورت سے زیادہ وضعدار ہو"

نسیمہ نے کچھ جواب نہیں دیا ، حیرت سے مرزا صاحب کی طرف دیکھنے لگی ، انھوں

سیما

"اب اجازت چاہتا ہوں"

وہ بولی "یہ بھی تو کہیئے انشاءاللہ پھر آؤں گا"

مرزا نے مسکراتے ہوئے کہا

"ہاں ہاں انشاءاللہ پھر آؤں گا، اور برابر آتا رہوں گا ——— ل
بیشک تمہارا شباب رخصت ہو گیا، لیکن فن کا دم خم بڑھ گیا ہے، مجھے تعجب ہے کہ
تمہاری مالی حالت سقیم کیوں نظر آ رہی ہے ——— جس شخص نے آج سے
برس پہلے اس کمرہ کی زیبائش دیکھی ہو وہ یقین نہیں کر سکتا کہ اس گھر کا مکین آج بھی
ہے جو پہلے تھا"

نسیمہ نے جواب دیا

"لیکن ایک بات بھول گئے آپ"

وہ کیا

نسیمہ:

"یہ کہ ہر شخص مرزا دلاور حسین نہیں ہوتا

یہ سن کر مرزا نے پھر ایک خوفناک قہقہہ لگایا اور دھم دھم کرتے نیچے اتر گئے

زیادہ نہیں دیتا، لیکن خسارہ ہوتے ہوتے بھی یہ دوکان بند نہیں کر سکتی"

"مرزا صاحب جھنجلا گئے کیوں آخر"

وہ کہنے لگی اگر یہ دوکان بڑھا دوں تو میری بچی کیا کرے گی؟ وہ کہاں جائیگی"

مرزا صاحب نے تعجب اور حیرت کے ساتھ پوچھا

"بچی ـــ تمہاری کوئی بچی بھی ہے"

وہ بڑے فخر کے ساتھ بولی

"ہاں خدا رکھے میرے کلیجہ کی ٹھنڈک، میری آنکھوں کا ـــ

مرزا نے بات کاٹ لی

"ہاں ہاں معلوم ہے کلیجے کی ٹھنڈک، آنکھوں کا نور، دل کا سرور، سب ہی کچھ ہے لیکن خدا کی بندی وہ ہے کہاں؟ میں نے تو اسے آج تک نہیں دیکھا"

نسیمہ نے آواز دی "سیما بیٹی"

"جی اماں آئی"

اور اب مرزا صاحب کے سامنے بارہ سال کی خوبصورت اور خوش اندام چھوکری کھڑی تھی، بڑی بڑی آنکھیں، خوبصورت سا دہانہ، موتی کے سے سفید دانت، وہ آتے ہی چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ نسیمہ نے ڈانٹا

"سلام کر"

اس نے بڑے ادب سے سلام کیا، مرزا صاحب اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتے کہنے لگے

"بیٹی تمہارا نام کیا ہے"

سیما

نے کہا

"گھور کیا رہی ہو، کچھ غلط کہتا ہوں"

وہ بولی، یہ تو میں نہیں کہہ سکتی کہ آپ غلط کہتے ہیں لیکن کیا کہتے ہیں یہ نہیں سمجھی"

مرزا صاحب نے حسب عادت ایک ڈراؤنا قہقہہ لگایا اور کہا

"مطلب یہ ہے کہ جب دوکان نہیں چلتی تو اسے بڑھا کیوں نہیں دیتیں ــــــ
کچھ فرض ہے کہ ہر روز سازندے ضرور آئیں، طبلہ اور سارنگی کی نمائش ضرور ہو، بن ٹھن کر
بالائے بام ضرور بیٹھو، سازندوں کو رخصت کردو، طبلہ اور سارنگی کو بیچ ڈالو اور باقاعدہ
پردہ شروع کردو"

یہ کہہ کر مرزا صاحب قہقہہ لگانے والے تھے، مگر نسیمہ نے انہیں ٹوک دیا، وہ
بولی۔

مرزا صاحب آپ سچ کہتے ہیں یہ دوکان اجڑ چکی، اب یہ کبھی نہیں آباد ہوگی، ا
جانتی ہوں، پھر بھی میرا فرض ہے کہ سازندوں کو جواب نہ دوں اور خود بن ٹھن کر ہر روز شا
کے وقت بالائے بام بیٹھا کروں"

مرزا صاحب تلملا گئے، کیا کہا فرض   یہ فرض کیسے ہوگیا
ہم نہیں سمجھے"

وہ بڑے اطمینان سے بولی

"نہیں سمجھے تو سمجھائے دیتی ہوں، سچی بات تو یہ ہے کہ اس کاروبار میں مجھے اب
ٹوٹا ہی ٹوٹا ہے سازندوں کی تنخواہ اکثر گرہ سے ادا کرتی ہوں، دس دس بارہ بارہ دن
گزر جاتے ہیں، کوئی نہیں آتا، اور کبھی کبھار کوئی آبھی آگیا تو دس پانچ سے

چیر کے سے کیا مطلب ہے ؟

نیمہ نے جواب دیا

• شادی کا وعدہ کرتے کرتے ایک لڑکی کے باپ بن گئے ، چیرکا نہیں تو اور کیا ہے ؟"

مرزا صاحب کو پھر ہنسی آگئی

" ارے وہ بیچارہ مر گیا ، اب کیوں شرمندہ کرتی ہو اس کی روح کو ، جانے بھی دو "

" جانے نہ دوں گی تو کیا کروں گی ـــــ جب زندگی میں کچھ نہ کر سکی تو مرے بعد کیا بگاڑوں گی ان کا ؟"

پاک لائبریری و بک اسٹال
بی ۲/۳ پاک کالونی
کراچی

وہ ادب کے ساتھ گویا ہوئی

"مجھے سیما کہتے ہیں"

مرزا صاحب نے پھر ایک قہقہہ لگایا

کتنی نستعلیق چھوکری ہے بڑی اچھی تربیت دی ہے تم نے اسے بھئی نسیمہ"

نسیمہ نے سیما سے کہا "جاؤ بیٹی اپنا کام کرو"

سیما مرزا صاحب کے سامنے سے دوسرے کمرے میں چلی گئی نسیمہ نے کہا

"دیکھ لیا آپ نے"

"ہاں بھئی دیکھ لیا، خدا نظر بد سے بچائے ماشاءاللہ بڑی پیاری بچی ہے"

نسیمہ نے کہا "یاد ہے "میں نے پہلے پہل جب آپ آئے تھے، کچھ کہا تھا"

"ہاں ——— بہت کچھ کہا تھا، لیکن کہنا کیا چاہتی ہو"

"میں نے نواب کے بارے میں کہا تھا، خدا بخشے مرتے مرتے، ایک چرکا اور ایک تحفہ دے گئے۔

"ہاں خوب یاد آیا تم نے یہ کہا تھا لیکن کیوں کہا تھا، کیسا چرکا، کیسا تحفہ"

"وہ چرکا اور تحفہ یہی سیما ہے"

مرزا صاحب کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا، بڑی دیر تک نسیمہ کو دیکھتے رہے پھر فرمایا۔

"اماں سچ کہو"

"یہ لیجئے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے"

"اچھا بھئی تمہارا کہا سہی ——— تحفہ تو سمجھ میں آ گیا لیکن چرکا"

"اماں یہ کون تھے"؟

نسیمہ: "کون ۔۔ کسے پوچھ رہی ہے لڑکی"

سیما:۔ "وہی جن کے سامنے تم نے مجھے بلایا تھا جنہوں نے مجھے پیار کیا تھا، میرے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا تھا ۔۔ کیوں اماں کون تھے؟"

نسیمہ:۔ "کوئی تھے تجھے کیا"

سیما: "مجھے بڑے اچھے لگتے ہیں"

نسیمہ کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا

"تجھے اچھے لگتے ہیں"

سیما: "ہاں ۔۔ بہت"

نسیمہ: "بہت زیادہ کیوں؟"

سیما:۔ "ہاں اماں ۔ بہت زیادہ"

نسیمہ:۔ "تجھے پیار جو کر رہے تھے اس لئے"

سیما:۔ "یہ تو میں نہیں جانتی لیکن وہ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں، تم نے منع کر رکھا ہے کہ جب کوئی آدمی آیا کرے، تو کمرہ سے باہر نہ نکلا کرو ۔۔"

نسیمہ:۔ "ہاں تو ۔۔ پھر؟"

سیما:۔ "میں کب نکلتی ہوں ۔۔ لیکن یہ جب آیا کریں تو ان کے سامنے آنے دیا کرو کتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے:"

نسیمہ:۔ "اچھا اچھا اب سو جا"

یہ کہہ کر نسیمہ نے سیما کی طرف سے کروٹ بدل لی۔ اور سیما ماں کی طرف سے مطمئن ہو کر

باب ۴

یہ کون تھے؟

مرزا دلاور حسین کو رخصت کر کے رات گئے، جب نسیمہ اپنے کمرہ میں پہنچی تو خلافِ عادت سیما جاگ رہی تھی ماں کو دیکھتے ہی کہنے لگی "

"نیند نہیں آتی اماں"

نسیمہ پریشان ہو گئی۔ کیوں ــ کچھ طبیعت خراب ہے"

وہ بولی "نہیں تو"

نسیمہ:۔ "پھر کیا بات ہے، درد ہے سر میں، میری بچی"

سیما:۔ "نہیں درد بھی نہیں"

نسیمہ:۔ "کھانا کھا لیا تو نے"

سیما:۔ "ہاں میں تو کھا چکی بڑی دیر ہوئی"

"اچھا اب سو جاؤ"

یہ سنتے ہی وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی، پھر اس نے ماں کی طرف رخ کر کے کہا

"باپ کیا چیز ہے؟"

اس کی محبت اس کی شفقت، اس کا پیار کیا ہوتا ہے؟ کیسا ہوتا ہے؟

لیکن یہ تمنا دل سے کبھی زبان پر نہ آ سکی، نہ جانے کیوں لنیمہ سے ایسی باتیں پوچھتے ہوئے اسے ایک قسم کی جھجک سی ہوتی تھی۔

اور آج —!

جب دلاور حسین نے اسے پیار کیا، اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا، اس سے میٹھی میٹھی باتیں کیں تو خود اس کے دل نے کہا

•

"یہ باپ ہے"

اس کے دل نے بتایا

"باپ ایسا ہوتا ہے"

اس کے دل نے تمنا کی

"کاش یہ شفقت و محبت ہمیشہ کے لئے سایۂ گستر رہے"

اور اس وقت وہ اپنے پلنگ پر لیٹی یہی سوچ رہی تھی

کل وہ پھر آئیں گے

پھر مجھے پیار کریں گے

میرے سر پر محبت سے ہاتھ پھیریں گے

مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کریں گے

ان کے پاس آنے اور بیٹھنے سے اب اماں مجھے کبھی منع نہیں کریں گی

اور یہی سوچتے سوچتے وہ سو گئی

کہ اب وہ اس کی نگرانی نہیں کر رہی ہے ۔ بڑے اطمینان سے عالم خیال
پہنچ گئی ۔

نیمہ ، سیما کی بڑی کڑی نگرانی کرتی تھی ، وہ اگرچہ ابھی ناسمجھ لڑکی تھی ، لیکن نے
کی اس طرح رکھوالی کرتی تھی جیسے بھرے پرے گھر میں کسی نوجوان لڑکی کی نگہ
کی جاتی ہے ، نسیمہ کے پاس ہر قسم کے مرد آیا کرتے تھے ، لیکن سیما کی مجال نہیں تھی کہ کس
سامنے آئے ، یا کسی کے پاس بیٹھے یا کسی سے باتیں کرے ، زندگی میں آج پہلی
وہ دلاور حسین کے سامنے آئی تھی اور ان کی شفقت و محبت سے لطف اندوز ہو
تھی ۔"

وہ دل ہی دل میں مرزا صاحب کو اپنا باپ سمجھنے لگی تھی ، اسے بڑی تمنا تھی
کہ کبھی کوئی باپ ہوتا ، مدرسہ میں اس کی ہم عمر چھوکریاں اپنے باپوں کے قصے س
کرتی تھیں"

" ہمارے لئے ہمارے ابا کپڑے لائے ! "
" ہمارے ابا نے ہمیں پیسے دیئے ! "
" ابا جان نے یہ ہار بازار سے لا کر دیا "
" یہ کپڑا کتنا اچھا ہے ابو لائے تھے "
" یہ اوڑھنی تو بس کچھ نہ پوچھو ، میں نے پہلے سے ضد کری ، انہوں نے کہا ہم ایسی
اوڑھنیاں لا کر دیں گے ۔"

" ابو — پپا — ابا جان کے قصے سنتے سنتے وہ تنگ آگئی تھی وہ دیکھنا چاہتی تھی
کیسے لوگ ہوتے ہیں ۔

ہی کا چل پڑا ۔ نسیمہ نے کہا

"بہت ہل گئی ہے آپ سے"

مرزا صاحب بولے ۔ "تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے ——————— میں بھی تو بہت ہل گیا ہوں اس سے ——————— ہم دونوں کی دوستی سے تم جلتی تو نہیں ہو"

"ہٹئے بھی" یہ کہہ کر وہ مسکرادی

مرزا صاحب نے کہا "آج کچھ صاف صاف باتیں کرنا چاہتا ہوں تم سے ، موڈ میں ہو"

وہ بولی "فرمائیے"

مرزا صاحب نے کہا "کیوں نہ ہم تم شادی کرلیں"

شادی کا لفظ سنتے ہی نسیمہ کا دل دھک دھک کرنے لگا ، کتنا پیارا لفظ تھا یہ —— ——————— کتنی دیرینہ تمنا تھی یہ اس کی لیکن اب ——————— اب بڑھاپے کی سرحد پر پہنچنے کے بعد شادی کرنا ، اپنا مذاق اڑوانا تھا اور شاید مرزا صاحب بھی مذاق ہی کر رہے تھے اس لئے کہا

ہر وقت مذاق ——— کبھی سنجیدہ بھی تو بنا کیجئے"

تیوری چڑھا کر وہ بولے

"مذاق نہیں سچ کہتا ہوں ، دلی تمنا ہے تم سے شادی کرلوں"

نسیمہ بولی

کبھی میری بھی یہ دلی تمنا تھی ، کہ کسی سے شادی کرلوں ، کسی کی ہو رہوں ، کسی

باب ۵

عہدِ وفا!

سیما اب مرزا اور حسین سے بہت مانوس ہوگئی تھی وہ روز آتے تھے اور جب آتے اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی تحفہ سیما کے لئے ضرور لاتے تھے، کبھی چاکلیٹ، کبھی ٹانی، کبھی بسکٹ کبھی کھلونے کبھی گڑیاں ——————

—————— سیما ان چیزوں کو بڑے شوق سے لیتی تھی، بلکہ اب تو اپنا حق سمجھنے لگی تھی کہ مرزا صاحب جب آئیں اس کے لئے ضرور کچھ لائیں بلکہ کبھی کبھی وہ خود بھی کوئی فرمائش کردیتی تھی اور مرزا صاحب اس کی تعمیل اپنا فرض سمجھتے تھے، شروع شروع میں تو نسیمہ نے ذرا روک ٹوک کی، لیکن سیما بھی بغاوت پر تل گئی اور مرزا صاحب بھی لڑنے مرنے پر تیار ہوگئے نتیجہ یہ ہوا کہ نسیمہ کو ہار ماننی پڑی وہ اب ان دونوں کے معاملات میں ذرا بھی دخل نہ دیتی تھی، سیما اور مرزا صاحب کو گھل مل کر باتیں کرتے دیکھ کر وہ خود بھی دل ہی دل میں کچھ جلن سی محسوس کرتی تھی۔

ایک روز مرزا صاحب اور نسیمہ پاس پاس بیٹھے باتیں کررہے تھے، ذکر کچھ

یسا

وتی نہ آیا، آخر بندھی ہوئی پوٹلی پھر کھول کر رکھدی، نہ جانے کتنی بار میں نے، اپنے
ہونے والے شوہر کی خدمت اور چاکری کے پروگرام بنائے لیکن کوئی ایسا نہ ملا جو مجھے
رست لیتا۔ مجھے چاکری کا موقع دیتا۔ ـــــــــــــــ یہاں تک کہ میں
یوس ہوگئی:

مرزا صاحب سے اب نہ رہا گیا۔ بیچ میں بول پڑے

"مایوس کیوں ہوگئیں؟ خدا کی رحمت سے بھی کوئی مایوس ہوتا ہے"

نسیمہ نے جواب دیا" خدا کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے — لیکن مرزا صاحب
سوچ کر بات کیا کیجئے:

"کیا غلطی ہوئی مجھ سے —— فرمائیے":

نسیمہ نے کہا

"ہر چیز کا ایک وقت ایک موقع ہوتا ہے، شادی، شادی کی عمر میں بھلی معلوم ہوتی
ہے جس طرح کمسنی کی شادی معیوب ہے اسی طرح زیادہ عمر کو پہنچکر شادی کرنا بھی حماقت
ہے —"

مرزا صاحب بھلا کب ہارنے والے تھے"

کیوں حماقت ہے؟ ـــــــــــــــ آخر تم شادی کا مقصد
کیا سمجھتی ہو؟

"آپ بتلائیے آپ کیا سمجھتے ہیں"

"شادی کا مقصد ہے سکون، اور محبت، وفاداری اور خلوص کی زندگی بسر کرنا اور
زندگی کا سکون طلب زمانہ یہی ہوتا ہے":

کو اپنا بنالوں اسی تمنا میں عمر بیت گئی ، اب آپ ساٹھ کے پیٹے میں آچکے ہیں ۔ میں چالیس
سرحد پار کر چکی ، اب آپ پیام لائے ہیں شادی کا ———— صبحدم کوئی اگر
بام آیا تو کیا "

مرزا صاحب ان باتوں کے جواب میں ابھی کچھ کہہ نہیں پائے تھے کہ نسیمہ نے سلسلہ
جاری رکھتے ہوئے کہا

" مجھے قدرت کی ستم ظریفی پر ہنسی آتی ہے ، مرزا صاحب یقین کیجئے ، میں نے
موجودہ زندگی کو ایک پل کے لئے بھی پسند نہیں کیا ، آپ کی طرح بہت سے لوگوں
شادی کا پیام دیا صرف مجھے خوش کرنے کے لئے ، بہت سے لوگوں نے زندگی نباہنے
وعدے کئے ، لیکن بے وقوف بنانے کے لئے ، سچ مچ نہیں ، بہت سے لوگوں نے
اور محبت کا سوانگ اسی کمرے میں رچایا ، محض زیادہ لطف حاصل کرنے کے لئے ، بہت
لوگوں نے وفا ، خلوص اور سچائی پر زوردار تقریریں کیں ، لیکن بھول جانے کے لئے یہ
باتیں صرف رات بھر کے لئے ہوتی تھیں ، صبح ہوتے ہی جیسے رات کی تاریکی پھٹ جاتی
اسی طرح ، یہ جھوٹے وعدے ، یہ جھوٹی باتیں ، یہ جھوٹ کائی کی طرح پھٹ جاتا تھا ۔

مرزا صاحب خاموش تھے

نسیمہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور وہ گلوگیر آواز میں اپنی داستان
سنا رہی تھی ۔

ہر نئے آنے والے کے بارے میں گمان ہوتا تھا کہ یہ کھرا ثابت ہوگا ، یہ ضرور
شادی کرے گا ، یہ ضرور مجھے اپنا بنالے گا ، لیکن یہ گمان کبھی بھی سچا ثابت نہیں
نہ جانے کتنی دفعہ میں نے بھاگ چلنے کے لئے پوٹلی باندھی ، لیکن بھگا لے جانے

مرزا صاحب نے کہا

"میں آج فیصلہ کر کے جاؤں گا"

وہ بولی "اہم باتوں کے فیصلے فوراً نہیں ہوا کرتے ، ذرا چھپری تلے دم تو لینے

...یجئے:

مرزا تو بتاؤ کب جواب دو گی"

نسیمہ: "سوچ کر"

مرزا "کب تک"

نسیمہ :۔ دو چار دن میں ———— لیکن نہیں کہہ

...کتی میرا جواب کیا ہوگا :

مرزا :۔ تو مجھے مایوس ہو جانا چاہیئے :

نسیمہ :۔ "یہ لفظ نہ استعمال کیجئے ، ایسے الفاظ جذبات سے بھرپور نوجوانوں کے لئے

...وڑ دیئے یوں نہ کہیے" تو مجھے یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیئے اور میں فوراً کہہ دوں گی ،

...ں ———— مرزا صاحب ایک

...ت تو بتایئے ———— آخر اس عمر میں آپ کو شادی کی سوجھی

...یوں ۴ لڑکیاں اور لڑکے خدا رکھے ، موجود ، پھر آخر آپ کیوں اس جنجال میں پھنسنا

...چاہتے ہیں :

مرزا صاحب نے کہا

بیوی کا انتقال ہو چکا ، لڑکیوں کی شادی ہو گئی، لڑکے بھی اپنے پاؤں پر

...ڑے ہو گئے ، سب کو ان کا حصہ تقسیم کر دیا ، اپنے لئے جو کچھ رکھنا تھا ، رکھ لیا ، وہ اپنی

نسیمہ "کون سا"

مرزا "یہی چالیس اور پچاس سال کے بعد کا"

نسیمہ نے کوئی جواب نہیں دیا ہنس پڑی

مرزا صاحب بگڑ گئے "تم ہنس رہی ہو"

"تو آپ کا کیا مطلب ہے رونے لگوں"

مرزا "دیکھو نسیمہ ———— سنجیدگ

تمہاری زندگی کا ایک دور وہ تھا کہ تم قیامت بنی ہوئی تھیں، اس وقت تمہیں ک

کی ضرورت نہیں تھی، میری زندگی کا ایک زمانہ وہ تھا کہ میں راجہ اندر بنا ہوا

کبھی کسی سہارے کی قطعاً ضرورت نہ تھی، لیکن اب میں تھک چکا ہوں، ما

بشرے سے ٹپک رہی ہے، تم مجھے سکون پہنچا سکتی ہو۔ میں تمہیں سکون پہنچا

اس عمر میں ہم دونوں ایک دوسرے کے جیتے جاگتے رفیق بن سکتے ہیں پہلے ہو

کئے ———— ہماری جو

شروع ہوتی ہے بے غرض ہے، ہوائے نفسانی سے خالی ہے، اس کی

چاہئے۔؟

نسیمہ نے کوئی جواب نہ دیا، پان بناتی رہی، مرزا صاحب نے پوچھا

"بتاؤ کیا کہتی ہو"

وہ بولی "لے واہ میں کیا کہوں"

مرزا "یہ پیشکش منظور ہے یا نامنظور"

وہ تڑسے بولی "نامنظور" اور پھر مسکرا دی

یہ بات بھی پیشِ نظر رکھیں گی لیکن ذرا تمام پہلوؤں پر غور کر لینے دیجیے۔"

اتنے میں سیما آ گئی اور آتے ہی لپک کر مرزا صاحب کے پاس بیٹھ گئی پہلا سوال اس نے یہ کیا۔

"ہماری چیزیں لائے"

مرزا صاحب نے کہا

"تمہاری چیزیں، بھئی کیا کریں، تمہاری اماں نے چھین کر باہر پھینکدیں، بڑی خراب ہیں تمہاری اماں جان، کیوں ٹھیک ہے نا؟"

سیما نے انکار میں گردن ہلائی، نسیمہ نے اٹھتے اٹھتے کہا

"ذرا چائے بنا لاؤں ـــ ابھی آئی دو منٹ میں"

جگہ خوش ہیں، میں اپنی جگہ خوش رہنا چاہتا ہوں"

نسیمہ نے مرزا صاحب کی باتیں سن کر کہا ۔" سوال صرف یہ ہے کہ ہماری ز
عمر کے اس مرحلہ پر پہونچکر اتنا بڑا انقلاب کیوں آئے "

مرزا صاحب نے فرمایا

اس لئے کہ اتفاق سے ہم دونوں اس انقلاب کو قبول کرنے پر مجبور ہیں ۔
تمہاری ضرورت ہے، تمہیں میری، بے شک، میں نے شادی کرلی، بال بچوں وا
لیکن بیس سال کی اس طویل مدت میں تمہیں ایک لمحہ کے لئے نہ بھول سکا، تمہارا جو نق
ملاقات میں قائم ہوا تھا وہ برابر گہرا ہوتا ہوگیا، آج تک دل میں موجود ہے اور ہمیشہ
رہے گا ـــــــــــــــــــ گناہ کرنے کا زمانہ گزر گیا، اب گنا
نہیں چاہتا، جائز طور پر اپنا بنانا چاہتا ہوں ـــــــــــــــــــ
تمہیں انکار کیوں ہے"

وہ بولی " نہ انکار ہے نہ اقرار سوچکر جواب دوں گی کہہ تو دیا"

مرزا :- کوئی مضائقہ نہیں، اچھی طرح سوچ لو، اور سوچتے وقت ایک بات خاص
پر پیش نظر رکھو"

نسیمہ " وہ کیا ؟"

مرزا :- " نسیمہ ـــــــــــــــــــ تمہیں سوچنا چاہئیے، تم سیما کو کیا
چاہتی ہو، تم زندگی بھر اپنے لئے یہ چاہتی رہیں کہ کسی کی ہو رہو، لیکن اپنی اکلوتی لڑکی کے
یہ گوارا کرو گی کہ وہ ـــ !"

نسیمہ :- بس، آگے کچھ نہ کہیئے، سمجھ گئی ۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ـــــــ

وہ مسکرائی "کس سے لڑیں گے آپ"

مرزا:۔ "تم سے اور کس سے"

نسیمہ:۔ "میں نہیں لڑا کرتی، آپ نے سنا نہیں اچھے لوگ کبھی نہیں لڑتے"

مرزا:۔ "نہیں یہ نہ کہو، اچھے لوگ نہیں لڑتے، یہ کہو وہ جنگ کی ابتدا نہیں کرتے اور ابتدا میری طرف سے ہو رہی ہے"

نسیمہ:۔ "یہ بات ہے تو میرا جواب بھی سن لیجئے ۔۔ بیاک سپر انداختیم اگر جنگ است" اب فرمایئے کہ کیا ارادہ ہے"

وہ اور زیادہ سنجیدہ ہو گئے

"اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے ہماری بات مان لی"

نسیمہ نے گردن جھکا کر کہا "آپ نہیں مانتے تو کیا کروں"

وہ خوش ہو گئے

"تمہارے اس احسان کو زندگی بھر نہ بھولوں گا تم نے میری زندگی بنا دی"

نسیمہ:۔ "ہاں، لیکن اپنی زندگی بگاڑ کر"

بھپھر ہی تو گئے۔ "کیا کہا ۔ اپنی زندگی بگاڑ کر ۔؟ مجھ سے شادی کر کے تمہاری زندگی بگڑ جائے گی"

نسیمہ:۔ "ڈر بھی لگتا ہے"

مرزا:۔ "کیوں آخر"

نسیمہ:۔ "یہ زندگی بہر حال چالیس بیالیس برس سے اپنی جگہ جمی ہوئی تھی، بیزاری کے باوجود اس کی عادی ہو گئی تھی اب پہلی مرتبہ نئی زندگی اختیار کرنی پڑے گی"

باب ۶

شام مسرت

مرزا صاحب دھن کے پکے آدمی تھے، وہ جب کسی بات پر اڑ جاتے تھے تو چٹان بن جاتے تھے، ان کا فیصلہ کبھی نہیں بدلتا تھا، وہ بہت دیر میں خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتے تھے، لیکن فیصلہ کرنے کے بعد پھر بدلا نہیں کرتے تھے، انھوں نے نسیمہ سے شادی کا فیصلہ بڑی دیر میں کیا تھا، لیکن اب یہ اٹل تھا۔

دوسرے روز وہ نسیمہ کے ہاں پہنچے، آج چہرے پر تبسم نہیں تھا، سنجیدگی تھی، چہرہ اترا ہوا تھا، آنکھیں سرخ تھیں، معلوم ہوتا تھا، رات بھر جاگے ہیں اور کسی گہری فکر میں الجھے ہوئے ہیں، نسیمہ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئی

اس لئے کہا

"خیر تو ہے کیا کسی سے لڑ کر آتے ہو"

سگریٹ جلا کر بجھاتے ہوئے انھوں نے کہا

"لڑ کر نہیں آیا ہوں — لڑنے آیا ہوں"

مرزا:۔ تمہارا فیصلہ کمزور تو نہیں؟ بعد میں مجھے دھوکا نہ دو گی؟ دیکھو نسیمہ اگر ایسا ہوا، تو خدا کی قسم خودکشی کر لوں گا، مجھے تم سے جتنی محبت ہے وہ تو ہے ہی، لیکن سیما بھی میرے جگر کا ٹکڑا بن چکی ہے، دنیا میں بڑے بڑے طوفانوں کا تنہا مقابلہ کیا ہے لیکن اس طوفان کو ہرگز نہ جھیل سکوں گا۔

یہ کہتے کہتے مرزا صاحب کی آنکھیں بھر آئیں، نسیمہ نے اپنے دامن سے ان کے آنسو پونچھے اور کہا

"آپ تو بالکل بچوں کی سی باتیں کرنے لگے، بھلا ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے کہ میں اور آپ کو دھوکا دوں •

پھر دوں جو تجھ سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے

یہ خیال نکال دیجئے دل سے"

مرزا صاحب مطمئن ہو گئے

"اچھا نکال دیا، اب معاملہ کی باتیں کرو"

نسیمہ:۔ "فرمائیے"

مرزا:۔ "مہر کیا ہو گا"

نسیمہ:۔ "پچاس روپے سے زیادہ نہیں"

یہ سن کر مرزا صاحب ایک بالشت اپنی جگہ سے اچھل پڑے

"کچھ پاگل ہو گئی ہو ——— پچاس ہزار اور یہ رقم میں نقد دوں گا۔

وہ بولی "تو پھر شادی نہیں ہو سکتی"

مرزا :۔ "تو اس سے کیا ہوتا ہے"

نسیمہ :۔ "اب تک میں سب پہ حاکم رہی ، اب محکوم بن جاؤں گی"

اب مرزا صاحب سے ضبط نہ ہو سکا ، اتنے زور سے قہقہہ لگایا کہ ساری اگلی پچھلی کسر
دی ، ہنستے ہنستے لوٹ گئے کہنے لگے

"تم محکوم بن جاؤ گی"

اور پھر ہنسنے لگے

"نہیں تم حاکم ہو گی ، محکومی میں نے قبول کی ہے ، حکومت کے خوب مزے اڑا لئے
نوکروں پر ، گھر والوں پر بیٹیوں اور بیٹوں پر ، حکومت ہی کرتا رہا زندگی بھر ، اب ذرا محکومی
لذت بھی اٹھا لوں ، یہ بھی دیکھ لوں محکوم بننے میں کیا لطف آتا ہے ——— نسیمہ
میں نے اپنا حاکم بنا لیا"

وہ ہنسنے لگی ۔ "کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ"

وہ بولے ۔ "وہی جو امر واقعہ ہے

نسیمہ نے سنجیدگی کے ساتھ کہا

"ماننے کو آپ کی بات میں نے مان لی ، لیکن ایک مرتبہ پھر سوچ لیجئے"

وہ مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے بولے

"تم مرزا کو بالکل نہیں جانتی ، ارے کبھی وہ بغیر سوچے سمجھے سانس بھی نہیں لیتا ، شا
کیا کرے گا ، ہاں خود تمہارے دل میں چور ہو تو کہہ دو صاف صاف"

وہ تیوری چڑھا کر بولی

"کیا مطلب"

میرے اور آپ کے بیچ میں حائل ہے"

"اتنے میں سیما آگئی، سیما کو دیکھ کر مرزا صاحب بے قابو ہو گئے"

"بیٹی تو کہاں چھپی بیٹھی رہتی ہے"

وہ قریب آن کر بیٹھ گئی

"کہیں بھی نہیں اپنے کمرے میں ٹارزن کی کہانی پڑھ رہی تھی"

پھر اس نے شکایتہً کہا

"میں نے آپ سے کچھ کہا تھا یاد ہے"

مرزا صاحب سر کھجاتے ہوئے بولے

"ہاں بیٹے، اب یاد آیا، بالکل بھول گیا تھا، چلو میرے ساتھ بازار، تم خود اپنی پسند سے لے آنا"

نسیمہ نے لقمہ دیا "کیا چیز"

مرزا صاحب نے جھڑک دیا

"باپ بیٹی کے معاملہ میں تم دخل دینے والی کون — چل بیٹی"

سیما کا دل فرط مسرت سے ناچنے لگا۔ "باپ بیٹی" — مرزا صاحب میرے باپ ہیں میں ان کی بیٹی — ؟

اٹھ کر باہر جاتے ہوئے انہوں نے نسیمہ سے کہا

"کل جمعہ کا مبارک دن ہے، نماز جمعہ کے بعد قاضی صاحب آجائیں گے"

وہ صرف مسکرا دی کوئی جواب نہ دیا اس نے۔

"مرزا صاحب سہم گئے، یہ کیوں؟"

وہ کہنے لگی

"آپ جانتے ہیں، کس طبقے سے تعلق رکھتی ہوں، میرا طبقہ زر پرستی کے لئے بدنام ہے اپنے دامن پر دھبہ لگا کر آپ کے گھر نہیں جانا چاہتی، کہ روپے کے لالچ نے مجھے آپ سے شادی پر اکسایا، میں آپ کو آپ کے لئے چاہتی ہوں، روپے کے لئے نہیں ————— ———— مہر وہی ہوگا جو میں نے کہا — للہ اس شادی کو پرخلوص رہنے دیجئے اس میں لالچ اور طمع کو نہ شامل کیجئے:"

مرزا صاحب کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، وہ حیرت سے نسیمہ کو دیکھ رہے تھے، یہ عورت اتنے اونچے کردار کی تھی، اس کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

وہ اٹھ کر بولے

"نسیمہ: تم کیا چیز ہو، میں اب تک نہیں سمجھ سکا"

وہ بولی

"لیکن میں نے آپ کو سمجھ لیا ہے، اسی لئے بغیر کسی لالچ اور طمع کے اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہمیشہ کے لئے دے رہی ہوں!"

مرزا صاحب کا چہرہ وفور طرب سے پھول کی طرح کھل گیا جوش جذبات سے مغلوب ہو کر ہلکی سی گستاخی کے ارادے سے وہ آگے بڑھے ————— لیکن نسیمہ نے انہیں روک دیا۔

"خبردار ————— جس زندگی سے تائب ہو چکی ہوں اب ادھر کا رخ بھی نہیں کر سکتی — آپ جب چاہیں قاضی کو بلا کر ——— اس دیوار کو توڑ سکتے ہیں

سیما

روپیہ کا "حصہ" اپنے مرنے سے پہلے دے دیا ، چاہیئے تو یہ تھا کہ میرے پاؤں چومتے ، کرتے ہوئے ہیں مجھ سے ، میرا باتیکاٹ فرما رہے ہیں ۔ کوئی ان الو کے پٹھوں سے پوچھے بائیکاٹ کر کے کیا بگاڑ لو گے میرا ، اتنے ہی باعیرت ہو ۔ تو لاؤ وہ سب کچھ جو میں نے تمہیں دیا ہے واپس کر دو تب جانیں کہاں عیرت کے پتلے ہو

اور وہ لڑکیاں ۔ ان سور کی بچیوں کو میں نے لڑکیوں سے زیادہ لاڈ پیار سے پالا ، خاندان کی ریت رسم کے خلاف زیور تعلیم سے آراستہ کیا ، شادیوں کے موقع پر پانی کی طرح روپیہ بہایا ، اور اتنا جہیز دیا کہ جس نے دیکھا آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں وہ آئی ہیں میرے مقابلہ پر ۔ ایک فرما رہی تھیں :۔ "ابا جان آپ نے یہ اتنی بڑی حرکت کی ہے کہ ہمیں آپ کو اپنا باپ کہتے شرم آتی ہے ۔

دوسری نے ارشاد فرمایا

اب ہم کبھی آپ کی صورت نہ دیکھیں گے ۔

تیسری نے گل افشانی فرمائی

ہم مر جائیں تو ہمارے جنازہ پر بھی نہ آیئے گا

میں نے کہا تم بھی نہ آنا ، حرامزادی نے کہا " ہاں نہیں آئیں گے ، میں نے بھی عاق کر دیا ان سب کو"

اور یہ کہہ کر وہ رونے لگے ، ہچکیاں لے کر ، معصوم سیما ان کے پہلو میں کھڑی تھی وہ بھی رونے لگی اور نسیمہ کی آنکھوں میں تو مرزا صاحب کی باتیں سنتے ہی آنسو بھر آئے تھے ، لیکن اس نے انہیں ہچکیاں لے لے کر روتے دیکھا تو پہلے ان کے آنسو پونچھے

پھر کہا

"خدا کے لئے حوصلے سے کام لیجئے ، آپ تو بچوں کی طرح رونے لگے"

مرزا صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

Seema

باب ۷

ردِ عمل

مرزا صاحب کو نسیمہ سے شادی کرکے بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا — لڑکیاں روٹھ گئیں، لڑکے بائیکاٹ پر آمادہ ہو گئے، عزیزوں نے لعنت ملامت کی بوچھار کی لیکن واقعی وہ ایک چٹان ثابت ہوئے، مخالفتوں کا یہ طوفان آیا اور گزر گیا، مگر انہوں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ نسیمہ کو پاکر وہ بے حد مسرور رہتے اور سیما ——— تو ان کی زندگی بنتی جا رہی تھی۔

ایک روز مرزا صاحب کچھ مضمحل اور افسردہ سے بیٹھے تھے، اتنے میں نسیمہ آگئی، اسے دیکھ کر وہ خوش ہو گئے کہنے لگے

"تم آگئیں تو رونق کاشانہ ہو گئی ——— نسیمہ تمہیں پاکر سچ مچ بہت خوش ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اب تک میری زندگی رائیگاں گئی، زندگی کا سچا اور اصلی دور اب شروع ہوا ہے، ان کمبخت لونڈوں کو دیکھو جنہیں میں نے شاہزادوں کی طرح پڑھایا — جوان کیا ——— روزگار سے لگایا ——— ہزاروں لاکھوں

سیما

لیجیے !

مرزا صاحب :۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اور سیما کو چھوڑ دوں بتاؤ یہ مطالبہ مانا جا سکتا ہے اور مانا بھی جا سکتا ہے تو کیا میں مان سکتا ہوں ؟

"میں" پر بہت زور دیا

نسیمہ کچھ سوچنے لگی ، پھر اس نے کہا

"یہ تو واقعی مشکل بات ہے ، آپ چھوڑنا بھی چاہیں تو اب میں آپ کا دامن نہیں چھوڑ سکتی ، لیکن کیا اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی ؟"

مرزا صاحب :۔

"نہیں — یہی ان کی پہلی اور آخری شرط ہے"

نسیمہ :۔ تو ایک بات کیجیے ، میں یہاں سے سیما کو لیکر کسی اور شہر میں چلی جاتی ہوں ، کبھی کبھی آپ وہاں آجایا کیجیے گا ، میرے لئے یہی بہت ہے"

مرزا صاحب :۔ "کیوں"

نسیمہ :۔ "تاکہ آپ کو سکون مل سکے"

مرزا صاحب :۔ تم انجان نہ بنو نسیمہ ، میرا سکون اب صرف تم سے اور سیما سے وابستہ ہے اور کسی سے نہیں"

سیما بیچ میں بول پڑی اور ہمارا بھی"

یہ سنتے ہی مرزا صاحب نے اسے گلے سے لگا لیا ، خوب سا پیار کیا اور کہا

"ہاں میری بیٹی —— بس اب تو ہی میرا سکون ہے ، میری زندگی ہے ، میرا سہارا ہے ، جو نالائق تھے انہوں نے مجھے اور میں نے انہیں چھوڑ دیا

"جب اولاد اپنی نہ ہوتی، تو کس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے، اس دنیا میں
مجھے اسی پر آرہا ہے، میں نے انہیں جس محبت سے پالا ہے میرا دل جانتا ہے، لیکن ان
نمکی اور طوطا چشمی دیکھو، مجھ ہی سے، لیکن میں بھی انہیں رسوا کر کے رہوں گا،

نسیمہ چونک پڑی

"آپ رسوا کر کے رہیں گے، کس کو؟"

وہ بولے

"ان ہی حرامزادوں کو، ابھی جاتا ہوں، اخبار کے دفتر میں، اور پہلے صفحہ پر
نامہ ان سب کا نام دے کر چھپواؤں گا تاکہ دنیا ان کے منہ پر تھوکے اور جان لے کہ باپ
عاق کر دیا۔"

"نسیمہ نے پوچھا" لیکن اس سے فائدہ کیا ہوگا"

کہنے لگے "دل کی بھڑاس نکل جائے گی"

نسیمہ:۔ نہیں آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے"

مرزا صاحب:۔ پھر کیا کرنا چاہیے

نسیمہ:۔ معاف کر دینا چاہیے، وہ بہرحال آپ کی اولاد ہیں، اولاد پھر اولاد ہے"

مرزا صاحب:۔ نہیں ———————— تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی دونوں
ہاتھوں سے بجتی ہے۔"

نسیمہ:۔

ضد نہ کیجیے، میں جو کہہ رہی ہوں، وہی کیجیے، بلکہ اگر ان کی طرف سے اگر
ایسی بات پیش آجائے، جس کے ماننے سے حالات درست ہو سکتے ہوں، تو

تو ہمیشہ میری رہے گی، میری بیٹی، میری پیاری بیٹی"

نسیمہ کی آنکھیں اب تک آنسوؤں سے لبالب تھیں اس نے کہا

"لیکن میں باپ بیٹوں میں تفریق نہیں چاہتی، انہیں منانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا"

مرزا صاحب بگڑ گئے

"بیکار کی باتیں نہ کرو میں اب ان کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا"

"پھر بھی انہیں راضی کیجیے کسی طرح"

"کیوں راضی کروں۔ کوئی وہ میرے باپ ہیں"

سیما ہنسنے لگی

مرزا صاحب بھی ہنسنے لگے

لیکن نسیمہ کی سنجیدگی بدستور قائم رہی۔

باب ۸

لنیمہ کا فیصلہ!

دو سال گزر گئے ،

مرزا صاحب کی زندگی اولاد کی طرف سے ایک بڑا جھٹکا کھا کر سنبھل گئی تھی ، وہ لنیمہ کی محبت اور سیما کی دل جوئیوں میں اپنا غم فراموش کر چکے تھے۔ انہیں اپنی اولاد سے اب کوئی تعلق نہیں تھا وہ کامل یکسوئی اور عزلت کی زندگی گزار رہے تھے ۔ وہ سمجھ چکے تھے ، اب جو کچھ لذت ہے وہ اسی نئی دنیا میں ہے ، انہیں اپنی نالائق اور احسان فراموش اولاد سے نفرت سی ہو گئی تھی ۔ وہ اکثر دل ہی دل میں سوچا کرتے ، کیا واقعی وفا زمانہ سے اڑ گئی ، اگر اولاد اتنی خود غرض ہو سکتی ہے ، تو پھر آخر دنیا میں بھروسہ کس پر کیا جا سکتا ہے ؟ پھر ان کے سامنے لنیمہ آجاتی ، وہ سب کچھ بھول جاتے ، سیما آجاتی ، سب کچھ بھول کر وہ اس میں محو و مستغرق ہو جاتے ، اب ان کی ساری امیدیں اور آرزوئیں اسی ایک ذات سے وابستہ ہو گئی تھیں ، وہ سوچا کرتے تھے سیما کو ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے یورپ بھیجوں گا اور برق کر دوں گا ، وہ چاہتے تھے کہ سیما کو اتنی تعلیم

"سنائیے۔ لیکن شعر نہیں کوئی اچھی سی بات"

وہ بولے :۔ "بڑی اچھی بات سناؤں گا"

نسیمہ :۔ "پھر ترساتے کیوں ہیں۔ کہہ ڈالئے"

مرزا صاحب :۔ "میں نے ایک بڑا اہم فیصلہ کیا ہے"

نسیمہ :۔ "یا اللہ خیر آپ کے فیصلوں سے بہت گھبرانے لگی ہوں۔ کہئے"

مرزا صاحب :۔ "فیصلہ یہ ہے کہ ساری جائداد منقولہ اور غیر منقولہ سیما کے نام ہبہ

کردوں"

نسیمہ :۔ "یہ کیوں؟"

مرزا صاحب :۔

"تاکہ میرے بعد اسے کوئی تکلیف نہ ہو ـــــ وہ آرام سے زندگی بسر

کرے"

نسیمہ :۔ "ایسی باتیں نہ کیجئے، خدا آپ کا سایہ سلامت رکھے، یہی سب سے بڑی

نعمت ہے، یہی سب سے بڑی دولت ہے"

مرزا صاحب :۔ "وہ تو جب تک خدا کی مرضی ہے، رہے گا، لیکن اس میں حرج کیا

ہے آخر؟"

نسیمہ :۔ "ہے۔ آپ نہیں جانتے"

مرزا صاحب الجھ گئے

"تم میرا فیصلہ نہیں بدل سکتیں"

نسیمہ مسکراتی رہی

دلادی جائے کہ وہ جب ضرورت ہو اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے، فرض کیجئے، اس
شادی ہو گئی نہ بنی کسی بات پر شوہر سے تو اپنے گھر آ جائے اور ٹھاٹھ کی زندگی بسر

وہ اکثر سیما سے پوچھا کرتے تھے۔

"بیٹی تو پڑھ کر کیا کرے گی؟"

وہ مسکرا کر جواب دیتی، "خدمت"

وہ پوچھتے "کس کی"

وہ کہتی، "پہلے آپ کی، پھر امی کی، پھر ساری قوم کی، جس کسی کو دکھ میں
اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑوں گی"

اور مرزا صاحب یہ باتیں سن کر خوش ہو جاتے، بڑے جوش سے اسے کلیجے
لگا لیتے اور اس کے مستقبل کے بارے میں ان کے جذبات اور زیادہ مستحکم ہو جاتے
یہ سمجھنے لگے تھے کہ خدا نے نسیمہ اور سیما کی صورت میں ان پر ایک ایسی اچھی نعمت
ہے، جو ان کے ہر دکھ کی دوا ہے، یہ نعمت جب تک حاصل ہے، کوئی غم پاس نہیں
پھٹک سکتا۔

ایک روز وہ سیما سے دل خوش کن باتیں کر رہے تھے، وہ بھی اپنی من موہنی باتوں
سے ان کا جی بہلا رہی تھی اتنے میں نسیمہ آ گئی اسے دیکھ کر سیما خاموش ہو گئی کچھ دیر
چاپ بیٹھی رہی پھر خاموشی سے اٹھ کر دوسرے کمرہ میں جہاں وہ بیٹھ کر پڑھا کرتی تھی
گئی اس کے جانے کے بعد مرزا صاحب نے مسکرا کر نسیمہ کو دیکھا اور کہا

"سنتی ہو بھی"

نسیمہ بھی اس وقت خوش تھی کہنے لگی

"اور آپ میرا فیصلہ بدل دیں گے۔"

مرزا صاحب سر کھجانے لگے

"تمہاری سعادتمندی سے امید تو یہی ہے کہ مان لوگی"

نسیمہ:۔ "ہر وہ بات مان لوں گی جس میں آپ کی بہبود ہو، اور ایسی کوئی بات نہ مانوں گی جو آپ کے لئے مضر ہو۔"

مرزا صاحب:۔ "تو اس میں میرے لئے مضرت کا کیا پہلو ہے"

نسیمہ:۔ "بہت زیادہ ہے، آپ کے لڑکے اور لڑکیاں پہلے ہی کچھ کم خفا نہیں ہیں اب ان کی برہمی اور زیادہ بڑھ جائے گی۔"

مرزا صاحب:۔ "بڑھ جائے، کیا کر لیں گے میرا"

نسیمہ:۔ "یہ نہ کہئے — میں اس خلیج کو پاٹنا چاہتی ہوں، اور آپ گہرا کر رہے ہیں۔"

مرزا صاحب:۔ "نہیں نسیمہ یہ بات نہیں ———— تم سایہ کے پیچھے دوڑ رہی ہو، جن لوگوں کے لئے تم مجھ سے لڑ رہی ہو، وہ تم سے نفرت کرتے ہیں، جنہیں دوست بنانا چاہتی ہو وہ میرے، تمہارے اور سیما کے خون کے پیاسے ہیں۔"

نسیمہ:۔

"جانے دیجئے"

مرزا صاحب:۔

"کیوں ———— خیر اس بات کو چھوڑو، یہ بتاؤ، اس پر تمہیں اعتراض کیا ہے، آخر اب جو کچھ میرے پاس ہے، وہ سیما کو کیوں نہ دے دوں، جبکہ د

میری زندگی اور روح بن چکی ہے۔"

نسیمہ:۔ "اعتراض یہ ہے کہ میں سیما کے لئے آپ کے لئے جائز وارثوں کا حق مارنا نہیں چاہتی، یہ سچ ہے کہ آپ اولاد سے زیادہ اسے چاہتے ہیں وہ بھی دنیا بھر میں سب سے زیادہ آپ ہی کی عاشق ہے، لیکن اس کے باوجود، حق، حق ہے، آپ کی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ پر سیما کا کوئی حق نہیں، جن کا حق ہے یہ ان ہی کو ملنا چاہیئے۔

مرزا صاحب:۔

بڑی نادان ہو نسیمہ تم بھی۔ ارے بھئی حقداروں کو ان کا حق مل چکا، تم سے شادی کرنے سے پہلے میں نے اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھ لیا باقی حصہ رسدی لڑکوں اور لڑکیوں میں تقسیم کر دیا سب بہت خوش ہوئے، اب جو کچھ ہے وہ میرا ہے، اس پر کسی کا حق نہیں جو چاہوں کروں۔ کوئی سوال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔"

نسیمہ:۔ یہ غلط ہے، خدا آپ کو عمر خضر عطا کرے لیکن جب خدانخواستہ آپ کی آنکھ بند ہو گئی، یہ سارا مال انہی کا ہوگا"

مرزا صاحب:۔ اس صورت میں کہ میں کسی کے نام ہبہ نہ کر جاؤں، جب سیما کے نام ہبہ کر رہا ہوں تو کسی دوسرے کو اس سے کیا تعلق۔"

نسیمہ:۔ "سیما کا کوئی حق نہیں ہے"

مرزا صاحب:۔

"ہے ۔۔ ہے کیسے نہیں"

نسیمہ:۔ "بچے نہ بنئے"

مرزا صاحب :۔ اچھا تمہارے نام ہبہ کر دوں ، تم تو میری بیاہتا بیوی ہو بہر

تمہارا حق تو ملنا چاہیئے :

نسیمہ :۔ "ہاں یہ ٹھیک کہا آپ نے ، مجھے آپ دے سکتے ہیں ، میں لے سکتی

ہوں "

مرزا صاحب :۔ "بس بس تو یہی ٹھیک ہے "

نسیمہ :۔ "لیکن سنئے تو ذرا "

مرزا صاحب :۔ "فرمائیے "

نسیمہ :۔ " لیکن شکرِ نعمت کے طور پر میں اپنے اس حق سے دستبردار ہوتی

ہوں "

مرزا صاحب :۔ " شکرِ نعمت ۔ کیا مطلب "

نسیمہ :۔ " آپ کو میرا رفیق زندگی بنا کر ، خدا نے میری زندگی سدھار دی ،

میری عافیت سنوار دی ، مجھے غلط راستے سے صحیح راستہ پر ڈالا ، اس سے بڑھ کر

اور کیا نعمت ہو سکتی تھی ، جس کی تمنا میں کرتی ، اب روپیہ لے کر میں اسے آلودہ

کرنا نہیں چاہتی :"

مرزا صاحب (عاجز آ کے) اوہو بھئی تمہاری باتوں نے تو دردِ سر پیدا کر دیا ہے

اچھا تمہارا کہنا سہی ، چلو میں مہر میں سب کچھ دیتا ہوں "

نسیمہ :۔ "وہ تو میں لے چکی "

مرزا صاحب :۔

"کیا لے چکیں ، وہی پچاس روپلی ـــ یہ تمہارا مہر تھا "

نسیمہ :- "جو ملے ہوا تھا وہ لے لیا، کم تھا یا زیادہ یہ میری قسمت"

مرزا صاحب :- "تو آخر کیا کروں پھر"

نسیمہ :- (مسکرا کر) "وہی میں جو کہہ رہی ہوں"

مرزا صاحب "یہ نہیں ہو سکتا"

نسیمہ :- "ہوگا، ضرور ہوگا، میرے خلوص کو خریدنے کی کوشش نہ کیجئے"

مرزا صاحب :- "نہیں ہ میں خریدنا چاہتا ہوں"

نسیمہ :- لیکن آپ کام ایسا کر رہے ہیں جس سے دنیا یہی سمجھے گی اپنے خلوص کی کوئی قیمت مہر اور ہبہ کی صورت میں نہیں لینا چاہتی، میں دنیا کو یہ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہتی کہ روپے کی لوبھی تھی پھسل گئی، ورنہ اس کے لئے جیسے مرزا صاحب ویسے دوسرے مردوتے۔ نہیں ایسا نہ کیجئے، للّٰہ نہ کیجئے، مجھے اور سیما کو ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے ہمارے لئے یہی بہت ہے کہ آپ کی خدمت کریں، آپ سے محبت کریں اور آپ کی، محبت کی قدر کریں۔

مرزا صاحب :- "نسیمہ، نسیمہ، سنو تو؟"

نسیمہ :- "نہیں اب نہ ستائیے، بہت سن لیا، اب میری بات مان لیجئے خدا بڑا مسبب الاسباب ہے، میرا اس پر بھروسہ ہے، آپ سیما کے مستقبل کی فکر نہ کیجئے:

مرزا صاحب :- "پھر کون کرے گا"

نسیمہ :- خدا ـــــ روپیہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز نہیں، وہ ضائع بھی ہو سکتا ہے، لیکن خدا کا سایہ زندگی بھر قائم رہے گا، ہو سکتا ہے کہ آپ سیما

کی جھولی سونے چاندی سے بھر دیں، لیکن وہ لے گنوا سکتی ہے، لٹا سکتی ہے، مناع کر سکتی ہے، پھر کیا کرے گی؟ وہی نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ والی بات، لیکن آپ نہ دیں اور خدا پر وہ بھروسہ رکھے، تو دکھ میں بھی اسے سکھ ملے گا۔

مرزا صاحب حیرت سے نسیمہ کی تقریر سن رہے تھے اور تعجب کی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، نسیمہ کا خمیر کس مٹی سے بنا ہے یہ کس قسم کی عورت ہے۔

اتنے میں سیما آگئی۔ اس نے کہا

"ابا جان، ابا جان"

بڑے پیار سے مرزا صاحب نے کہا

"میری بیٹی، میری بچی"

سیما۔ "آج آپ نے کچھ وعدہ کیا تھا — یاد آیا"

مرزا صاحب سوچنے لگے، پھر بچوں کی طرح لپک کر کھڑے ہو گئے

"ہاں۔ یاد آگیا۔ آج سینما دیکھیں گے چلو بھئی نسیمہ اٹھو"

نسیمہ:۔ "کون سا سینما"

مرزا صاحب:۔

"کوئی بھی، سیما بیٹی کا بہت دنوں سے اصرار ہے، میں بھول جاتا ہوں۔"

نسیمہ نے سیما کو ذرا تیکھی نظروں سے گھورا اور کہا

"پھر سینما ——————— نہیں اچھی لڑکیاں سینما کا شوق نہیں

سیما

رکھتیں:

وہ بولی

"میں شوق کب رکھتی ہوں"

"نسیمہ :- بس تو آج نہیں کسی اور دن — ہاں جب تمہارا امتحان ہو لے تب

شاباش بڑی اچھی بیٹی ہو جاؤ:"

وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی

مرزا صاحب نے کہا

واہ ری ماں، واہ ری صاحبزادی وزیرے چنیں، شہریارے چناں

سبحان اللہ

باب ۹

سیما

جیسے جیسے سیما کا شعور بڑھتا جاتا تھا، اس کی سیرت اور طبیعت کے جوہر کھلتے جاتے تھے صرف تربیت ہی کوئی چیز نہیں ہوتی، فطرت اور طبیعت کا رجحان بھی بہت بڑی چیز ہے، بہتر سے بہتر فضا اور ماحول میں بدفطرت اولاد خراب ہی ہو کر رہتی ہے اور بدتر سے بدتر ماحول میں صالح فطرت سنورتی ہی جاتی ہے نسیمہ کی تربیت اور سیما کی فطرت میں کچھ ایسا اتحاد تھا کہ ہر نیا دن جب طلوع ہوتا تھا تو سیما کی سیرت اور کردار کا روپ اور زیادہ نکھر جاتا تھا۔

سیما کی ایک ہم عمر سہیلی تھی۔ رعنا ———— بڑی نیک، شریف، ملنسار لیکن حد درجہ غریب اور نادار، مدرسہ کی دولت مند اور خوش حال لڑکیاں اسے منہ بھی نہیں لگاتی تھیں، لیکن سیما پر وہ اور سیما اس پر جان چھڑکتی تھی، ذہانت اور استعداد میں رعنا کسی سے کم نہ تھی، صورت شکل کی بھی اچھی خاصی تھی، لیکن کپڑے میلے، آنکھیں بے نور، چہرہ بے رس، سیما اس کے دکھ کو سمجھتی تھی، اس کی ذہانت

یا
اور قابلیت کی قدر کرتی تھی، برابر اس کی دل دہی کرتی رہتی تھی، کبھی اسے اپنا دوپٹہ لا کر دے دیتی، کبھی غزارہ، کبھی کچھ کبھی کچھ، رعنا خوددار بھی بہت تھی، شروع شروع میں تو اس نے بے نیازی کے ساتھ ان عطیوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، لیکن جب سیما پیچھے پڑ گئی اور رعنا کو اس کے خلوص اور شرافت کا یقین ہو گیا، تو پھر اس کی جھجک جاتی رہی اور سیما کے عطیوں کو وہ بے پروائی کے ساتھ قبول کرنے لگی۔

ایک روز کلاس کے دوران میں رعنا نے سیما سے کہا

"دیکھو بے بٹے نہ چلی جانا"

وہ بے تکلفی کے ساتھ کہنے لگی

"کیوں خیریت تو ہے"

رعنا نے کہا

"ہے یا نہیں اس سے بحث نہیں، کہہ دیا مل کر جانا۔ کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں:

سیما نے سر جھکا کر کہا "بہت خوب"

جب کلاس ختم ہو گئی تو وہ سیدھی رعنا کے پاس پہونچی، اس نے کہا

"بونڈی حاضر ہے"

رعنا نے سنجیدگی کے ساتھ کہا

"سیما مذاق ہر وقت نہیں کیا کرتے تھے، بہت ضروری بات کہنا ہے"

وہ بولی "تو کہو، منع کس نے کیا ہے"

"رعنا نے ذرا تامل کے بعد کہا "لیکن مان بھی لوگی"

سیما بگڑ گئی "نہ مانوں تو زبردستی منوا لینا، آخر میں تم پر ہر معاملہ میں جبر کر سکتی ہو تم نہیں کر سکتیں"۔ یہ کہہ کر وہ مسکرا دی

رعنا نے پھر ذرا ذرا جھینپتے جھینپتے کہا

"بات یہ ہے کہ کچھ روپوں کی ضرورت ہے"

سیما نے آمادگی کے ساتھ کہا "کتنے کی"

پھر پرس کھولتے ہوئے کہا

"دس پندرہ تو اس وقت موجود ہیں، باقی اگر اور ضرورت ہوئی تو کل لا دوں گی"

رعنا بولی:۔

"نہیں نہیں دس پندرہ سے کام نہیں چلے گا"

سیما کا بڑھا ہوا ہاتھ رک گیا

"پھر — او ہو بتاؤ نا"

بڑی سنجیدگی سے لیکن لرزتی ہوئی آواز کے ساتھ رعنا نے کہا

"آج سو، دو تین دن بعد پھر سو، اور ایک ہفتہ کے بعد اور سو، کل تین سو روپے درکار ہیں"

سیما اس خلاف توقع اور بہت بڑی فرمائش پر چونک پڑی

"تین سو — ؟ اتنی بڑی رقم میں کہاں سے لا سکتی ہوں، رعنا اماں سے بھی نہیں مانگ سکتی، دیں گی تو کیا خفا ہونے لگیں گی"

رعنا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، بڑی بے بسی کے ساتھ اس نے کہا

"اچھا تو رہنے دو، خیال تو مجھے یہی آ رہا تھا"

سیا

سیما نے رعنا کا اترا ہوا چہرہ دیکھا، تو اس کا جی رونے کو چاہنے لگا

لیکن رعنا، اتنے سارے روپوں کی ضرورت کیوں پیش آگئی تمہیں"

رعنا کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے

زندہ رہنے کے لئے"، لیکن میں یہ بھول گئی تھی کہ زندہ رہنے کا حق ہر شخص

کو نہیں :

سیما نے پوچھا مجھے نہ بتاؤ گی، تم مجھے اپنا سچا دوست نہیں سمجھتیں"

رعنا :- نہ سمجھتی ہوتی تو اتنی بڑی فرمائش کیسے کر گزرتی"

سیما :- تو بتاؤ کیا بات ہے"

رعنا کے ہونٹ لرزنے لگے

" اماں بیمار ہیں ۔ ڈاکٹر کہتے ہیں سل ہو گئی ہے، ایکسرے، انجکشن، پھل اور دوسری دواؤں کا اندازہ تین سو بتاتے ہیں ہمارے پڑوس میں ایک ڈاکٹر ہے وہ اس پر رضا مند ہو گیا تھا کہ یہ رقم تھوڑے تھوڑے وقفوں سے لے دیدی جائے لیکن اس پر اڑ گیا تھا کہ سو روپے پہلے لا کر دو۔ ملا کی دوڑ مسجد تمہارے سوا اور کون تھا جس سے کہتی جب سے ابا مرے ہیں نہ کوئی عزیز پوچھتا ہے نہ کوئی دوست سلامی پر گزارا ہے :

سیما یہ باتیں سنتی جاتی تھی اور اس پر تاثر کی ایک خاص کیفیت طاری ہوتی جاتی تھی، یہ درد بھری داستان سننے کے بعد اس نے بڑے تیور اور عزم کے ساتھ کہا

رعنا فکر نہ کر دیہ روپے میں دوں گی اور اگر ان کے بعد بھی ضرورت ہوتی تو وہ بھی دوں گی تمہاری ماں کو میں اپنی ماں سے کم نہیں سمجھتی کیا تم میری بہن نہیں ہو"

رعنا نے پریشانی کے عالم میں کہا

"لیکن کہاں سے لاؤ گی اتنی بڑی رقم ، واقعی مانگنے سے بھی تو نہیں بن پڑے گو"

وہ اطمینان سے اور دلجمعی کے ساتھ بولی

"اسے میرے اوپر چھوڑ دو ۔ نہیں ملے گی تو چوری کر کے لاؤں گی ، لیکن لاؤں گی ضرور لاؤں گی ۔ انشاءاللہ کل یہ رقم تمہارے ہاتھ میں ہوگی میری رعنا"

رعنا نے محبت بھرے لہجہ میں کہا

"نہیں چوری نہیں ۔ میں تمہیں چوری نہیں کرنے دوں گی"

سیما مسکرانے لگی

"پگلی کہیں کی ۔ میں نے تو ایک بات کہی تھی ، تم سمجھی واقعی کہیں نقب لگاؤں گی دیوار پھاندوں گی"

رعنا بھی ہنسنے لگی

"ہاں بھئی ہم تو یہی سمجھتے تھے"

باب ۱۰

درد بھرا دل!

رات کے کھانے کے بعد، مرزا صاحب نے کچھ دیر نسیمہ سے حسب معمول خوش گپیاں کیں اور اس کے بعد اپنے کمرے میں جا کر طلسم ہوش رُبا پڑھنے لگے، اس کتاب سے ان کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ رات کے دو دو بجے تک پڑھتے رہتے تھے، اور پڑھتے پڑھتے سو جاتے تھے۔

سیما اپنے کمرہ میں آکر، درس کی کتابیں پڑھنے لگی، گیارہ بجے کے قریب جب اسے یقین ہو گیا کہ نسیمہ سو گئی ہے، تو وہ دبے پاؤں اٹھی، اور سیدھی مرزا صاحب کے کمرہ پر پہنچی، دروازہ اندر سے بند تھا، اور وہ بستر پر لیٹے بڑے اطمینان سے شہزادہ نورالدین اور ملکہ مخمور سحر چشم کی داستان جلال و جمال پڑھ رہے تھے، سیما نے ہولے سے دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن ان کی محویت ان معمولی ہچکولوں کو کب خاطر میں لاتی تھی؟ پتہ بھی نہیں چلا کسی نے دروازہ پر دستک دی، اور کون دروازہ پر کھڑا ہے؟ کئی منٹ انتظار

کرنے کے بعد سیما نے پھر آہستہ سے تھپکی دی' اتفاق سے یہ و...
تھا کہ ایک داستان ختم ہو چکی تھی' اور دوسری داستان ش...
کرنے سے پہلے وہ ورق گن رہے تھے کہ کتنے ہیں؟ اس مرتبہ د...
کی آواز سن لی' زور سے لیٹے لیٹے جواب دیا'

"کون ہے؟"

لیکن کوئی جواب نہیں ملا'

وہ داستان جدید کا سلسلہ شروع ہی کرنے والے تھے کہ ...
کی آواز آئی' گھبرا گھبرا کر بستر سے اٹھے' دروازہ کھولا' اور یہ د...
حیران رہ گئے کہ اتنی رات گئے' اس سردی میں' تیماتن تنہا کھ...
اسے دیکھ کر وہ حواس باختہ سے ہو گئے۔

کیا بات ہے بیٹی؟ —— آؤ اندر آؤ' خیریت تو ہے ...
وہ اندر آ کر' اور دروازہ پھر سے بند کرتی ہوئی بولی'

"ہاں ابا جان سب خیریت ہے' آپ تو ناحق گھبرا جاتے ...
وہ کہنے لگے۔ لیکن آخر اس وقت تو کیوں آئی ہے؟ بالکل ...
سیما مسکرائی'

"اماں کے ڈر سے!"

غصہ آگیا۔

"کیا کہا اماں کے ڈر سے؟ —— فہیمہ نے تجھے مارا؟ ڈا...
وہ اور زیادہ مسکرانے لگی

"نہیں ——— وہ مجھے بالکل نہیں مارتیں، نہ کبھی ڈانٹتی ہیں"

مرزا صاحب:۔"پھر؟ ——— ڈر کس بات کا؟"

سیما:۔"اس بات کا کہ کہیں وہ ہماری باتیں نہ سن لیں!"

مرزا صاحب:۔"اوہ، تو ہماری سیما بٹیا پرائیویٹ باتیں کرنے تشریف لائی ہیں، کیوں؟"

سیما:۔"جی ابّا جان!"

مرزا صاحب:۔"فرمایئے کیا ارشاد ہوتا ہے؟"

سیما:۔"ابّا جان ایک بات پوچھنی ہے آپ سے، ——— ——— یہ بتایئے، آج میں نے بانگ درا میں اقبال کا ایک قطعہ پڑھا ہے:۔

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں
بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو
خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

کیا واقعی، خدا کے بندوں سے پیار کرنا، ان کی مدد کرنا، ان کے کام آنا، ان کی خدمت کرنا بڑا اچھا کام ہے؟"

مرزا صاحب:۔"ہاں بیٹی، بہت زیادہ"

سیما:۔"خدا اس سے خوش ہوتا ہے؟"

مرزا صاحب:۔ہاں سیما ہاں!

سیما:۔ "برکت بھی دیتا ہے ؟ "

مرزا صاحب:۔ "بہت زیادہ بیٹی !"

سیما:۔ "اور اگر کوئی امکان و قدرت کے باوجود جی چرائے تو اس سے خدا خفا بھی ہو جاتا ہوگا ؟"

مرزا صاحب:۔ "اور کیا ؟ بہت زیادہ !"

سیما:۔ "بس تو پھر نکالئے پانچ سو روپے !"

مرزا صاحب:۔ (حیران ہوکر) پانچ سو روپے ؟؟

سیما:۔ جی ابا جان ؟

مرزا صاحب:۔ کیا بانگ درا میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شعر پڑھ کر پانچ سو روپے باپ سے وصول کرنے چاہئیں ؟ ــــــ کیوں ؟

سیما:۔ نہیں ابا جان، لکھا ہو یا نہ لکھا ہو، میں تو یہ روپے لے کر رہوں گی

مرزا صاحب:۔ میری بچی، پانچ نہیں، پانچ ہزار دے دے، لیکن تو ابھی بچہ ہے، اتنی بڑی رقم کیسے دے دوں ؟

سیما:۔ آپ مجھے بالکل بچہ سمجھتے ہیں ؟

مرزا صاحب:۔ اور کیا تو بڑی بوڑھی ہے ؟

سیما:۔ (با چشم پُرآب) تو آپ نہیں دیں گے ؟ یہ کہہ کر وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی، مرزا صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر اپنے پاس بٹھا لیا۔

مرزا صاحب:۔

دیکھو بھئی ! تم خفا نہیں ہوا کرتے، پانچ سو، ہزار دو ہزار، پانچ

جتنے روپے چاہو لے لو، ابھی گن دوں گا، لیکن بتادو کیا کروگی؟ بلکہ جو چیز لینا چاہتی ہو، اس کا نام لے دو، خواہ کتنی ہی قیمتی ہو، کل آجائے گی، تمھارے پاس ——— کیوں ٹھیک ہے نا؟

سیما:- نہیں ابا جان، مجھے کوئی چیز نہیں چاہیے۔

مرزا صاحب:- پھر ——— صرف روپے؟

سیما:- جی، صرف روپے!

مرزا صاحب:- لیکن کس لئے؟ ——— کیا تو اپنے باپ کو بھی دل کی بات نہیں بتائے گی؟

سیما:- اچھا بتائے دیتی ہوں، پھر آپ انکار تو نہیں کریں گے؟

مرزا صاحب:- ہرگز نہیں!

اور پھر سیما نے، رعنا کی ساری باتیں مرزا صاحب کے سامنے دوہرا دیں، یہ باتیں سن کر اُن کا قلب ناتواں دھڑکنے لگا، تنفس کی آمدورفت تیز ہوگئی، آنکھوں میں آنسو بھر آئے، انھوں نے چپکے سے سیف کھولا اور سو سو روپے کے پانچ نوٹ سیما کے ہاتھ پر رکھ دیئے، نوٹ لے کر سیما خوش ہوگئی، جیسے اس نے کوئی گڑھ جیت لیا ہو، اس نے بڑی محبت بھری نظروں سے مرزا صاحب کو دیکھا، اس کا جی چاہ رہا تھا، اس فیاض، دریا دل اور سراپا محبت انسان کا شکریہ ادا کرے، نہ جانے کتنے الفاظ اس کے لبوں تک آآکر رک گئے، وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی،

"ابا جان کتنے اچھے ہیں، آپ!"

مرزا صاحب نے محبّت اور عقیدت سے سرشار ہو کر کہا،

لیکن کیا تجھ سے بھی زیادہ ؟ ——————— نہیں، اچھائی اور بر
میں میری سیما بہت آگے ہے، میں اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھ
اچھا بیٹی، اب سو رہو جاکر، اور صبح ناشتہ کرتے ہی رعنا کو یہ رقم دے

وہ بولی :۔ ہاں ابّا جان یہی کروں گی !

وہ چلی گئی

اور مرزا صاحب پھر طلسم ہوش ربا کے طلسمات فتح کرنے لگے، خدا
افراسیاب جادو، امیر حمزہ، شہزادہ نورالدین، ملکہ مخمور، شہنشاہ نورا
کوکب روشن ضمیر، ملکہ برّاں شمشیر زن، شہزادہ ایرج، ایک سے ایک
کر ہوش ربا داستان، اور سیما جب اپنے کمرہ میں پہنچی، تو نسیمہ جاگ رہی
اسے دیکھ کر اس کا فتحمند اور کامیاب دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اس
کتاب اب تک کھلی ہوئی تھی، اور میز پر لیمپ بدستور جل رہا تھا، نسیمہ
اس حالت میں اسے دیکھ کر ذرا غصّہ کے ساتھ پوچھا

تو کہاں گئی تھی اس وقت ؟"

نوٹ اس کی مٹھیوں میں تھے، انھیں وہ چھپانا چاہتی تھی، لیک
معاملہ یہ تھا کہ

اور چاہوں کہ چھپا لوں تو چھپائے نہ بنے !

نسیمہ نے کہا - ادھر آؤ سیما !"

وہ ایک مجرم کی طرح آ کر ماں کے پاس کھڑی ہو گئی !

کہاں گئی تھیں تم ؟

وہ لرزتی ہوئی بولی:۔ کہیں نہیں !

نسیمہ:۔ اور یہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے ؟

سیما:۔ کچھ نہیں !

نسیمہ:۔ مٹھی کھولو !

سیما نے مٹھی کھول دی ! تڑے مڑے ہوئے پانچ نوٹ !

نوٹ دیکھ کر نسیمہ سہم گئی،

یہ نوٹ کیسے ؟؟!

سیما نے کوئی جواب نہیں دیا

نسیمہ:۔ (غصہ سے) بولی ! یہ نوٹ کیسے ہیں ؟؟

سیما اب بھی خاموش رہی،

نسیمہ:۔ یہ نوٹ تو کہاں سے لائی ہے ؟ کیا مرزا صاحب کے کمرہ سے ؟!

سیما کو اقرار میں گردن ہلانی پڑی،

نسیمہ:۔ چرا کر ؟!

سیما نے انکار میں گردن ہلا دی،

نسیمہ:۔ خود مرزا صاحب نے یہ نوٹ تجھے دیئے ہیں ——؟

سیما نے پھر سر کے اشارہ سے اقراری جواب دیا !

نسیمہ غصہ سے بے قابو ہو کر اٹھ بیٹھی، زندگی میں شاید پہلی بار، اُس نے پوری قوت سے سیما کے گال پر ایک چانٹا مارا، نوٹ ہاتھ میں لئے اور دوسرے

ہاتھ سے سیما کا ہاتھ پکڑا، زور سے گھسیٹتی ہوئی مرزا صاحب کے کمرے میں لے گئی، وہ بدستور طلسم ہوشربا میں منہمک تھے۔ لیکن نسیمہ نے کچھ اس طرح دروازے پر چوٹ مارنا شروع کی کہ ملکہ صرصر صبار فتار کی عیاریاں بھول کر وہ چونکے، پھر دروازے پر پہنچے اور ایک حد تک انقباض کے ساتھ دروازہ کھولا ——— دروازے پر، چوب دار اور چور، دونوں کھڑے تھے۔ وہ یہ منظر دیکھ کر گھبرا سے گئے، انھوں نے کہا،

"ارے کیا بات ہے بھئی ؟"

نسیمہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا،

دیکھ لیجئے، لاڈ پیار کا انجام ——— میں نہ کہتی تھی ؟

مرزا صاحب :- نہ جانے کیا کیا کہتی رہتی ہو؟ مجھے یاد ہے کیا کہا تھیں ——— ؟

نسیمہ :- صاحبزادی نے خیر سے چوری بھی شروع کر دی ——— یہ دیکھئے !!

سیما کا چہرہ ایک مجرم کی طرح سُتا ہوا تھا ———!

اور نسیمہ کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے،

نسیمہ کی باتیں سُنکر مرزا صاحب اپنے رُکے ہوئے قہقہہ کو ضبط نہ کر سکے، انھوں نے سیما کو نسیمہ کے ہاتھ سے چھڑاتے اور اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

"لاحول ولاقوۃ، کیسی باتیں کر رہی ہو تم ؟ سیما اور چوری !"

کرو توبہ۔

نسیمہ:۔ تو یہ روپے اس کے پاس کہاں سے آئے؟

مرزا صاحب:۔ ہم نے دیئے"

نسیمہ:۔ کیوں؟ اتنی بڑی رقم کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی صاحبزادی کو؟۔

مرزا صاحب:۔ یہ بھی بتا دیں گے، آدمی تو بنو—————— بہ خدا غصہ کے وقت بڑی خوفناک ہو جاتی ہو تم، سیما تو سیما، میں سہما جا رہا ہوں!

نسیمہ ہنس پڑی

مرزا صاحب نے نسیمہ سے کہا

مجرم سیما نہیں تم ہو——— کیوں ڈانٹا تم نے اسے؟

نسیمہ:۔ صرف ڈانٹا ہی نہیں، مارا بھی۔

مرزا صاحب:۔ بہت بُرا کیا——— معافی مانگو اس سے۔

نسیمہ:۔ مانگی———!

مرزا صاحب:۔ اچھا پیار کرو اسے!

نسیمہ:۔ آخر کس کارنامہ پر؟

مرزا صاحب:۔ کارنامہ سنو گی تو دنگ رہ جاؤ گی۔

نسیمہ:۔ یہی باتیں کرکے تو آپ نے لڑکی کا دماغ آسمان پر چڑھایا ہے!

مرزا صاحب:۔ بیٹی سیما، معاف کر اب اپنی ماں کو، وہ تجھے نہیں سمجھتی

شاید سمجھ کبھی نہیں سکتی۔

سیما کا مسکرانے کو جی چاہا۔ لیکن کلمہ طمانچہ کی ضرب سے ا
تک پہنچ رہا تھا۔

پھر مرزا صاحب نے جھوم جھوم کر، اور مزے لے لے کر، سیما کی
کہانی سُنا ڈالی، یہ واقعہ سُن کر نسیمہ بھی خوش ہوئی۔ اُس نے جو تربیت
اپنی بیٹی کو دی تھی، اس کا پھل ایسا ہی برآمد ہونا چاہیے تھا، وہ اپنے
آپ کو لئے دیئے بیٹھی رہی، مرزا کی باتوں کے جواب میں اُس نے کہا

"مجھے کچھ علم غیب تو تھا نہیں، اور یہ تھی کہ چپ شاہ کا روزہ
ہوئے تھی، کیا مجال ہے جو کسی بات کا جواب دے دے۔"

مرزا صاحب:۔ خیر جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب کم سے کم اتنا کرو کہ ا
روپوں میں سو روپے اپنی طرف سے بھی ملا دو!

نسیمہ:۔ ہاں ٹھیک ہے، میرے دل میں بھی یہ خیال آرہا تھا
(شفقت کے ساتھ) آؤ سیما چلیں!

ماں بیٹی چلی گئیں، اور مرزا صاحب پھر طلسم ہوش ربا کی طلسم کشا
میں مصروف ہو گئے!

باب ۱۱
سیما اور رعنا

دوسرے روز سیما حسب معمول مدرسہ پہنچی، اس کی اور رعنا کی آنکھیں چار ہوئیں، رعنا کا جی چاہا، سیدھی اس کے پاس جاتے اور پوچھے ؛

کہو بی سیما، کل کچھ وعدہ کیا تھا یاد ہے ؟

لیکن غیرت نے پاؤں پکڑ لیے، نہ اس کے پاس جا سکی، نہ کچھ پوچھنے کا حوصلہ پڑا، اسکول ختم ہونے کے بعد، سیما خود ہی اس کے پاس پہنچی،

"کچھ روٹھی ہوئی ہو رعنا ؟"

ایک افسردہ تبسم کے ساتھ اس نے کہا

تم سے روٹھ کر کہاں جاؤں گی ؟

سیما نے شوخ نظروں سے رعنا کو دیکھا، اور کہا :

ہم نے جو کہا تھا وہ کر لیا !

رعنا انجان بن گئی

میں نہیں سمجھی !

سیما:۔ وہی روپوں والی بات۔

رعنا:۔ اچھا ——— لے آئیں؟

سیما:۔ ہاں لے نہیں آئی تو کیا ؟

رعنا:۔ کیا کہا تھا تم نے ممی سے ؟

سیما:۔ تمہیں آم کھانے سے مطلب یا پیڑ گننے سے ؟ —— سیما

یہ کہہکر سیما نے سو سو کے چھ نوٹ رعنا کے ہاتھ میں رکھ دیئے۔

رعنا کو زیادہ سے زیادہ سو روپے کی توقع تھی، چھ سو کے نوٹ دیکھ کر وہ

گھبرا گئی۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں نوٹ واپس کرتے ہوئے کہا

"نہیں میں نہیں لوں گی ؟"

سیما بگڑ گئی،

کیسے نہیں لوگی ؟

رعنا:۔ پہلے یہ بتاؤ چرا کر لائی ہو ؟

سیما:۔ (مسکرا کر) ہاں، ورنہ اتنے سارے روپے کون مجھے دیتا!

رعنا:۔ نہیں سیما، چوری کا مال میں نہیں لے سکتی، اور ایک بات تم

کان کھول کر جلدیا بدیر، چوری کا بھانڈا پھوٹتا ضرور ہے، پھر نہ تمہاری

خیر ہے نہ میری، یہ نوٹ لے جاؤ، اور جہاں سے نکالے ہیں وہیں رکھ دو جا کر

سیما:۔ تاکہ اگر جب نہیں پکڑی گئی، تو اب پکڑی جاؤں ؟ اچھی

صلاح دی بھئی !—

رعنا:۔ تو تمہارا جو جی چاہے کرو، مجھے تو بخش دو ـــــ بخشو بی بلائی مرغی لنڈوری ہی بھلی ـــ !

G/2

سیما:۔ بڑی ڈرپوک ہو۔

رعنا:۔ ہاں بھئی ہم تو ڈرپوک ہیں۔

سیما:۔ اری بے وقوف، چور تو پکڑ بھی لیا گیا۔

رعنا:۔ میں نہیں سمجھی کیسا چور ـــ ؟

سیما:۔ یہ روپے میں نے رات کو چراتے تھے، اور اپنے بستے میں ایک کتاب کے اندر رکھ لئے تھے، ویسے بھی میرے اوپر تو کوئی شبہ کر نہیں سکتا تھا، صبح ہوتے ہی ممی کو اور ابا جان کو پتہ چل گیا، بڑی ڈھونڈھیا مچی، تو جل میں آیا، قدرتاً سب کو شبہ نبی بخش پر ہی ہوا ـــــ

رعنا:۔ نبی بخش کون ؟

سیما:۔ (بے پروائی سے) ارے وہ ہمارے ہاں نوکر ہے، بڑا محنتی چھوکرا ہے ـــــ سب نے کہا، ہو نہ ہو اسی نے چرائے ہیں۔

رعنا:۔ پھر کیا ہوا ؟

سیما:۔ پھر یہ ہوا کہ اس پر مار پڑی، اور آخر پٹتے پٹتے بیچارے نے قبول دیا۔

رعنا:۔ قبول دیا کہ میں نے چوری کی ہے ؟

سیما:۔ اور کیا کرتا ؟ جانتی ہو مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے

رعنا:۔ وہ تو میں جانتی ہوں ـــــ اچھا خیر، پھر اس کے بعد

کیا ہوا ــ ؟

سیما :۔ اے واہ کوئی میں کہانی کہہ رہی ہوں ؟ پھر کیا ہوتا اب
نے پولیس کو اطلاع دی، سپاہی آتے اور پکڑے گئے ۔

رعنا :۔ ہائے اللہ اس بے گناہ کو پکڑے گئے ؟

سیما :۔ بے گناہ کی بھی خوب رہی، اُس نے خود ہی تو اقرار کیا تھ
ہاں میں نے روپے چرائے ہیں ـــــــــ سچ، جب اس نے اقرار کیا
تو مجھے بڑی ہنسی آئی ۔

رعنا :۔ کیوں سیما بیگم کو ہنسی کیوں آئی ؟

سیما :۔ بات ہی ہنسی کی تھی، روپے میرے پاس تھے، اور چو
اقرار وہ کر رہا تھا ۔

رعنا :۔ تو کیا کرتا، سچ تو ہے، مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے ۔

سیما :۔ لیکن یہ تو بہت معمولی مار تھی، اصلی مار تو وہاں پڑے گ
میں، جب پوچھا جائے گا، بتا روپے کہاں ہیں ۔؟

رعنا :۔ یا میرے اللہ ـــــــ ابھی اس کی اور کمبختیاں لگیں گی

سیما :۔ اور سستا چھوٹ جائے گا ؟

رعنا :۔ بڑی ظالم ہو جاؤ ہم تم سے نہیں بولتے ۔

سیما :۔ تو تھوڑا سا زہر بھی منگا دو

رعنا :۔ زہر کی کیا ضرورت آپڑی ؟

سیما :۔ جب ہم سے بات نہیں کرو گی، تو تف ہے، ایسی زندگی پ

سیما

کیا کریں گے۔!

یہ کہکر وہ ہنسنے لگی ، رعنا کو ان باتوں پر بڑا غصہ آرہا تھا، وہ جھنجھلا گئی، اس نے کہا

سچ سیما مجھے یہ توقع نہیں تھی تم سے، میں تو تمھیں

سیما:۔ بڑا اچھا سمجھتی تھیں ؟

رعنا:۔ اور کیا ؟ مجھے بڑا صدمہ ہو رہا ہے، جیسے بنی بخش کوئی اور نہیں میں خود ہوں، ساری مار اس پر نہیں مجھ پر پڑی ہے خدا کے لئے بچا لو اسے

سیما:۔ کس طرح بچا لوں ؟ ــــــــ تھانہ میں جا کر اقرار کر لوں چوری اس نے نہیں میں نے کی ہے ؟ اسے چھوڑ دو، مجھے گرفتار کر لو، واہ بھئی خوب حق ادا کیا دوستی کا !

رعنا:۔ نہیں میرا یہ مطلب کب تھا ؟

سیما:۔ پھر کیا تھا ؟ ــــــــ جاؤ ہم نہیں بولتے تم سے !

رعنا:۔ یہ لو اتنی خفا ہو گئیں ۔

سیما نے رعنا کو گلے سے لگا لیا اور بڑے محبت بھرے لہجہ میں کہا "جھوٹ ۔۔!"

رعنا:۔ پھر وہی شرارت ؟

سیما:۔ احمق کہیں کی ــــــــ بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں چوری کروں گی، اور کسی بے گناہ کو پکڑا دوں گی ــــــــ یوں ہی مذاق کر رہی تھی، بلکہ مذاق بھی نہیں، تمھاری عقلمندی کا امتحان لے رہی تھی ۔

رعنا:۔ اچھا بتاؤ، پھر یہ روپے کیسے لائیں تم؟

خدا کا سو نہ پچاس، ایک دم چھ سو۔!

سیما:۔ اپنے ابا جان سے لائی، اور کس سے لاتی، وہ مجھے بہ

چاہتے ہیں، کبھی میری بات رد نہیں کرتے۔

اور پھر سیما نے اسے ساری داستان سنا دی، اور کہا

۔اب تو انکار نہیں ہے تمھیں؟

رعنا نے ممنونیت کی نظریں جھکا کر کہا

نہیں۔!

پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہا

میری رائے تو یہ تھی کہ یہ روپے تم خود چل کر اماں کو دیتیں۔!

سیما:۔ ہاں رعنا جی تو بہت چاہتا ہے ان سے مل

انھیں دیکھنے کا، لیکن ڈر لگتا ہے کہیں برا نہ مان جائیں۔

رعنا:۔ واہ، اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟ وہ تو اور خوش

گی۔

سیما:۔ اچھا تو چلو۔!

———— ❖ ————

باب ۱۲

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق

تین سال اور گذر گئے!

دن اسی طرح گذر رہے تھے، نہ غم نہ پریشانی ایسا معلوم ہوتا تھا غم اور پریشانی سے کبھی سابقہ پڑے گا بھی نہیں ـــــــ سرخوشی اور اطمینان کے دور میں آدمی یہ تصور بھی نہیں کرتا، کہ یہ خوشی چھن سکتی ہے۔ یہ اطمینان لٹا جاسکتا ہے۔ یہی کیفیت مرزا، نسیمہ اور سیما کی تھی۔ یہ تینوں اپنی حالت پر قانع بھی تھے اور متوکل بھی، انھیں اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ ان کے خلاف کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں؟ نسیمہ اس لئے بے فکر تھی کہ وہ جانتی ہی نہیں تھی مرزا صاحب کے کتنے لڑکے لڑکیاں ہیں اور کون کون ہیں؟ اور ان کا رویہ اور طریقہ کیا ہے؟ وہ ان سے بالکل بے تعلق تھی، اور اس کا خیال تھا یہی حال ان لوگوں کا بھی ہوگا۔ یہی کیفیت سیما کی تھی۔ وہ نہ یہ باتیں جاننا چاہتی تھی، نہ ایسی باتوں سے اسے کوئی دلچسپی تھی۔ رہے مرزا صاحب

تو وہ سب کو عاق کرکے اتنے مطمئن ہو چکے تھے، گویا وہ لوگ اب
میں موجود ہی نہیں ہیں، حالانکہ صورت حال بالکل برعکس تھی۔ وہ
نہ صرف اس دنیا میں موجود تھے بلکہ ہر روز نئی نئی اسکیمیں بنایا کرتے
کس طرح مرزا صاحب اور نسیمہ میں قطع تعلق ہو؟ اور کس طرح مرزا صا
کی منقولہ و غیر منقولہ جائداد کا حصہ، جو اب نسیمہ اور سیما کے باعث روز
خطرے میں پڑا جاتا تھا، قبضہ میں لیا جائے؟ سب سے زیادہ غم نفی
تھا، یہ مرزا صاحب کی بڑی لڑکی تھی۔ مرزا صاحب اسے مانتے بھی
تھے اور اس کے لڑکے انور کو تو گویا انھوں نے گود ہے لیا تھا۔ نفیہ
یقین تھا، یہ بقیہ جائداد انور ہی کے حصہ میں آئے گی، لیکن نسیمہ سے
کیا ہوئی، ساری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ نفیسہ اپنے باپ سے اتنی
ہوئی کہ اس نے ان کا منہ دیکھنا چھوڑ دیا اور انور کو تاکید کر دی کہ خبر
ادھر گیا۔ اگر کبھی بھولے سے اس راستہ کی طرف رُخ بھی کیا تو نہ دو
بخشوں گی، نہ صورت دیکھوں گی، انور کو دودھ کے بخشوانے اور صور
دکھانے کی اتنی زیادہ فکر نہیں تھی، لیکن وہ اتنا لاابالی اور وارفتہ
تھا کہ اسے مرزا صاحب سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں ہوئی، وہ ان کے تن
لب ولہجہ سے بھی کبھی مانوس نہ ہو سکا۔ اپنی اپنی طبیعت ہے، اب
ماں بھارت جو ہوئی، تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے قید سے نجات مل گئی
تھا اور آج کا دن کہ انور نے مرزا صاحب کے کاشانہ کا رُخ بھی نہیں کیا
مرزا صاحب کی دوسری لڑکیاں، اپنے اپنے گھروں میں آباد تھیں

سیا

بھی اگرچہ شروع شروع میں باپ کی نالائقی کا بہت غم اور غصہ رہا لیکن رفتہ رفتہ وہ اپنے اپنے کام میں لگ گئیں، اور اس واقعہ کو تقریباً بھول گئیں، بھول جانے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ انھوں نے باپ کو معاف کردیا تھا، بلکہ یہ کہ انھوں نے دوسری وقتی اور اہم مصروفیتوں کے سبب فی الحال پروگرام سے اس مسئلہ کو خارج کردیا تھا، ورنہ ان کی نفرت اور برہمی کا جہاں تک تعلق تھا وہ اپنی جگہ پر بدستور موجود تھی رہے لڑکے کچھ انھیں اپنے دست وبازو پر بھروسہ تھا۔ کچھ یہ اطمینان کہ بہرحال مرزا صاحب جلد مریں گے اور ان کے بعد مقدمہ عدالت فوجداری، بہر ذریعہ اختیار کرکے وہ بقیہ ترکہ بھی حاصل کرلیں گے، للہٰذا وہ بھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے، ہاں ہر روز اس خوش خبری کے منتظر رہتے تھے کہ مرزا صاحب کی ناگہانی وفات، شدید علالت کا خاندان میں کوئی چرچا ہے یا نہیں ؟ اتنی بات بہرحال طے شدہ تھی، کہ اُن کی ہر اولاد چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی پوری سنجیدگی کے ساتھ انھیں نالائق سمجھ رہی تھی۔ سب کا یہ خیال تھا، بڑے میاں نے خاندان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا۔ سب کو اس بات پر اتفاق تھا کہ شادی کرنے سے پہلے مرزا صاحب اس دنیا سے رخصت کیوں نہ ہو گئے، تب ایک ہی غم ہوتا کہ باپ مرگیا، رو لیتے دل کی بھڑاس نکل جاتی۔ اب تو یہ غم جان لئے لیتا ہے کہ باپ نے ایسی حرکت کی کہ گویا ناک کٹا دی، للہٰذا رونے کا سلسلہ قبل از وقت شروع کردینا پڑا۔ یعنی اب ان کی وفات کا اتنا غم نہ ہوتا جتنا اُن کی شادی کا ہوا۔

اس اثنا میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ اس نے سارے خاندان میں

پھر ہل چل مچا دی، اور خاص طور پر نفیسہ کے گھر میں تو کہرام برپا ہو گیا
یہ ہوئی کہ باپ سے سب نے اگرچہ اپنا اپنا حصہ لے لیا تھا، پھر بھی ان کی
چیزوں پر عاق شدہ اولاد قابض تھی۔ قلمی آم کا بہت بڑا باغ، جس کی فص
دس بارہ ہزار سالانہ کی پکا کرتی تھی، اگرچہ مرزا صاحب نے کسی کو نہیں دیا تھا
نفیسہ اس پر قابض تھی، وہی فصل بیچتی تھی اور سارا روپیہ اپنے کام میں لاتی
اسی طرح چھوٹے صاحبزادے نے بھی، باپ کے حصہ کے چند کھیتوں پر قبضہ
کر رکھا تھا، کچھ متفرق چیزیں دوسری اولاد کے تصرف میں تھیں، مرزا صا
کے پاس ان چیزوں کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا، اور وہ دل میں سمجھتے تھے
بعد بہر حال سب کچھ ان ہی کو لے گا، لہٰذا چشم پوشی کرتے تھے، انھوں نے کبھی
اعتراض نہیں کیا، شادی کے بعد ممکن ہے وہ ان چیزوں کو واپس لینے کی کو
کرتے، لیکن جب ارادہ کیا نسیمہ آڑے آگئی۔ اس نے کبھی کوئی ایسی بات
نہیں پیدا ہونے دی جس سے باپ میں اور اولاد میں نقیض پڑتی۔ لیکن نف
کی حد سے بڑھی ہوئی دور اندیشی نے معاملہ بگاڑ دیا، اور مرزا صاحب قاب
باہر ہو گئے، اس نے یہ باغ، ایک بڑی رقم لے کر ایک مہاجن کے پاس گرو
مرزا صاحب کو اس واقعہ کی سُن گُن ملی، تفتیش جو کی تو معلوم ہوا، نہ صرف نف
نے باغ گرو رکھ دیا ہے بلکہ اس کی فروخت کی بھی بات چیت ہو رہی ہے
تو انھیں جلال آیا۔ انھوں نے خالی باغ ہی پر نہیں، کھیتوں اور دوسری چیز
پر بھی قبضہ کر لیا، مالک بہر حال وہی تھے، کس میں مجال تھی کہ انھیں روک
مہاجن کو یہ خبر جب معلوم ہوئی، اس نے نفیسہ کو دھمکی دی، ۲۴ گھنٹہ کے ا

لیا

میری رقم گن دو، ورنہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں، تم نے دھوکہ دے کر میرے پاس غیر کی چیز رہن رکھی کیسے؟ اب تو نفیسہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑگئے چارو ناچار معذرت کے ساتھ رقم اگلنا پڑی، نفیسہ کی اس حرکت کا اثر چھوٹے بھائی پر بھی پڑا جن کے کھیت چھن گئے، دوسرے بھائی بہن بھی، بہ حصہ رسدلی، متأثر ہوئے، لیکن یہ سب لوگ بجائے اس کے کہ نفیسہ پر خفا ہوتے کہ اس نے ایسی حرکت کیوں کی جس سے مرزا صاحب مشتعل ہوئے، اس سے تو کچھ نہیں بولے، باپ کے خلاف ان کا مورچہ اور زیادہ سخت ہو گیا۔ یعنی اس وقت اگر کہیں اتفاق سے مرزا صاحب ان کے سامنے ہوتے تو بگڑی سنبھالنا مشکل ہوجاتی، وہ تو کہئے خیریت ہوئی کہ وہ دور تھے اور یہاں ان کے خلاف خاندان بھر کے جلسۂ عام میں تجویز ملامت پاس ہورہی تھی، وہ دھواں دھار تقریریں ہورہی تھیں کہ بس سنتے رہیے، شادی کی خبر پہلی مرتبہ سننے کے بعد مرزا صاحب کے لئے جس طرح لے گئے تھے، وہ آج کی باتوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے:

نفیسہ نے کہا

جی چاہتا ہے ابھی اباجان کے گھر جاؤں اور اس حرامزادی رنڈی کو جھونٹے پکڑ کر نکال باہر کردوں —— !

بہت جلد اس تجویز نے سب کی توجہ اپنی طرف منعطف کرلی اور تقریباً سب کا اس پر اتفاق ہوگیا کہ ایک قافلہ کی صورت میں چلیں اور بزور قوت نسیمہ کو نکال باہر کردیں، اباجان نے گالیاں دیں تو سہہ لیں گے، مارا تو مار

کھالیں گے، لیکن اس عورت کو گھر میں نہیں رہنے دیں گے، آخر کسی طر
بلا دور تو ہو —

لیکن مرزا صاحب کی چھوٹی لڑکی توقیر ان سب میں زیادہ معاملہ فہ
اور دور اندیش تھی، اس نے کہا

"اگر ایسا ہوا" تو آبا جان ہم سے نفرت کرنے لگیں گے" اور میں ان کی
نفرت کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی، غصہ کی اور بات ہے۔

توقیر کا یہ نعرہ اعلان بغاوت تھا، "نعیمہ چڑ گئی" اس نے کہا

تو تم ہمارا ساتھ نہیں دو گی؟ یاد رکھو، اس طرح نسیمہ کی جڑیں ا
مضبوط ہو جائیں گی!

وہ بولی:-

ہو جائیں ———— نہ صرف یہ کہ میں جاؤں گی نہیں بلکہ تم کو بھ
نہیں جانے دوں گی!

دونوں بہنوں میں تیز تیز باتیں ہونے لگیں، اصل مسئلہ تو دب گیا ا
ایک نیا مسئلہ کھڑا ہوا

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق —!

باب ۱۳

سازشیں!

نفیسہ اور توقیر کی گرم گفتگو جب زیادہ بڑھی تو بڑے بھائی عارف کو ثالث بننا پڑا، وہ گھر بھر میں سب سے زیادہ مدبر تھے انھوں نے نفیسہ کو مخاطب کرکے کہا

عجیب بے وقوف ہو——توقیر کی ایک سیدھی سادھی سی بات پر بگڑ گئیں، اس نے کیا غلط کہا۔ ظاہر ہے ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ ابا جان کی نفرت مول لے!

توقیر کو موقعہ مل گیا

دیکھئے تو بھائی جان آپا خواہ مخواہ بیچ جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتی ہیں'۔ آخر وہ ہمارے باپ ہیں، ہم کیسے انھیں چھوڑ دیں؟

نفیسہ:۔ تو جاؤ گلے مل لو۔

توقیر:۔ ضرور جاؤں گی، کیوں نہ جاؤں؟ انھوں نے ہمیں پالا پوسا

اتنا بڑا کیا، اس قابل کیا، انھیں چھوڑ دیں؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

نفیسہ:۔ کہہ تو رہی ہوں، مل لو جا کر!

توقیر:۔ میں بھی تو کہہ رہی ہوں کہ جانے والی ہوں۔

نفیسہ:۔ اور ہاں اپنی نئی اماں جان سے بھی ضرور ملنا۔

توقیر:۔ اگر موقعہ ہوا تو ان سے بھی ملیں گے۔

منجھلے بھائی ناصر کے لئے اب خاموش رہنا ناممکن ہو گیا، دا... سے بولے:

آج تم کس قسم کی باتیں کر رہی ہو توقیر؟ اباجان نے جب شاد... ہے تو مخالفوں میں سب سے زیادہ پرجوش تم ہی تو تھیں۔!

توقیر:۔ ہاں تھی، لیکن مجھے اپنے باپ سے محبت ہے، وہ ... غصہ تھا، اب ———

نفیسہ:۔ وہ دور ہو گیا؟

توقیر:۔ آپا ہاں مجھے ضد نہ دلاؤ، ورنہ اچھا نہ ہوگا!

نفیسہ:۔ واہ ری چھوکری کیا کر لے گی تو؟ ——— جاتی ہے تو کل جاتی ابھی چلی جا، ہم سمجھیں گے جہاں باپ مر گئے وہاں تو بھی چل بسی!!

صالحہ، نفیسہ سے چھوٹی اور توقیر سے بڑی بہن تھی، بول پڑی:

"واہ آپا، بھر منہ ایسی باتیں نہ کہو، خدا اباجان کا سایہ کبھی سلامت رکھے اور توقیر نے ابھی دنیا کا دیکھا کیا ہے لاکھ شادی ہو جائے، لیکن تو ابھی بچہ، خدا اسے بڑھاپا ہونا نصیب کرے۔

بیا

نفیسہ کے منہ سے غصّہ میں یہ الفاظ نکل گئے تھے، وہ خود بھی نادم تھی، صالحہ کی باتوں نے اس کی ندامت کو اور زیادہ پختہ کردیا، وہ رونے لگی۔

ہاں بھتی، خدا تم سب کو سلامت رکھے، بُری تو میں ہوں، خدا کرے دشمن کی موت مجھے آجائے۔

عارف:۔ نفیسہ تمھارے مزاج سے بچپن اب تک نہیں گیا، یہ کیا نوبت ہے؟

ناصر:۔ کچھ کام کی باتیں کرو، جس لئے ہم سب جمع ہوتے ہیں!

نفیسہ:۔ لیکن یہ دونوں تلے اوپر کی بہنیں، جب مجھے بولنے بھی دیں۔

توقیر:۔ میں کب منع کرتی ہوں؟

عارف:۔ بھتی سوال یہ ہے کہ ابّا جان کو آخر کس طرح اس نیمہ کے پھندے سے چھڑایا جائے!

ناصر:۔ سنا ہے وہ اپنی ساری جائداد نیمہ اور اس کی لڑکی سیما کے نام ہبہ کردینے کی تیاریاں کررہے ہیں، جس وکیل سے انھوں نے مشورہ کیا تھا وہ میرا دوست ہے اسی نے مجھے خبردی ہے۔

نفیسہ:۔ یہی سن گن پاکر تو میں نے باغ رہن رکھا تھا، ورنہ کیا ضرورت تھی؟ میں نے سوچا بھاگتے بھوت کی لنگوٹی بہت، جو مل سکتا ہے وہی لے لیا جائے۔

ناصر:۔ اور ابّا جان کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنا فیصلہ نہیں بدلا کرتے، اگر جلد تدارک نہ ہوا، تو شاید چند ہی روز میں ہبہ نامہ مکمل ہوجائے گا۔

عارف :- اور پھر کچھ کئے نہ بن پڑے گا، بقول شخصے، گیا
سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر۔

صالحہ :- تو بتایئے کیا کیا جائے ؟

عارف :- ایک تجویز تو نفیسہ کی تھی ۔

ناصر :- میرے خیال میں اس سے بہتر عملی تجویز کوئی اور نہیں ہو

عارف :- ورنہ ہم یہاں مجلس آرائی کرتے رہیں گے، اور وکیل کسی
دن ہبہ نامہ کی رجسٹری بھی کرا دے گا ۔

صالحہ :- لیکن بھائی جان، ذرا سوچئے تو سہی، مان لیجئے آپا نفیسہ
وہاں گئیں اور جیسا کہہ رہی تھیں نسیمہ کے جھونٹے پکڑ لئے، پھر کیا
کیا ابا جان خاموشی سے یہ تماشہ دیکھتے رہیں گے، یا نسیمہ خود موم کی
ہے کہ جھونٹے پکڑواتی رہے گی ؟ اس کے بعد کیا ہوگا، ذرا یہ بھی تو سوچئے

نفیسہ :- کچھ نہیں ہوگا، وہ حرامزادی، میرا مقابلہ نہیں کرسکتی،
میرے ساتھ انور بھی تو ہوگا، بھائی جان بھی تو ہوں گے، ناصر، صالحہ
(توقیر کی طرف دیکھ کر) سب ہی ہوں گے، اتنے سارے آدمیوں سے
لڑسکتی ہے، نہ ابا جان مقابلہ کر سکتے ہیں ۔

توقیر :- پولیس کو تو بلا سکتے ہیں ۔

صالحہ :- ہاں آپا ایسا ہوا تو ؟

نفیسہ :- اے چل، پولیس کو بلوا سکتے ہیں ؟ ——— پولیس
بلوا کر اپنے جوان جہان، اولاد والے لڑکوں اور لڑکیوں کو گرفتار کرائیں

یا
کس لئے، ایک موتی رنڈی کے لئے، جس سے نہ کوئی رشتہ

نہ قرابت!

توقیر:۔ اب وہ رنڈی کہاں رہی۔ اب تو وہ ان کی بیوی بن چکی ہے

نفیسہ:۔ صرف ان کی بیوی ہی نہیں۔ تمھاری ماں بھی تو بن چکی ہے۔ الّٰں کہاں کرنا ہے۔

صالحہ:۔ پھر وہی جھگڑے کی باتیں بھائی جان ذرا سوچئے کتنا بڑا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوگا، لوگ جمع ہو جائیں گے، دنیا ہنسیں پر تھو کے گی کہ باپ کے گھر پر لڑنے کے لئے چڑھ دوڑے۔

عارف:۔ ایک بات اور بھی تو ہو سکتی ہے۔

صالحہ:۔ وہ کیا؟

عارف:۔ جس وقت ابّا جان گھر میں نہ ہوں، اس وقت دھاوا بول دیا جائے۔

ناصر:۔ (خوش ہو کر) واللہ بڑی اچھی تجویز ہے، بس اس پر عمل ہونا چاہئے۔

صالحہ:۔ اے تو ابّا جان کہاں جائیں گے، وہ کہیں اور جانے کے عادی نہیں۔ ہمیشہ گھر ہی میں رہتے ہیں، بہت سے بہت گئے تو ڈاکٹر شاکر کے ہاں چلے گئے، وہ کچھ ایسی دور نہیں، گھر کے سامنے ہی مطب ہے، وہاں تک خبر کے پہنچنے اور ان کے آنے میں کتنی دیر لگے گی، سنتے ہی دوڑے آئیں گے۔

ناصر:۔ (بگڑ کر) تو تمھارا مطلب یہ ہے کہ کچھ نہ کیا جائے؟ یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہم بیٹھے رہیں؟

صالحہ:- نہیں ——— میرا مطلب صرف یہ ہے کہ جو کچھ
جائے سوچ سمجھکر کیا جائے۔

عارف:- تو تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ؟

توقیر:- ہاں کوئی ایسی تدبیر ہو کہ سانپ بھی مرجائے اور
بھی نہ ٹوٹے۔

صالحہ:- میرے خیال میں تو ہمیں ابھی پانی اور پانی کی دھار
ممکن ہے آگے چل کر خدا کوئی ایسی صورت پیدا کر دے
ہی ان دونوں میں بگاڑ ہو جائے۔

عارف:- اوّل تو ایسا ہو نہیں سکتا اور اگر کچھ عرصہ بعد ہو
ہمیں کیا۔

نفیسہ:- ہبہ نامہ تو توڑا نہیں جا سکتا۔

ناصر:- پھر تو ابّا جان بھی کچھ نہیں کر سکیں گے۔

توقیر:- اونھ ——— میری سمجھ میں نہیں آتا، جس
لئے اتنا جھگڑا ہو رہا ہے، اور یہ کانفرنسیں ہو رہی ہیں وہ ہے کو
بڑی چیز؟

ناصر:- کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہو تم؟

توقیر:- میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ہم نے اپنا حصہ تو ان کی
میں لے لیا تھوڑا بہت اگر ابّا جان نے اپنے پاس رکھ لیا ہے تو اس
فکر مند ہونے کی کیا بات ہے؟ ——— دے دیں جسے چاہیں

سیا

کوئی اعتراض نہیں ۔

نفیسہ :۔ تمھیں نہیں ہیں تو ہے، ہم کیوں اپنے باپ کے مال پر
غیروں کو قابض ہونے دیں، ہم تو ایک پائی بھی ہضم نہیں ہونے دیں گے
حلق میں انگلی ڈال کر نکال لیں گے ۔ لو اور سنو!

توقیر :۔ تو آپا تمھارا جو جی چاہے کرو

ناصر :۔ تم کوئی حصّہ نہیں لو گی؟

توقیر :۔ نہیں بھیا ۔

ناصر :۔ اور صالحہ تم؟

صالحہ :۔ مجھے بھی توقیر کا ہم نوا سمجھئے ــــــ ابا جان سے جھگڑا
کرتے ہوئے میرا دل ڈرتا ہے، میرا تو جی چاہتا ہے کبھی مل جائیں ۔ تو
معافی مانگ کر خوش کر لوں انھیں ۔

توقیر :۔ (آبدیدہ ہو کر) یہی میرا بھی دل چاہتا ہے ۔

عارف :۔ تو چھوڑو ان لوگوں کو۔ اب ہمیں فیصلہ کرنا چاہئے، کہ
کیا کریں ؟

نفیسہ :۔ اب کیا ہو سکتا ہے جب خود ہم میں پھوٹ پڑی ہوئی
ہے تو کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی!

ناصر :۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی ۔ ارے بھئی توقیر اور صالحہ ابا جان
سے کچھ نہیں لینا چاہتیں نہ لیں، ہم تو لینا چاہتے ہیں ہم تو لیں گے ۔

عارف :۔ دیکھ لینا، بعد میں یہ لوگ کفِ افسوس ملیں گی ۔

ناصر:۔ کون یہ صالحہ اور توقیر۔

نفیسہ:۔ اور کون۔۔۔؟

توقیر:۔ بھیّا میں سچّے دل سے کہتی ہوں، مجھے کچھ نہیں چاہیئے
نہ خدا کرے اباجان کے بعد۔

صالحہ:۔ ایسا روپیہ کس کام کا جو باپ کا دل دکھا کر لیا جائے۔

عارف:۔ (خفا ہو کر) تمھیں ایک کام کے کرنے یا نہ کرنے کا پو
ہے۔ لیکن ہم لوگوں کی کسی رائے یا کسی فعل پر تنقید کرنے کا اختیار نہیں
واقعی ابّا جان کا ادب و احترام کرتی ہو، تو ہمارے ساتھ بھی بدتمیزی
چاہیئے۔ میں بھی تم سے بڑا ہوں، ناصر بھی اور نفیسہ بھی!

صالحہ:۔ بھائی جان میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کہی جس
کو غصّہ آجاتا۔

عارف:۔ میں کہتا ہوں تم چپ رہو بالکل!

ناصر:۔ بہت دیر سے ہم تمھاری لغو اور لاطائل گفتگو سن رہے

نفیسہ:۔ (طنز سے) اے چپ رہو بھیا، دونوں بہنیں جلی
میری بٹیا تو بگڑ چکی ہیں، تمھیں بھی انگٹ کر رکھ دیں گی۔ ہاں
اپنی عزت اپنے ہاتھ۔۔۔!

عارف:۔ جی نہیں، میں نفیسہ نہیں ہوں۔!

توقیر کچھ جواب دینے والی تھی کہ اتنے میں انور آیا، اس کے
سے پریشانی اور سراسیمگی ٹپک رہی تھی، اسے اس حال میں دیکھ کر

سیما

ہوئے ۔ لیکن نفیسہ زیادہ پریشان ہوگئی، اس نے بڑی بے قراری کے ساتھ پوچھا

۔کیا ہوا میرے لال تو پریشان کیوں ہے؟ تیرا منہ کیوں اُترا ہوا ہے؟

انور:۔ نانا جان کے ہاں سے آدمی آیا ہے۔

عارف:۔ ابّا جان کے ہاں سے؟

انور:۔ جی وہیں سے۔

ناصر:۔ خیریت؟ کیا بات ہے کہ ہم گنہگار، اور عاق شدہ لوگ یاد کئے گئے؟

نفیسہ:۔ ضرور کچھ دال میں کالا ہے ——— (انور سے مخاطب ہوکر) کیا کہلایا ہے ابّا جان نے؟

انور:۔ انھوں نے تو کچھ نہیں کہلایا ہے، ان کی نئی بیوی نے کہ ———

نفیسہ:۔ اے جھاڑو پھرے اس نئی بیوی کے منہ پر، میں کچھ نہیں سنتی چل ہٹ!

انور:۔ نانا جان پر دورہ پڑا ہے، وہ بے ہوش پڑے ہیں، ڈاکٹر ناامیدی ظاہر کرتے ہیں، ان کی بیوی نے کہلایا ہے، سب لوگ آکر دیکھ جائیں ۔!

تو تیر بیتاب ہوکر اٹھ کھڑی ہوئی، ہائے میرے ابّا جان ۔!

صالحہ نے انور کا ہاتھ پکڑ کر کہا

چل بھیا، ہمیں جلدی سے پہنچا دے، وہاں ——— خدا

اب کیسے ہیں ——؟

عارف:۔ بوڑھے آدمی ہیں، اور بوڑھوں کو بے ہوشی کے

پڑ ہی جاتے ہیں۔ اس قدر گھبرانے کی ضرورت نہیں ———

بھی چلتے ہیں۔

ناصر:۔ چلئے ہم سب چلیں۔

عارف:۔ ہاں سمجھی یہی مطلب ہے ——— اٹھو

جلدی کرو ——

نفیسہ:۔ میں نہیں جاتی

عارف:۔ پاگل پن کی باتیں مت کرو ——— میں کہہ

ہوں چلو!

نفیسہ:۔ اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے نہیں جاؤں گی، جب

وہ رنڈی اس گھر میں ہے، وہاں قدم رکھنا حرام ہے میرے لئے

جاتو پہلے اسے نکالو، پھر لے چلنا مجھے۔

توقیر:۔ اسی رنڈی نے تو یہ انسانیت کی ہے، کہ ہمیں اط

صالحہ:۔ ورنہ چاہے جو کچھ ہو جاتا، ہمیں پتہ بھی نہ چلتا۔

عارف:۔ (نفیسہ سے مخاطب ہو کر) بے وقوف یہی وقت

وہاں چلنے کا، اور نسیمہ کو کان پکڑ کر نکال دینے کا۔ اسے تو خدا

لیا

میں ضائع کر رہی ہے۔

نفیسہ:۔ (کچھ سوچ کر)

۔اچھا چلتی ہوں —!"

———— ٭ ————

باب ۱۴

اُجڑا ہوا گھر!

دم کے دم میں یہ قافلہ مرزا صاحب کے نئے گھر میں پہنچ گیا۔ مرزا صاحب ایک کمرہ میں بے ہوش پڑے تھے، ڈاکٹر ابھی ابھی گیا تھا، مرزا صاحب کی پٹی سے لگی، نسیمہ اور سیما بیٹھی تھیں اتنی ہی دیر میں روتے روتے دونوں کی آنکھیں سوج گئی تھیں، نفیسہ نے پہنچتے ہی دہاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا:

ہائے میرے ابا جان، تمھیں کس کی نظر کھا گئی۔؟

نسیمہ نے بڑی معقولیت کے ساتھ کہا

بیٹی، خدا پر بھروسہ رکھو۔!

نفیسہ نے حقارت بھری ایک نظر نسیمہ پر ڈالی، اُسے مخاطب کئے بغیر کہا

ہائے یہ اندھیر، باپ مر رہا ہے اور لڑکی کو رونے کی اجازت بھی نہیں۔

یا

نیمہ:۔ میری بچی رونے سے منع نہیں کرتی، لیکن ڈاکٹر نے تاکید
کی ہے کہ کمرہ میں ذرا بھی شور و غل نہ ہو ۔۔۔!

سیما حیرت سے ان آنے والوں کو اور خاص کر نفیسہ کو دیکھ رہی
تھی، اس نے اس وضع قطع کے لوگ زندگی میں کاہے کو کبھی دیکھے ہوں
گے ابھی اس کی حیرت کم نہ ہوتی تھی، کہ پھر کانوں میں نفیسہ کی آواز گونجی:

اے رہنے دو بڑی بی، تم ہم سے زیادہ انھیں نہیں چاہ سکتیں۔

نیمہ نے کرب بھری نظر سے نفیسہ کو دیکھا اور آنکھیں جھکالیں

عارف نے نیمہ سے آنکھیں چار کئے بغیر دریافت کیا

کس ڈاکٹر کا علاج ہو رہا ہے؟

نیمہ:۔ (آہستگی سے) ڈاکٹر شاکر کا

نفیسہ:۔ وہ مواکیا جانے ڈاکٹری، وہ تو خالی شطرنج کھیلنا جانتا ہے،
کسی اور کو بلاؤ بھیا ۔۔۔۔۔۔ ہائے میرے ابا یہ تمھیں کیا ہو گیا؟

ناصر:۔ نفیسہ زیادہ پریشان نہ ہو، خدا نے چاہا اچھے ہو جائیں گے

نیمہ:۔ آمین ۔۔ !

نفیسہ:۔ (صالحہ سے مخاطب ہو کر نیمہ کی طرف اشارہ کر کے) ان
سے کہہ دو یہاں سے چلی جائیں، ہم خود اپنے باپ کی دیکھ بھال کریں گے۔

نیمہ نے پھر ایک درد بھری نظر حاضرین پر ڈالی اور منہ سے کچھ
کہے بغیر چپ چاپ کمرے سے باہر نکلی چلی گئی، اس کے جانے کے بعد
نفیسہ نے اتنے زور سے کہ وہ سُن لے، کہا

موتی ڈاتن کہیں کی ‘کھا گئی ہمارے بھولے بھالے اباجان ک
معلوم نہیں یہ باتیں نسیمہ نے سنیں یا نہیں، لیکن سیما ر
اور اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، یہ کمرہ اس وقت
بھرا ہوا تھا، لیکن ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی طرف وہ اُ
نظروں سے دیکھ سکتی، جس کے بارے میں وہ یہ خیال کر سکتی کہ یہ ا
ہمدردی کرے گا، اس سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئے گا، ان
مایوس ہوکر وہ پھر اپنے اباجان کی ٹپی سے لگ کر بیٹھ گئی:

عارف نے کہا "جاؤں کسی دوسرے ڈاکٹر کو لے آؤں ؟

ناصر:- ہاں بھائی جان ——— میرے خیال میں ک
اچھے رہیں گے -

عارف:- وہی سہی ———

صالحہ:- لیکن ڈاکٹر شاکر اباجان کے مزاج داں ہیں، ہمی
علاج کرتے آئے ہیں، لہٰذا مشورہ میں انھیں بھی شریک کرنا

عارف:- (چڑکر) توبہ ہے بھئی صالحہ، تم نے تو شاید
کر لیا ہے ہماری ہر رائے اور ہر اقدام کی مخالفت کروگی
میں نہیں جاتا ——!

توقیر:- بھائی جان آپ تو خفا ہوگئے۔

ناصر:- تو اور کیا کریں ؟ تم لوگوں کو لقمہ دینے کی ایسی
ہے کہ خدا کی پناہ، اب دوا علاج میں بھی ٹانگ اڑانے لگیں -

صالحہ:۔ بجیا میں نے تو ایک بات کہہ دی تھی، لیکن اگر مرضی نہیں
...نہ ہو تو —
نوتیر:۔ اچھا ڈاکٹر شاکر کو چھوڑیئے، کرنل زاہد ہی کو لے آیئے۔
عارف:۔ جاتا تو ہوں، لیکن ایک بات کہے دیتا ہوں اب میرے
معاملہ میں کوئی دخل نہ دے۔
نوتیر:۔ اطمینان رکھئے، کوئی دخل نہیں دے گا۔
عارف برہمی کے عالم میں کھٹ کھٹ کرتا باہر چلا گیا۔
نوتیر اور صالحہ جاکر باپ کے پائنتی بیٹھ گئیں، حسرت سے اُن کو
...کنے لگیں، باپ کے روٹھنے سے پہلے کی شفقت و محبت کی باتیں ایک ایک
...کر کے یاد آنے لگیں، ایک مرتبہ نوتیر بھی اسی طرح بیمار پڑی تھی، مرزا صاحب
...نے دن رات ایک کر دیا تھا، اور صالحہ جب جھولے سے گری تھی تو اُس کی
...تیمارداری میں تو انھوں نے اپنے آپ کو ستی کر دیا تھا، دونوں بہنیں یہی
...سوچ رہی تھیں، اور اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔
انور ہمیشہ مرزا صاحب کے تند و بلند لہجہ سے خائف رہا، وہ اُن کی
...سختیوں سے بھی بہت گھبراتا تھا۔ جب سے انھوں نے نئی شادی کی تھی وہ
...بہت خوش تھا کہ آخر کار اس کی دلی آرزو پوری ہوئی، اور اسے مرزا صاحب کے
...پنجۂ تادیب سے رہائی مل گئی، لیکن جب سے اس نے ان کی شدید اور مایوس
...کن علالت کا حال سنا تھا، اس کے اوسان خطا ہوگئے تھے، ایسا معلوم ہوتا
...تھا اس بوڑھے شخص کی محبت اس کے دل کے کسی گوشہ میں دبی ہوئی تھی۔

آج یک بیک وہ اُبل پڑی ' وہ بار بار انھیں دیکھتا تھا' کرہ کا جائزہ
آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرتا تھا' مگر کامیاب نہیں ہوتا تھا' اس
بوڑھے جھریوں پڑے نیم مردہ شخص سے کچھ عجیب قسم کا لگاؤ محسوس
تھا۔ پہلے اس چہرے پر وہ خشونت اور تادیب کے آثار دیکھا کرتا تھا
اس وقت اسے شفقت اور محبت کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

اور ناصر اور نفیسہ؟ اور عارف۔؟

ان تینوں کی کیفیت سب سے جدا تھی —!

ناصر چاہتا تھا' تھوڑی دیر کے لئے ابّا جان کو ہوش آجائے تو
ان سے ایک سادہ کاغذ پر چکنی چپڑی باتیں کرکے دستخط لے لے' عارف
امید تھی کہ وہ اتنا طاقت ور ہے کہ اگر ابّا جان کا انتقال ہو جائے تو
بازو ان کا ترکہ لے سکتا ہے ' اور اگر کسی نے سامنے آنے کی ہمت
تو وہ کچل دیا جائے گا' کیونکہ ہاتھی سے گنّے کھانا آسان نہیں' اس
رعب داب کا ڈونکا بجتا ہے' اور اس کی دھاندلی کا بھی کوئی حریف
پیدا ہو سکا' لہٰذا وہ بھی چاہتا تھا کہ یہ بے ہوشی' موت میں تبدیل
اور یہ کام جس قدر جلد انجام پا جائے ' اتنا ہی بہتر ہے' اور نفیسہ اس
یں تھی کہ اب یہ گھر' اس کا تمام سامان ' نقد و جنس' تو کم از کم اس کے
یں آہی جائے گا' باغ بھی کوئی نہیں لے سکتا' باقی چیزیں دو سب
بہن آپس میں تقسیم کرتے رہیں گے' وہ باپ کی طرف سے قطعاً مایوس
تھی' اسے کوئی غم نہیں تھا' ہاں فکر ضرور تھی ——— آخر وہ

سیما

سکے گا۔

نفیسہ ان ہی تخیلات میں کھوئی ہوئی تھی کہ دفعتہً اس کی نظر سیما پر پڑی، جواب تک سر جھکائے آنکھوں میں آنسو بھرے، مرزا صاحب کی پٹی سے لگی بیٹھی تھی، اُس نے کڑک کر کہا

"کون ہے تو؟"

اس طرز تخاطب سے بیچاری کو پہلی مرتبہ سامنا پڑا تھا، وہ چکرا گئی کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں؟ اور کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟ اس سے کچھ جواب دیتے نہ بن پڑا وہ حیرت اور حسرت کے ساتھ نفیسہ کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی، اس قابل رحم حالت سے نفیسہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی۔ اُس نے ایک مرتبہ پھر گرج کر پوچھا،

"بہری ہو گئی ہے کیا؟ ——— اے میں پوچھتی ہوں تو کون ہے —؟

سیما:۔ "سیما!"

نفیسہ:۔ اوہو آپ ہیں سیما بیگم، خدا نظر بد سے بچائے ——— چل بھاگ یہاں سے —!

سیما:۔ (سہم کر) آبا جان کے پاس بیٹھی ہوں، مجھے بیٹھا رہنے دیجئے۔

نفیسہ:۔ چل بڑی آئی ابا جان والی، خدا آبا جان کو سلامت رکھے تو کون ہوتی ہے ان کی موئی رنڈی بچی، وہ ہمارے ابا جان ہیں، تیرے نہ جانے کتنے ابا جان سڑک پر جوتیاں چٹخا رہے ہوں گے ——— اُٹھ جا یہاں سے!

یہ باتیں سُن کر سیما پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی، کاٹو تو لہو نہ
بدن میں، وفورِ غیرت سے اس کا جی چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے
وہ اس میں سما جائے، اتنے سارے لوگوں کے سامنے اس عورت کے ا
بخیئے اُدھیڑ کر رکھ دیئے تھے، پھر بھی اس نے کوئی جواب نہیں دیا، چُپ چا
اپنی جگہ بیٹھی رہی، سیما کی یہ سرکشی نفیسہ کے لئے اور زیادہ اشتعال انگیز
ہوئی، اُس نے بپھرے ہوئے لہجہ میں کہا
بی بلّو کچھ سُن رہی ہو، میں نے کیا کہا؟
وہ بولی:۔ ہاں سُن رہی ہوں — !
نفیسہ:۔ پھر جاتی کیوں نہیں —؟
سیما:۔ کیوں جاؤں —؟
نفیسہ:۔ ہم جو کہہ رہے ہیں —
سیما:۔ کوئی بھی کہے میں نہیں جاؤں گی —!
نفیسہ:۔ تجھے جانا پڑے گا — !!
سیما:۔ قیامت تک نہیں جاؤں گی !!
نفیسہ:۔ دیکھ پھر مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا !!
سیما:۔ میں ہر بُرائی برداشت کرنے کو تیار ہوں !!
نفیسہ:۔ پھر کہے دیتی ہوں —— !!
اور یہ کہہ کر وہ سیما کی طرف درازدستی کے خیال سے لپکی
الآرے نے اسے راستہ ہی میں روک لیا؛

سیما
اماں جان، اماں جان' ذرا وقت کی نزاکت اور موقع محل کی مصلحت
دیکھو، وہ تمہارا کیا بگاڑ رہی ہے؟

نفیسہ :۔ چل ہٹ' بڑا آیا نصیحت کرنے والا'

یہ کہہ کر وہ پھر بڑھی' اس مرتبہ صالحہ نے اسے روک لیا'
آپا خدا کے لئے رحم کرو' جب تک ابا جان زندہ ہیں اُس وقت
تک تو اس طرح کی باتیں نہ کرو؛

توقیر :۔ اس کمرے میں غل شور کرنے کی اجازت نہیں' لڑنا ہے
تو باہر لڑو جا کر۔

نفیسہ :۔ دیکھو توقیر چپ رہو آگے نہ بولنا!

توقیر :۔ میں تو چُپ ہوں اور چاہتی ہوں کہ تم بھی چُپ ہی رہو۔

نفیسہ :۔ ہاں تو بھی چاہتی ہے کہ میں ہمیشہ کے لئے چپ ہو جاؤں
——— لیکن میں تو دشمنوں کی چھاتی پر مونگ دلوں گی' ابھی زندہ رہوں گی'

توقیر :۔ توبہ آپا معاف کرو خدا کے لئے۔

صالحہ :۔ کیا کہہ رہے ہوں گے لوگ؟

نفیسہ :۔ لوگ کون؟ ——— وہی نسیمہ کے بھڑوے؟ ان
کی پروا تجھے ہوگی' مجھے نہیں ——— چل سیما نکل یہاں سے' یہاں
کوئی غیر نہیں بیٹھ سکتا' ہمارے خاندان کا دستور یہی ہے!

سیما :۔ کہہ تو دیا نہیں جاؤں گی۔!

نفیسہ نے اس انکار پر اس طرح اسے گھور کر دیکھا جیسے کچا ہی تو چبا

جائے گی، وہ اپنے تازہ اقدام کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر
تھی کہ عارف کرنل زاہد کو لے کر آ گیا، عارف اور کرنل زاہد کو دیکھ کر
لوگ کائی کی طرح چھٹ گئے، البتہ سیما اپنی جگہ پر چٹان کی طرح جمی
ہوئی بیٹھی رہی ـــ

کرنل زاہد نے اچھی طرح مریض کا معائنہ کیا، بلڈ پریشر دیکھا
مایوسی کے عالم میں گردن ہلائی اور کہا:

دماغ کی رگ پھٹ چکی ہے، یوں سمجھئے جاں کنی کا عالم ہے
چند لمحوں سے زیادہ کے مہمان نہیں ـــــــــــ

مجھے بڑا افسوس ہے عارف صاحب، اور آپ سب حضرات
سے ہمدردی بھی ہے ـــ!

یہ کہہ کر واپس جانے کے لئے، انھوں نے اپنا ہیٹ سنبھالا۔

سیما بڑے غور سے کرنل زاہد کی باتیں سن رہی تھی، جب انھوں
مرزا صاحب کی زندگی سے مایوسی ظاہر کی اور کہا

"یہ اب چند لمحوں سے زیادہ کے مہمان نہیں ہیں ـــ!"

تو وہ ایک آہ کر کے پختہ فرش پر دھڑام سے گر پڑی، سر سے خو
بہنے لگا، اور بے ہوش ہو گئی، فوراً انور نے لپک کر اسے اپنے بازوؤں
اٹھایا، پاس ہی ایک اور چارپائی بچھی ہوئی تھی، آہستہ سے اس پر لٹا
صالحہ اور تو قیر اس کا خون صاف کرنے لگیں، کرنل زاہد یہ منظر دیکھ رہے
تھے، وہ بھی آگے بڑھے، انھوں نے سیما کی نبض دیکھی اور کہا:

سیا

گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے   شاید یہ مریض کی لڑکی ہے
مجھے اس کے سامنے ایسی مایوس کن باتیں نہیں کرنا چاہیئے تھیں' اسی غم سے بے ہوش ہوگئی، خون زیادہ نہیں نکلا ہے' چوٹ معمولی ہے' انجکشن دیئے دیتا ہوں، تھوڑی دیر میں ہوش میں آجائے گی۔!

پھر کرنل صاحب نے سیما کو اچھی طرح دیکھ بھال کر اس کا زخم دھویا، پٹی باندھی اور انجکشن دے کر جاتے ہوئے کہا:

بالکل اطمینان رکھئے، بہت جلد ہوش آجائے گا۔

کرنل صاحب فیس لے کر چلے گئے۔ عارف نے سیما کی طرف دیکھ کر کہا

یہی سیما ہے؟

نفیسہ نے جواب دیا

ہاں یہی سیما بیگم ہیں۔ ابا جان کی خود ساختہ صاحبزادی ——
—— اوہ، میں کہتی ہوں ابھی سے کتنی چالاک اور فریبی لڑکی ہے، ڈاکٹر تک کو دھوکہ دے دیا۔

عارف:۔ ڈاکٹر کو کیسے دھوکہ دیا؟

نفیسہ:۔ اے یہ دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔ مکر کئے پڑی ہے اور دیکھے سچ مچ بے ہوش ہوگئی ہے' اللہ ری حرافہ۔!

توقیر:۔ آپا خدا سے ڈرو،

صالحہ:۔ بے چاری سیما ——

نفیسہ:۔ اچھا اچھا میں سمجھ گئی۔ اس گھر میں سیما کے کئی ہمدرد موجود

ہیں، میں نے غلطی کی جو اس کے مکر کا پردہ چاک کیا، معاف کر دو بہ
بڑی چوک ہوئی مجھ سے ــ!

صالحہ اور تو تہر میں سے کسی نے جواب نہیں دیا، سیما ویسے ہی بے
سُدھ پڑی تھی، انور نے تکیہ اٹھا کر سر کے نیچے رکھ دیا، نفیسہ بڑی سیدھ
تھی، بھلا یہ کارروائی کیسے دیکھتی ؟ اُس نے وہیں سے انور کو ڈانٹا!

خبردار جو اس سنپولی کے قریب گیا ــ!

انور سہم کر پیچھے ہٹ گیا، اور خاموشی سے ایک کونہ میں دبک کر
کھڑا ہو گیا، پھر نفیسہ نے صالحہ کی طرف دیکھا اور کہا

ایک کام تو کر دخدا کے لئے !

صالحہ :۔ فرمایئے کیا کام ہے ؟

نفیسہ :۔ سیما کی ماں سے کہو اپنی نور چشم اور لخت جگر کی ایکٹنگ
کمال کبھی دیکھ لیں اور اپنے ساتھ کرہ میں لیتی کبھی جائیں !

صالحہ :۔ (جل کر) چلی جاؤں گی آپا، تم آبا کی تو خبر لو ــ

باب ۱۵
اشکِ غم!

ڈاکٹر شاکر علی مرزا صاحب کے پرانے دوست تھے، اور اب ادھر نئی شادی کے بعد سے تو ہم نوالہ ہم پیالہ بن گئے تھے، مطب سے فارغ ہو کر وقت کا زیادہ حصہ مرزا صاحب کے در دولت ہی پر صرف کرتے تھے۔ مطب کے اوقات میں خود مرزا صاحب پہنچ جاتے تھے، وہ مریضوں کو دیکھا کرتے اور نسخہ لکھا کرتے تھے، یہ طبی رسالے اور میگزین توجہ اور انہماک سے پڑھا کرتے تھے، جب مریضوں کی یورش کم ہوتی تھی، تو آپس میں باتیں بھی کرنے لگتے تھے، پھر شطرنج شروع ہو جاتی؛

مرزا صاحب ان کے پاس آج خلاف معمول بڑی دیر تک بیٹھے رہے تھے۔ پھر جب اٹھے تو کہنے لگے۔

آج سر میں بڑا درد ہو رہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ پھٹ جائے گا!

ڈاکٹر شاکر نے کہا؛

کئی دفعہ آپ سے کہہ چکا ہوں، بلڈ پریشر کے مریضوں کو بڑی اح
کرنی چاہیئے، اور آپ کا یہ حال ہے، نہ کھانے کا وقت مقرر ہے نہ سو
نہ احتیاط نہ پرہیز، گرم، ثقیل، دیر ہضم، نفاخ، چیزیں کھانے کا خاص ط
پر آپ کو شوق ہے، چلئے میں بھی ابھی آتا ہوں۔

مرزا صاحب نے مسکرا کر پوچھا

آپ کیا کریں گے آکر؟

ڈاکٹر شاکر نے کہا

بھابھی سے شکایت کروں گا، اور انھیں انچارج بنا دوں گا
جب تک وہ کنٹرول نہیں کریں گی، آپ قابو میں نہیں آئیں گے۔!

مرزا صاحب ہنستے ہوئے چلے گئے ——— مشکل سے دو
منٹ گذرے ہوں گے کہ آدمی دوڑتا ہوا آیا:

چلئے جلدی چلئے، مرزا صاحب پر بڑا سخت دورہ پڑا ہے۔

ڈاکٹر نے پوچھا۔ دورہ کیسا۔؟"

ملازم نے جواب دیا۔ بے ہوش ہو گئے ہیں۔!"

ڈاکٹر شاکر سب کچھ سمجھ گئے، انھوں نے ہینڈ بیگ سنبھالا اور
لپک کر مرزا صاحب کے گھر پہنچے، انھیں دیکھتے ہی نسیمہ نے فریاد کے لہ
میں کہا۔

ہائے ڈاکٹر صاحب یہ کیا ہو گیا انھیں، آپ کے ہاں سے تو ہنستے
ہوتے آئے تھے اور مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہے تھے!

ڈاکٹر نے جواب دیا "جی ہاں کوئی بات نہیں، خدا اپنا فضل کرے گا"۔ پھر انھوں نے آلہ نکال کر بلڈ پریشر دیکھا، چہرے کا رنگ بدل گیا، ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بڑا دھچکہ لگا ہے، اِن کی یہ کیفیت دیکھ کر نسیمہ سمجھ گئی، معاملہ ہاتھ سے نکل گیا، اُس نے بڑے استقلال سے کہا:

گھبرایئے نہیں، اور میری گھبراہٹ کے ڈر سے بات نہ چھپایئے، سچ سچ بتا دیجئے کیسے ہیں؟! امید ہے یا نہیں۔؟

ڈاکٹر شاکر اب نہ چھپا سکے۔

اس مرض میں اتنا شدید حملہ مایوس کن ہی ہوتا ہے، ویسے جب تک سانس تب تک آس، میں انجکشن لگاتا ہوں!

نسیمہ نے یہ باتیں بڑے استقلال سے سنیں، پھر اپنی آواز اور دل پر قابو پانے کے بعد کہا:

کچھ امید ہے یا بالکل مایوسی کا درجہ ہے؟

ڈاکٹر شاکر نے تیزی سے باہر جاتے ہوئے کہا

اس کا فیصلہ چند گھنٹے کر دیں گے ——— میں پھر آؤں گا —— ضرورت ہو تو بلوا لیجئے گا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد نسیمہ نے سوچا، اگر خدا نخواستہ مرزا صاحب نہ بچے، تو ان کی اولاد کو ہمیشہ یہ غم رہے گا کہ بیماری میں خدمت کا موقع بھی نہ ملا، یہ سوچ کر اس نے ملازم کو بلایا اور اسے تاکید کی کہ مرزا صاحب کے پرانے گھر میں جا کر ان کی شدید علالت کی اطلاع کر آئے۔

علالت کی خبر سنتے ہی سب لوگ آموجود ہوئے اور پھر جو
وہ معلوم ہی ہے ۔!

ڈاکٹر شاکر نے اپنے مطب سے کرنل زاہد کو آتے جاتے دیکھ
ان کا جی چاہا وہ جائیں، اور کرنل صاحب سے مل کر مرض کی نوعیت
بحث و مشورہ کریں، لیکن انھیں بلایا نہیں گیا تھا، اس لئے وہ نہیں
آخر خودداری بھی تو کوئی چیز ہے ـــــ !

لیکن وہ مرزا صاحب کے صرف معالج ہی نہیں، ذاتی دوست
تھے زیادہ دیر تک صبر نہ کر سکے، آخر پہنچے، دروازے پر انور کو دیکھ
سمجھ گئے، سب آگئے، اور اب ان کی سمجھ میں یہ بھی آگیا کرنل زاہد
بلایا گیا تھا؟ اور کس نے بلایا تھا، انھوں نے شفقت کے ساتھ ان
پر ہاتھ رکھکر کہا

بیٹے اندر اطلاع کر دو، میں مرزا صاحب کو دیکھنے آیا ہوں ۔!

انور جب اندر پہنچا، تو نفیسہ کا پارہ پھر چڑھا ہوا تھا، سیما اب
آچکی تھی، اور ہوش میں آتے ہی مرزا صاحب کے سرہانے جاکر بیٹھ گئی
یہ کوئی بڑی اہم جگہ ہے، کہیں کوئی چھین نہ لے، صالحہ نے گلوکوز کا
بنا تھا اور توقیر کھڑی اصرار کر رہی تھی کہ پی لے، نفیسہ یہ منظر دیکھ
جا رہی تھی، ـــــ یہ خاطر داری اور دل جوئی سیما کی، ایک آبرو باختہ
کی، ایک آبرو باختہ لڑکی کی؟ لیکن وہ اپنا دل، صالحہ اور توقیر کا سینہ
کس طرح ان کے دل سے بدل لیتی؟

اتنے میں انور پہنچا، گویا نفیسہ کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا،
تو کیوں آیا —؟

انور:— وہ آئے ہیں ڈاکٹر صاحب —

نفیسہ:— (منہ بگاڑ کر) "کون سے ڈاکٹر صاحب؟"

انور:— وہی پڑوس کے —— ڈاکٹر شاکر۔

نفیسہ:— سیما بیگم کی خیریت دریافت کرنے؟ —— جا کہہ دے وہ گلو کوز کا شربت نوش جان فرما رہی ہیں —

انور:— (بگڑ کر) اماں تمھاری باتوں کا کچھ سر پیر بھی ہے؟

نفیسہ:— واہ رے چھوکرے کیا ہوا؟

انور:— وہ نانا جان کو دیکھنے آتے ہیں، ان کے دوست ہیں۔

نفیسہ:— بڑے دوست! —— نہ جانے اس رنڈی سے مل ملا کر زہر کا انجکشن دے دیا، یا کیا کیا، جب ہی سے حالت نازک ہے، میں تو نہیں دیکھنے دوں گی ——"

عارف:— آنے دو نفیسہ!

ناصر:— ہاں دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟ کچھ ان کا علاج تو کرائیں گے نہیں —

صالحہ:— جا انور بلا لا۔

توقیر:— کوئی ان سے پردہ نہیں کرتا۔

انور ڈاکٹر شاکر کو لے کر فوراً آ گیا، انھوں نے عارف سے کہا:

معاف کیجئے گا، بے طلب آیا ہوں، ڈاکٹر کی حیثیت سے
دوست کی حیثیت سے۔!

عارف:۔ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ ڈاکٹر صاحب اگر
ہم آپ کے ہیں، اپنوں میں ان تکلفات کا کہاں گذر؟

ڈاکٹر شاکر:۔ جی ہاں اسی لئے آگیا۔

پھر وہ سیدھے مرزا صاحب کے پاس پہنچے، نبض دیکھی
وہیں رکھ دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

ناصر:۔ اب کیا حال ہے؟

ڈاکٹر شاکر:۔ اب وہ اس قسم کے سوال و جواب کی منزل
بہت دور نکل چکے ہیں۔

عارف:۔ یعنی۔۔۔۔۔؟

ڈاکٹر شاکر:۔ موت کا کسی کے پاس علاج نہیں، نہ شاکر
نہ کرنل زاہد کے پاس، انا للہ وانا الیہ راجعون!

یہ سنتے ہی نفیسہ چیخ چیخ کر رونے لگی، صالحہ اور تویر کی
سے بھی آنسو کی جھڑیاں جاری ہوگئیں، الزر بچوں کی طرح پھوٹ
کر رونے لگا۔ عارف اور ناصر کی آنکھیں بھی آب گوں ہوگئیں۔
سب کچھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، نہ وہ رو رہی تھی
رہی تھی، خاموش، گم سم!

لبیبہ اپنے کمرہ میں آکر چپ چاپ بیٹھ گئی تھی، اس گزشتہ

سیما کے صرف دو مشغلے تھے، رونا یا مصلے پر سجدے میں دعائے صحت کرنا! وہ سیما کو بھی بھول چکی تھی کہ وہ کہاں ہے، کیا کر رہی ہے؟ اب جو اس نے گریہ و بکا کی آواز سنی، سمجھ گئی، کیا واقعہ ہوا ہے، وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی مرزا صاحب کے کمرہ میں پہنچی، جہاں وہ ایک سفید چادر اوڑھے ہمیشگی کی نیند سو رہے تھے، وہ قریب پہنچی، اس نے چادر کا کونہ اٹھایا، مرزا صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا، چادر پھر اڑھا دی، اور ایک کونہ میں بیٹھ گئی -

سیما اب تک سب کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، نہ رو رہی تھی، نہ چیخ رہی تھی، لیکن اب اس نے لبیمہ کو جو دیکھا تو بند ٹوٹ گیا، تیر کی طرح ماں کی گود میں جا کر گری اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، جیسے جیسے ماں اسے سینہ سے لگاتی اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرتی تھی، اس کا طوفانِ اشک امنڈ امنڈ کر برسنے لگتا تھا ــــــ اتنی دیر کے بعد اسے ایک ہمدرد چہرہ نظر آیا تھا ــ!

ـــــــ ٭ ـــــــ

ناصر:- یعنی نسیمہ کا حشر کیا ہو گا ؟ بیسا کہاں جائے گی ؟ اور ــــ

عارف :- ہاں اور ـ ؟

ناصر:- جو کچھ ابا جان نے چھوڑا ہے اس کی تقسیم کیوں کر عمل میں آئے گی؟

عارف :- (کچھ سوچ کر، تو جاؤ نسیمہ کو بلا لاؤ ـ

ناصر:- ابھی ؟ اسی وقت ؟ رات کو دیکھا جائے گا ـ !

عارف :- اگر طے کرنا ہے تو پھر تاخیر کیوں ؟ کیوں نہ اسی

ت ساری باتیں طے کر لی جائیں ـ ؟

نفیسہ :- ٹھیک تو ہے بھیا ـ

ناصر گیا، اور نسیمہ کو بلا لایا، آج اُس کی حالت دیدنی تھی ـ !

پہلے وہ اس گھر کی ملکہ تھی، آج وہ ایک مجرم کی طرح پنچوں کے

امنے حاضر ہوتی تھی، اُس کے چہرے کی رونق ماند پڑ چکی تھی، بڑھاپا نقاہت

ے باہر نکل آیا تھا، آنکھیں گڑھے میں دھنس چکی تھیں، چہرے کا رنگ

ینہ کا لا پڑ گیا تھا یہ سب کچھ صرف تین دن کے اندر

ع ہوا تھا ـ

نسیمہ کو آتا دیکھکر، عارف اور نفیسہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہے، صالحہ

ا اپنی جگہ اسے دے دی، توقیر بھی کھسک کر پیچھے ہٹی، اُس نے کہا

اطمینان سے بیٹھ جائیے ـ !

نسیمہ چارپائی پر بیٹھ گئی، پھر اُس نے ناصر کی طرف دیکھکر کہا

بھیا کیا بات تھی کیوں بلایا ہے تم لوگوں نے مجھے ؟

باب ۱۶

تصفیہ

تین دن تک تو گھر میں سنّاٹا چھایا رہا ۔۔ ! ۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔ کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ، یا بات چیت کی نوبت نہ

سوئم کے بعد، نفیسہ نے عارف سے بھائی اور بہنوں کی

میں کہا:

بھائی جان، اب تمام معاملات کا تصفیہ ہوجانا چاہیے۔

عارف نے بے پروائی اور کسی قدر ترشی سے کہا۔

تصفیہ کاہے کا ؟ ۔۔۔۔۔۔۔ ابّا جان کا مجوزہ ہبہ نامہ

عالم وجود میں آیا نہیں، لہٰذا جو کچھ انھوں نے چھوڑا ہے وہ ہمارا

نفیسہ:۔ وہ ہے، لیکن ایک مرتبہ ہم سب بیٹھ کر آپس میں

باتوں کا فیصلہ کیوں نہ کرلیں ؟

عارف:۔ کس قسم کی تمام باتیں ؟

نفیسہ :- تصفیہ کرنے کے لئے۔

نسیمہ :- تصفیہ کس چیز کا ---؟

نفیسہ :- ہم آپ کا دعویٰ سننا چاہتے ہیں۔

نسیمہ :- میرا دعویٰ تو کچھ بھی نہیں۔

نفیسہ :- مہر ---؟

نسیمہ :- وہ تھا ہی کتنا -؟ پچاس روپے، ان کی زندگی ہی
لے لیا تھا، میں نے۔

توقیر :- آپ کا مہر پچاس روپے تھا؟

نفیسہ :- (غصہ سے) اور کیا پچاس ہزار تھا؟

ناصر :- اچھا تو لکھ دیجئے آپ نے مہر وصول پایا۔

نسیمہ :- لاؤ بھیا لکھ دوں۔

ناصر نے دو سطریں لکھ کر کاغذ بڑھایا، نسیمہ نے دستخط کر

نفیسہ :- اور حقِ زوجیت ---؟

نسیمہ :- وہ بھی میں نے پالیا۔

نفیسہ :- پایا کہاں سے؟ ہم دیں گے تو ملے گا!

نسیمہ :- اچھا تو میں نہیں مانگتی۔

عارف :- تو یہ بھی لکھ دیجئے۔

نسیمہ :- لاؤ لکھ دوں۔

عارف نے چند سطریں لکھ کر ایک کاغذ بڑھایا، نسیمہ نے

ستخط کر دیئے۔

نفیسہ:۔ ابا جان کا کچھ نقد روپیہ، زیورات، یا کچھ اور چیزیں

یں آپ کے پاس۔۔؟

نسیمہ:۔ نقد روپیہ کوئی ہزار کے قریب ہوگا کچھ زیورات بھی

ہیں۔۔

توقیر:۔ وہ آپ کی چیزیں ہیں ہمیں اُن سے کوئی مطلب نہیں۔

نسیمہ:۔ نہیں بیٹی امانت ہے، ان کی ایک ایک چیز تم

سب کی ہے لے لو۔

پھر وہ اٹھی، روپیہ اور زیور لاکر رکھ دیا

نفیسہ:۔ اور کچھ۔۔؟

نسیمہ:۔ اور یہ جائداد کے کاغذات ہیں، یہ لو۔

عارف نے وہ کاغذات اپنے قبضہ میں لے لئے،

ناصر:۔ بس۔؟ بنک میں بھی تو حساب تھا؟

نسیمہ:۔ لو بیٹا یہ چیک بک اور بنک کی پاس بک ہے

عارف:۔ ہاں لایئے۔

نفیسہ:۔ کتنا روپیہ ہے بنک میں؟

نسیمہ:۔ ۱۰ ہزار کے قریب۔

نفیسہ:۔ ہوں۔۔

نسیمہ:۔ یہ روپیہ میرے اور اُن کے نام سے بنک میں داخل ہوا

تھا، ہم میں سے جو چاہے اپنے دستخط کرکے رقم نکال سکتا تھا
بک دیکھ لو، میں نے کبھی نہیں نکالا۔

نفیسہ :- تو آپ کے دستخط بھی ضروری ہیں ــ؟

نسیمہ :- ہاں ـــ!

عارف :- تو گویا یہ جھگڑے کا روپیہ ہے ؟

ناصر :- اور کیا ـ

نسیمہ :- نہیں جھگڑا کاہے کا؟ ـــــــــــــــــــ میں
ہم میں سے جو چاہے وہ اپنے دستخط کرکے روپیہ نکال سکتا
چیک پر ساری رقم لکھ لو تو، میں دستخط کئے دیتی ہوں لے لو
اور بانٹ لو آپس میں ـ

توقیر :- واہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، یہ صرف آپ کا روپیہ
آپ جانیں اور سیما ـ

نسیمہ :- میرے لئے تم سب اور سیما برابر ہو ـــ

صالحہ :- یہ آپ کی شرافت اور محبت ہے، مگر اس روپے
ہمارا کوئی حق نہیں ـــ

نفیسہ :- چپ کیوں نہیں رہتی، زبان ہے کہ قینچی کی طرح چ
رہی ہے، یہ روپیہ ہمارے باپ کا ہے، لہٰذا ہمارا ہے ـ

نسیمہ :- ہاں بیٹی سچ کہتی ہو، یہ تمھارے باپ کا تھا
تمھارا ہے ـــ

عارف :- (چیک بک پیش کرکے) تو اس پر دستخط کر دیجئے۔

نسیمہ :- لاؤ ——— یہ لو بیٹا۔

نفیسہ :- اور یہ گھر ——؟

توقیر :- کیا مطلب؟ کیا یہ گھر بھی لے لوگی ان سے؟

نفیسہ :- واہ ری قسمت! ——— تو کیوں بک رہی ہے، چپکی بیٹھ۔

نسیمہ :- ہاں بیٹی یہ مکان کبھی تمھارے باپ کا ہے لیکن اس گھر سے مر کر باہر نکلوں گی، اس سے پہلے نہیں۔

توقیر :- یہ گھر آپ کا، آپ اس گھر کی، نکلنے کا کیا سوال ہے؟

نفیسہ :- رہنے نہ رہنے کا سوال بعد میں طے ہوگا، بہرحال اس گھر پر آپ کو کوئی داعیہ تو نہیں ——؟

نسیمہ :- بالکل نہیں۔

انور :- (طنز سے) تو پھر یہ بھی لکھ دیجئے۔

نفیسہ :- موئے تو نے بھی پٹا پٹ بولنا شروع کر دیا، کوئی یوں ہی کچھ نہیں لکھ دیتا ——— ہاں۔!

انور برہمی کے عالم میں پاؤں پٹکتا ہوا باہر چلا گیا۔

نسیمہ :- ہاں بیٹی، یہ چیزیں تمھاری نہ ہوتیں تو میں کیوں دے دیتی ———

نفیسہ :- اور کیا۔؟

نسیمہ :- ہاں تو ایک بات گرہ میں باندھ لو، میں نے کوئی لڑائی
جھگڑا نہیں کیا، مطالبہ نہیں کیا، دعویٰ نہیں کیا ۔ داعیہ نہیں رکھا،
نہ زندگی کے آخری سانس تک ایسا کرنے کا ارادہ ہے سب کچھ تمھارا ہے
ہر چیز پر تمھیں مالکانہ حق ہے، جس طرح چاہو برتو جس طرح چاہو اپنا عمل دخل
قائم کرو، لیکن ایک دفعہ پھر کہے دیتی ہوں، اس گھر میں رہنے کا مجھے
اور میری بچی سیما کو جو حق حاصل ہے وہ ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا
تم نے سب کچھ لے لیا، میں نے سب کچھ دے دیا، لیکن قبر کے لئے
گز زمین اور جب تک زندہ ہوں دو سوکھی روٹیوں کا انتظام بہرحال
تمھیں کرنا پڑے گا، میں اب نسیمہ نامی ایک عورت نہیں، مرزا صاحب
کی بیوہ ہوں، انھوں نے مجھ سے شادی کی تھی، میں اُن کی عزت
بن چکی ہوں ۔ اس لاج کی حفاظت اب تم سب کا فرض ہے، اگر اس
گھر سے میں باہر نکلی تو توہین میری نہیں مرزا صاحب کی ہوگی ۔!

نفیسہ :- خیر ان باتوں سے کیا حاصل؟ ——— رہا ابّا جان کی
لاج کا سوال ۔ تو وہ اسی دن لُٹ گئی تھی، جس دن تم اِس گھر میں
بیاہ کر آئی تھیں ۔!

نسیمہ :- یہ بھی ٹھیک کہتی ہو بیٹی! ——— لیکن بڑے
اگر غلطی کرتے ہیں تو چھوٹوں کو نباہنا ہی پڑتا ہے کسی نہ کسی طرح۔

نفیسہ :- بڑا کون؟

نسیمہ :- میں نہیں ——— تمھارے ابّا جان مرحوم،

سیما

انھیں غریق رحمت کرے، یہ اگر غلطی تھی تو ان ہی سے سرزد ہوئی تھی۔

نفیسہ:۔ مردوں سے اس طرح کی غلطیاں ہوا ہی کرتی ہیں۔ انھیں کوئی کہاں تک نباہے۔

توقیر:۔ پھر وہی بے تکی باتیں۔

صالحہ:۔ ان باتوں کو چھوڑیے، اطمینان رکھئے، اِس گھر میں آپ کی وہی منزلت رہے گی جو اباجان کی زندگی میں تھی، ہم سب آپ کے چھوٹے ہیں، آپ ہم سب کی بڑی ہیں۔

نسیمہ کی آنکھوں میں مہرومحبت کی یہ باتیں سنکر آنسو آگئے۔

"بیٹی مجھے اور کچھ نہیں چاہئے، دوگز قبر کو زمین بھی نہ دینا، مر جاؤں تو گھر کے باہر لاش پھنکوا دینا۔ پیٹ بھر کے لئے دو روٹیاں بھی نہیں چاہئیں۔ لیکن بس میٹھے بول ـــــــ میری بچی خدا تجھے ہمیشہ سکھی رکھے بس ان ہی میٹھے بولوں کی بھوکی ہوں۔

توقیر:۔ بالکل فکر نہ کیجئے۔

نفیسہ:۔ ارے خدا کی بندیو اب اس بٹوارے کو ختم بھی کروگی کسی طرح، (نسیمہ سے مخاطب ہوکر) آپ جائیے اپنے کمرہ میں، ہمیں کچھ آپس کی باتیں کرنی ہیں۔

نسیمہ چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی ـــــــ توقیر اور صالحہ کی نگاہیں اس وقت تک اس کا تعاقب کرتی رہیں، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی ـــ!

باب ۱۷

حساب کتاب!

نسیمہ کے جانے کے بعد توقیر اور صالحہ، نفیسہ پر برس پڑیں، توقیر نے کہا۔ "آپا حد کر دی تم نے۔"

صالحہ:۔ اکھڑپنے کی باتیں کر رہی تھیں تم، اور شرم سے زمین میں بندی گڑھی جا رہی تھی۔

توقیر:۔ بھلا کوئی ایسا برتاؤ کرتا ہے، آخر وہ ہمارے باپ کی بیوی ہیں۔

نفیسہ:۔ اچھا اب چُپ رہو، بہت سُن لیں تمھاری باتیں، میرے معاملہ میں اگر اب کسی نے دخل دیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا، واہ بھئی واہ لو اور سنو، ہم بھرے ہیں، اور وہ موئی رنڈی، خدا اسے اور اس کے ہوتوں سوتوں کو غارت کرے اچھی ہے، زمین بھی نہیں پھٹ جاتی کہ یہ لوگ اس میں سما جائیں، آسمان بھی نہیں گر پڑتا کہ اس زندگی سے

بیا
نجات ملے۔

صالحہ:- (توقیر سے) ان سے (نفیسہ کی طرف اشارہ کرکے) کچھ کہنا سننا بے کار ہے۔

نفیسہ:- ہاں ہم نہیں سنتے کسی کی۔

توقیر:- (کھڑی ہوکر) تو پھر تمھارا جو جی چاہے کرو، ہم جاتے ہیں اب یہاں ایک منٹ بھی ٹھہرنا گناہ ہے۔

نفیسہ:- جا! دفان ہو ڈراتی کسے ہے؟

توقیر:- ہاں جاتی ہوں، ابھی گئی!

صالحہ:- چلو میں بھی چلتی ہوں۔

نفیسہ:- اے ہے بی تو بھی چلیں، جاؤ، لیکن کہے دیتی ہوں اب اگر منہ دکھایا تو تھوک دوں گی۔!!

صالحہ:- ہاں نہیں دکھائیں گے، ورگرے ہم ایسے بہناپے سے —

عارف:- اچھا کبھی چلی جانا، لیکن فیصلہ تو کرلو۔

صالحہ:- کاہے کا فیصلہ بھائی جان۔

عارف:- یہی اس بات کا کہ ابا جان نے جو کچھ چھوڑا ہے اس میں سے کسے کیا ملے گا؟

ناصر:- میری رائے تو یہی ہے کہ ہم خود آپس میں طے کرلیں، کسی کو بیچ میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟

نفیسہ:- اور کیا، کون سی ایسی لاکھوں روپے کی تقسیم ہے؛

توقیر:- بھائی جان ہیں تو اب ایک پل یہاں ٹھیرنا گناہ سمجھتی
اور صاف کہے دیتی ہوں مجھے کچھ نہیں چاہیئے!

صالحہ:- مجھے بھی نہیں چاہیئے لعنت ہے ایسے روپیہ پر جواس
طرح ظلم کرکے لیا جائے -!

عارف:- کیا مطلب؟ اپنا حصہ نہیں لوگی؟

توقیر:- نہیں!!

صالحہ:- ہمارا حصہ، سیما کے نام بنک میں جمع کرا دیجئے -!

توقیر:- اور رسید انہیں دے دیجئے -

نفیسہ:- (منہ بنا کر) آہاہاہا!!!

لیکن توقیر اور صالحہ نے کوئی جواب نہیں دیا، دونوں اپنے اپنے
گھر چلی گئیں، ان دونوں کے جانے کے بعد ایک سناٹا سا چھایا رہا
دیر تک، پھر نفیسہ نے ناصر کی طرف دیکھ کر کہا۔

دیکھ لیا -؟

وہ بولا:- ہاں دیکھ لیا -

عارف:- خدا یہ دن دشمن کو بھی نہ دکھائے، مجھے حیرت ہے
چھوکریوں کو کیا ہو گیا ہے؟

نفیسہ:- لعنت بھیجو، آؤ بیٹھو حساب کتاب کر لیں -

عارف:- حساب کتاب خاک ہوگا؟ وہ دونوں تو چلی گئیں -

سا

نفیسہ:- جانے دو۔

عارف:- جانے کیسے دوں؟ کل کو وکیل کا نوٹس بھیج
دیں تو کوئی کیا کرے گا؟ مجھے تو ان دونوں سے یہ بات
بھی اب بعید نظر نہیں آتی۔

ناصر:- ہاں ہو سکتا ہے۔

نفیسہ:- ہوگا تو دیکھا جائے گا۔

ناصر:- بھائی جان ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہم لوگ اپنا اپنا حصہ
لے لیں اور ان لوگوں کا الگ رکھ دیں۔

نفیسہ:- کبھی مانگیں تو دے دیں، نہ مانگیں تو کام آئے گا۔

عارف:- (کچھ سوچ کر) نہیں یہ مناسب نہیں، میری رائے یہ ہے
کہ نقد روپیہ منہائی کل ۷۳ ہزار ہوا، یہ بنک میں جمع کئے دیتا ہوں، باقی
یہ زیور اور جائداد جب چاہیں لے لیں یہ دونوں! غیر منقولہ ہم آپس میں تقسیم
کئے لیتے ہیں، پٹواری اپنا آدمی ہے داخل خارج آسانی سے ہو جائے گا، پھر
کسی نے اگر سر اٹھایا تو دیکھا جائے گا۔ اصل چیز تو قبضہ ہے۔!

نفیسہ:- (ناصر سے) کیوں بھیا تمھاری کیا رائے ہے؟

ناصر:- بات تو جچتی ہے۔

نفیسہ:- (عارف سے) تو پھر بسم اللہ کرو دیکھو بھیا یہ
زیور نہ میرا نہ تمھارا، نہ کسی کا۔

عارف:- پھر کس کا۔۔؟

نفیسہ:۔ انور کی دُلہن کا، اللہ رکھے جب اس کی شادی ہوگی
لے دوں گی۔!

عارف:۔ بڑی شریر ہو نفیسہ۔!

ناصر:۔ (ہنس کر) ایسی بات کہی کہ کوئی اعتراض ہی نہ کر سکے۔

نفیسہ:۔ اچھا اب۔؟

عارف:۔ بتاؤ۔؟

نفیسہ:۔ بس میرے لئے تو باغ چھوڑ دو، اباجان کی زندگی کے
سے وہ میرے ہی قبضہ میں ہے۔

ناصر:۔ نہیں بھئی، اتنا اچھا باغ تم اکیلی نہیں لے سکتیں، آدھ

نفیسہ:۔ زیادہ بحث کروگے تو اپنا سر پھوڑ لوں گی، ایسا ہی
تھا، تو اباجان کی زندگی میں بھی کیوں نہ کہا کچھ؟ مجھے بیوہ اور بے
مددگار سمجھ کر دباتے ہو۔؟

یہ کہکر وہ پھکوں پھکوں رونے لگی۔!

عارف:۔ ارے بھئی پھر رونے دھونے کا کون سا وقت ہے
کی باتیں کرو۔

ناصر:۔ اچھا باغ تم لے لو، اس کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔

عارف:۔ ان کے حصہ سے ایمان کی پوچھو تو باغ ہی زیادہ ہے
اور کیا لیں گی۔

نفیسہ:۔ ہاں مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔

عارف:۔ بس تو اب جو کچھ باقی ہے وہ ہم دونوں کا ہے۔

نفیسہ:۔ اللہ مبارک کرے۔

عارف:۔ میرا خیال ہے اس مکان کو کرایہ پر دے دوں۔

ناصر:۔ بہت معقول خیال ہے، اچھا خاصہ کرایہ آئے گا۔

نفیسہ:۔ کیا کہا ذرا پھر سے تو کہنا۔

عارف:۔ تمھیں اعتراض ہے کچھ۔؟

نفیسہ:۔ کیوں نہیں؛ جس مکان میں میرے ابا جان مرے، اِسے میں کرایہ پر دینے دوں گی؟ یہ اندھیر۔؟

عارف:۔ تو پھر کیا اسے تبرک کی طرح رکھا جائے؟

ناصر:۔ واہ بھئی یہ بھی اچھی رہی، ہمارا حصہ ہے جو جی چاہیں کریں اتم کون ــــ؟

نفیسہ:۔ میں اپنے باپ کی بیٹی، اپنے بھائیوں کی بہن، یہ کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا، یہ کسی کے حصہ میں نہیں ہے، سب کا ہے، جس کا جی چاہے رہے۔

عارف:۔ ہمارا حصہ ــــ؟

نفیسہ:۔ اے اب زبان نہ کھلواؤ، ہمارا حصہ ــــ کسی پنچ کو بٹھا لو ــ مجھے کوئی عذر نہیں اس مکان کے علاوہ بھی اگر نہ اگلنا پڑے تو میرا نام نفیسہ نہیں۔

عارف:۔ کیا مطلب کیا ہے اس مکان میں رہنے کا ارادہ ہے؟

نفیسہ:۔ بے شک ــــ اور کہاں رہوں گی جا کر۔؟

ناصر:۔ تمھارا گھر جو ہے۔

نفیسہ:۔ جھاڑو پھرے ایسے منحوس گھر پر، انور کے ابا کو
بیوہ بنادیا، میرا اکیلا لڑکا، کیا اسے بھی قربان کر دوں وہاں رہ کر
——— (ٹھنڈی سانس لے کر) واقعی خون سفید ہو گیا ہے اس
——— یہ سگے ماموں ہیں اور بھانجے کو وہاں ر
نہیں آتا —

ناصر:۔ رحم کی کیا بات ہے، اب تک وہاں رہتی ہو تھیں

نفیسہ:۔ (رو کر) ہائے میرے اللہ! یہ بھائی ہے یا یزید
کو بھی سکھی دیکھنا نہیں چاہتا۔

ناصر:۔ نفیسہ تم تو ہوا سے مرتی ہو۔

نفیسہ:۔ اور کیا، سو بُروں کی ایک بُری میں ہوں —
——— بہر حال اسی گھر میں رہوں گی اور اگر کسی کو اعتراض
پنچ بٹھا کر فیصلہ کرے، یا عدالت سے پروانہ لا کر مجھے جھوٹے
دے ———

عارف:۔ (ناصر سے) چھوڑو بھئی اس قضیہ کو ———
——— ٹھیک بھی ہے، ابا جان کی یادگار، پھر یہاں
بھی پڑی رہیں گی، اس گھر کو پنچایتی ہی رہنے دو۔

ناصر:۔ میں کیا جانوں جو آپ کا جی چاہے وہ کیجئے:
باہر نکل کر، عارف نے ناصر سے کہا
مکان کو مشترک رکھ کر بھی ہم دونوں فائدے میں رہ

ناصر:۔ (مسکراکر) وہ تو میں جانتا ہوں بھائی جان! صرف نفیسہ کے سامنے اس طرح کی باتیں کر رہا تھا۔!

عارف:۔ ٹھیک ہے، کرنا ہی چاہیے تھیں ۔۔!

عارف اور ناصر کے جانے کے بعد نفیسہ نے انور کو بلایا، اس کا منہ اب تک پھولا ہوا تھا۔

نفیسہ:۔ آخر بات کیا ہے چھوکرے، کیوں بن رہا ہے۔؟

انور:۔ کچھ نہیں سر میں درد ہے۔

نفیسہ:۔ (مضطرب ہوکر) جھوٹ ———— میرا لال نہیں سچ کہہ۔

انور:۔ (مُسکراکر) جھوٹ!

نفیسہ:۔ (خوش ہوکر) خدا تجھے ہمیشہ مسکراتا رکھے میرے لال!

انور:۔ کیا بات ہے، کیوں بلایا تھا؟

نفیسہ:۔ جا، اپنے گھر سے سارا سامان یہاں لے آ جاکر۔ وہاں گھر میں تالا لگا دیجو، پھر کوئی اچھا کرایہ دار مل جائے گا، تو اُسے کرایہ پر اٹھا دیں گے۔!

انور:۔ خوش ہوکر، کیا یہاں رہو گی؟

نفیسہ:۔ ہاں ۔۔!

انور:۔ کیا یہ گھر تمھارے حصہ میں آیا ہے اماں؟

نفیسہ:۔ ہاں میرے بچے، یہ گھر تیرا ہے، یہاں کا فرنیچر، اسباب

سامان، ہر چیز تیری ہے، خدا تجھے اس گھر کو برتنا نصیب کرے
سے شان دار گھر میں تیری بیوی بیاہ کر آئے گی، بالکل چاند جیسی۔

انور:۔ (ٹھنک کر) اونھ۔

نفیسہ:۔ ہاں اونھ، اور دل میں تو لڈو پھوٹ رہے
کیوں رے۔؟

انور:۔ اچھا تو میں جاتا ہوں۔

نفیسہ:۔ جاؤ سدھارو، جلدی آنا، میرا دل لگا رہے گا۔

انور:۔ تو کیا میں پردیس جا رہا ہوں۔

نفیسہ:۔ تو کیا جانے بیٹے ——— میری نظروں سے
منٹ کے لئے بھی اوجھل ہوتا ہے، تو یہ معلوم ہوتا ہے، برسوں گذر

انور:۔ کچھ بھی ہو، واپسی تو شام تک ہوگی۔

نفیسہ:۔ تو باز آئی تیرے بھیجنے سے میں تو دیوانی ہوجا
اتنی دیر میں ۔۔!

انور:۔ تو میں نہیں جاتا ———

نفیسہ:۔ ہاں بخشو جانے سے، وہ آتے ہوں گے مختار
ان ہی کو بھیج دوں گی ۔۔۔!

انور:۔ (مسکرا کر) اور اگر انھوں نے کچھ چرا لیا تو؟ ———
——— بڑے ہٹ چھٹ ہیں وہ؟

نفیسہ:۔ تجھ پر صدقے، تو میرے پاس بیٹھ ۔۔۔!

انور:- اچھا مختار صاحب کو تو بلالاؤں جاکر، دوکانوں کاکرایہ وصول کرنے گئے تھے، وہیں بیٹھ رہے جاکر — !

نفیسہ:- ابھی بھی تو ہیں، کہیں گھُٹ رہی ہوگی ——— خیر بلا لاؤ، لیکن خدا کے لئے جلدی کرنا ۔

انور:- ابھی آیا —

— ❁ —

باب ۱۸

انور!

نفیسہ کے گھر سے سامان چھکڑے میں لاد کر مختار صاحب کی ر
کاری میں آنے لگا' نفیسہ اسے قرینہ اور سلیقہ سے رکھنے لگی' انور ماں ک
بچا کر چمپت ہوگیا' اور سیدھا نسیمہ کے کمرے میں پہنچا۔ نیم مردہ حالت می
اپنے بستر پر پڑی تھی' پاس ہی ایک کرسی پر سیما پیکر غم بنی بیٹھی تھی' ماں
دونوں کسی گہری فکر میں مستغرق تھیں' دونوں کے چہرے پر انحط
غم کے اثرات طاری تھے۔

انور کو دیکھ کر نسیمہ نے تپاک اور شفقت کے ساتھ کہا

آؤ بیٹا بیٹھو—!

سیما اس کے آتے ہی کھڑی ہوگئی' اس نے بڑی مستعدی
کرسی انور کی طرف بڑھا دی' اور خود ماں کے پائینتی بیٹھ گئی' انور
تکلف کرتے ہوئے کہا۔

نہیں میں یہاں بیٹھ جاؤں گا آپ وہیں بیٹھئے!

لیکن سیما نہ مانی!

نسیمہ:۔ کہو بیٹے، ادھر کیسے بھول پڑے؟ ـــــ اری سیما پان تو لا

انور:۔ جی نہیں رہنے دیجئے۔

نسیمہ:۔ کیوں پان نہیں کھاتے تم؟ ـــــ ہونٹ تو لال ہو رہے ہیں۔

انور:۔ کھاتا تو ہوں، لیکن اس وقت کیا ضرورت تھی؟

نسیمہ:۔ (قدرے تبسم کے ساتھ) بیٹھو میاں، اپنوں سے تکلف نہیں کرتے۔

اتنے میں سیما پان بنا کرلے آئی اور ادب و احترام کے ساتھ اس نے انور کو پان پیش کیا۔

پان کھانے کے بعد انور نے نسیمہ سے مخاطب ہو کر کہا

آپ شاید مجھے نہیں جانتیں، میرا نام انور ہے، مرزا صاحب میرے نانا تھے!

نسیمہ:۔ ہاں میں سمجھی، تم نفیسہ بیگم کے لڑکے ہو۔

انور:۔ جی ـــــــــــــــ آپ نے ابھی پوچھا تھا، میں ادھر کیسے بھول پڑا ـــ؟

نسیمہ:۔ ہاں بیٹے پوچھا تو تھا۔

انور:۔ میں آپ سے معذرت کرنے آیا ہوں۔

نسیمہ :- (حیرت زدہ ہوکر) معذرت ؟ ——— تم سے کو
سی خطا کی ہے میری -؟

انور :- میں نے نہیں، میری ماں نے ——— انھوں نے
آپ کا دل دکھایا ہے، آپ کو سخت سُست کہا ہے، آپ کے
نا ملائم الفاظ استعمال کئے ہیں، آپ کی باربار توہین کی ہے، آپ

نسیمہ :- نہیں بیٹے، ان باتوں کا خیال نہ کرو، میرے دل میں
کے خلاف کوئی بات نہیں -

انور :- مجھے اس کا یقین ہے، لیکن چاہتا ہوں آپ انھیں
کردیں ———

نسیمہ :- انھوں نے بھیجا ہے تمھیں -؟

انور :- نہیں ——— وہ یہاں آتے ہوئے اگر مجھے دیکھ لیں
تو شاید خفا ہوں پھر بھی میں اُن کی طرف سے معافی مانگتا ہوں
یقین کیجئے، ان کے الفاظ سے جتنی تکلیف آپ کو ہوئی، اُس سے زیا
میرے دل نے اذیت محسوس کی ———

نسیمہ :- مجھے یقین ہے بیٹے -

انور :- وہ بڑی سخت مزاج اور بدمزاج خاتون ہیں، نانا ج
سے بھی ہمیشہ لڑتی رہتی تھیں، اباّ مرحوم سے بھی ان کی نہیں بنی، بہنوں
بھائیوں سے بھی چلتی رہتی ہے، سب ہی انھیں طرح دیتے ہیں، اس
لئے کہ جانتے ہیں یہ بات ان کی فطرت بن چکی ہے -

نسیمہ :- یہی کنجی اور بدمزاجی ؟

انور :- جی ——————— وہ میری ماں ہیں ، مجھ سے والہانہ محبت کرتی ہیں ، میں بھی انھیں بہت چاہتا ہوں ۔

نسیمہ :- شاباش ، ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے ، جزاک اللہ !

انور :- میں نہیں چاہتا کہ ان پر گناہ ہو ۔

نسیمہ :- خدا غفور الرحیم ہے ۔

انور :- وہ جب سے اس گھر میں آئی ہیں آپ کو ستا کر ، چھیڑ کر ، دل دکھا کر ، گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لاد رہی ہیں ، خدا کے لئے انھیں معاف کر دیجئے ۔

یہ کہتے کہتے انور رونے لگا ، اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ، نسیمہ نے شفقت اور محبت کے ساتھ اپنے دامن سے آنسو پونچھے ، اور کہا ، بیٹے میں نے معاف کر دیا ۔ !

انور :- سچ ؟ میں مطمئن ہو جاؤں ۔

نسیمہ :- ہاں ، میں غلط نہیں کہتی ۔

انور :- مجھے اپنا خادم سمجھئے ، میرے لائق کوئی کام ہو تو بے تکلف کہئے ، دل و جان سے اسے انجام دوں گا ۔

نسیمہ :- یہ تمھاری سعادت مندی ہے بیٹے ، خدا تمھاری عمر دراز کرے

انور :- میں نے اپنی نانی کو نہیں دیکھا ، اور اگر دیکھا تو بچپن میں ، کہ اب وہ مجھے یاد بھی نہیں ، لیکن آپ کو پا کر میں انھیں بھول گیا ، میں آپ کو نانی

کہا کروں گا۔

نسیمہ:۔ مجھے شفقت و محبت میں ہرگز ان سے کم نہ پاؤ گے۔

انور:۔ میں آپ کے پاس اکثر آتا رہوں گا۔

نسیمہ:۔ شوق سے۔

انور:۔ (سیما کی طرف دیکھکر) ان کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔

نسیمہ:۔ اس کا نام سیما ہے۔

انور:۔ یہ آپ کی صاحبزادی ہیں؟

نسیمہ:۔ ہاں بیٹے یہ میری لڑکی ہے' اور شاید مجھ سے زیادہ بدقسمت

انور:۔ خدا نہ کرے! کیوں یہ کیسے کہا آپ نے؟

نسیمہ:۔ مرزا صاحب کی صورت میں اسے خوشی ملی تھی' وہ خدا نے چھین لی' اب یہ ہے اور غم' سوگ' آہیں اور آنسو!

انور:۔ ہاں غم تو بجا ہے' ہونا بھی چاہیئے' سنا ہے وہ ان سے محبت بھی بہت کرتے تھے۔

نسیمہ:۔ محبت جیسی محبت' وہ تو فدا تھے اس لڑکی پر۔

انور:۔ مجھے بھی بہت چاہتے تھے' اماں کہتی ہیں انھوں نے گود لیا تھا مجھے' لیکن انھیں سیما کو ڈانٹتے اور پیٹتے تو نہیں تھے۔؟

نسیمہ:۔ بالکل نہیں' جھوٹوں بھی نہیں۔

انور:۔ لیکن مجھے ہر وقت جھڑکا کرتے تھے' کبھی کبھی چپت بھی مار دیتے

سیما:۔ (شرمیلے تبسم کے ساتھ) آپ شرارت بھی تو کرتے ہوں گے۔

سیما

انور نے ایک قہقہہ لگایا

ہاں شریر تو بہت تھا ۔ !

نسیمہ :۔ وہ ڈانٹ بھی محبت کی تھی، اور مار بھی ۔

انور :۔ اب یاد کرتا ہوں تو ایسا ہی خیال ہوتا ہے (سیما کی طرف دیکھ کر) یہ اتنی خاموش خاموش کیوں ہیں ؟

نسیمہ :۔ گھر کی لڑکیوں کو خاموش ہی رہنا چاہیئے ۔

انور :۔ لیکن اتنا ؟

نسیمہ :۔ غمگین بھی تو ہے بہت زیادہ ۔

انور :۔ انھیں بھی اماں جان کی باتوں سے صدمہ پہنچا ہوگا، انھیں بھی تو نہیں چھوڑا (سیما سے مخاطب ہو کر) آپ بھی معاف کر دیجئے انھیں ۔

سیما جھینپی جھینپی سی ہنسی ہنس دی !

انور :۔ معاف کر دیا آپ نے ؟

سیما :۔ کہیں چھوٹے بڑوں کی خطائیں معاف کیا کرتے ہیں ؟

انور :۔ تو کیا انھیں روٹھ کر رہا کرتے ہیں ؟ ——— وہ مجھے بھی اسی طرح کہا سنا کرتی ہیں، ان کی باتوں کی ذرا بھی پروا مت کیجئے ۔

سیما :۔ تو میں نے کب شکایت کی ؟

انور :۔ اگر ان سے شکایت نہیں ہے، تو آپ کا چہرہ اتنا اترا ہوا کیوں ہے ؟ بتایئے ؟

سیما :۔ ہوگا مجھے تو اس کا احساس بھی نہیں ۔

انور :۔ مجھے ہے، اسی لئے، آپ سے کہہ رہا ہوں، انھیں معاف کر دیجئے، ان کی باتیں بھول جائیے، بالکل اثر نہ لیجئے۔

نسیمہ :۔ کیسی باتیں کرتے ہو بیٹے، چھوٹے نہ بڑوں پر نکتہ چیں کر سکتے ہیں، نہ ان سے خفا ہو سکتے ہیں، خطا قصور اور معافی کیا جھگڑا لے بیٹھے تم ؟

انور :۔ تو پھر یہ کہہ کیوں نہیں دیتیں میں نے معاف کیا۔

نسیمہ :۔ (او یکھ کر) ارے لڑکی کہہ دے معاف کیا، یہ تو پیچھے پڑ گیا ہے۔

سیما :۔ (مسکرا کر شرماتے ہوئے) معاف کیا۔

انور :۔ (خوش ہو کر) شکریہ —!

پھر اس نے اٹھتے ہوئے نسیمہ سے کہا

اچھا اب اجازت چاہتا ہوں، .....

نسیمہ :۔ جاؤ بیٹے، لیکن کبھی کبھی ادھر ہو جایا کرو!

انور :۔ ضرور ضرور، سر آنکھوں پر —!

—— ❖ ——

باب ۱۹
حالِ زار

نسیمہ اور سیما سے نفیسہ کا برتاؤ بالکل اچھوتوں کا ساتھا، سارا گھر جب کھا چکتا تھا تو تین بجے سہ پہر کو اور گیارہ بجے رات کوٹھرے میں روکھا جھوٹا بچا ہوا کھانا بھیج دیا جاتا تھا، صبح کا ناشتہ بالکل غائب، نسیمہ نے کبھی شکایت نہیں کی۔ مگر نہیں کیا، وہ چپ چاپ اپنے کمرہ میں پڑی رہتی تھی، شاذو نادر ہی باہر نکلتی تھی، وہ بھی کسی ضرورت سے، اس کی نگاہوں میں مرزا صاحب کی وفات کے بعد دنیا تاریک ہو چکی تھی، اب اسے دنیا سے کوئی دلچسپی بھی نہیں رہ گئی تھی، اگرچہ وہ مرنے سے گھبراتی تھی، سیما کی محبت اسے زندہ رہنے پر مجبور کرتی تھی۔ سیما کے سو جانے کے بعد وہ گھنٹوں اور پہروں رویا کرتی تھی، اور سوچا کرتی تھی، سیما کا حشر کیا ہوگا، میں آج مری کل دوسرا دن، لیکن سیما کی تو ابھی پہاڑ سی زندگی کاٹنی ہے، وہ ان لوگوں میں کیسے رہے گی؟ کسی سے یہ توقع بھی نہیں کہ میرے بعد اسکی دیکھ بھال کرے گا، اور کسی شریف آدمی کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ پکڑا دے گا۔

———— آہ، کیا جس بالا خانہ سے میں اُتر کر آئی ہوں، جس
کو میں نے صرف سیما کے لئے چھوڑا تھا، کیا اس کے دروازے ایک
سیما پر کھلیں گے؟ کیا اسے وہاں جانا پڑے گا؟ یہ سوچتے سوچتے اس
اختلاج کا دورہ پڑ جاتا، اور بے سُدھ ہو کر سر جھکا لیتی، کبھی اسی طرح
دیر میں سو جاتی، کبھی رات رات بھر جاگتی رہتی۔

ایک اور غم بھی تھا، جو نسیمہ کو اندر ہی اندر گھُن کی طرح کھائے
تھا، وہ غم تھا، سیما کا سکوت!

پہلے وہ بلبل کی طرح چہکا کرتی تھی، اچھے، صاف اور طرح دار
سے اسے عشق تھا، لیکن اب وہ کئی کئی دن کپڑے نہیں بدلتی تھی
میں گزار دیتی تھی۔ پڑھنے سے اسے شوق نہیں عشق تھا، لیکن اب
سے بھی اس کا جی اُکتاتا جا رہا تھا۔ کتاب کھول کر بیٹھتی تھی اور کچھ
لگتی تھی، اور اسی طرح سوچتے سوچتے سو جاتی تھی۔

ایک اور بات بھی تھی —!

سیما نفیسہ سے بہت ڈرتی تھی —!

جیسے شیر سے بکری —!

وہ نفیسہ کا سامنا بالکل نہیں کرتی تھی، اسے اس کی باتیں یاد
ڈر لگتا تھا کہیں پھر وہ ملاحیاں نہ سنانے لگے، دل اتنا نازک اور
اتنا شدید تھا، کہ اُس نے فرار میں عافیت سمجھی۔

پہلے ناشتہ پر انڈا، مکھن، جیلی توس، چائے، پھل! ایک آدھ

یا
ب ہی کچھ ہوتا تھا، اب ناشتہ کا سوال ہی نہیں تھا، خالی چائے تک نہیں
تی تھی، دوپہر اور رات کے کھانے میں، دو طرح کا گوشت، ترکاری، دال،
رغ، مچھلی، روٹی، پراٹھے، بریانی، سب ہی چیزیں ہوتی تھیں!

لیکن اب ———— ؟

بچا کھچا، خراب سراب، کھانا آگیا، ماں بیٹی نے زہر مار کرلیا۔

نیمہ یہ رنگ دیکھتی تھی، اور اُف نہیں کرتی تھی۔ دل ہی دل میں گھٹ گھٹ کر رہتی تھی! ———— غرض ماں اور بیٹی، دونوں اپنی مصیبت میں گرفتار تھیں، لیکن کسی کو یارائے دم زدن نہیں تھا۔!

اتنی الگ تھلگ رہنے کے باوجود نیمہ اور سیما دونوں نفیسہ کے طنز وتعریض، بدزبانی اور گالی گفتہ کی ہدف بنتی رہتی تھیں، سیما تو خیر چُپ رہتی ہی تھی، لیکن نیمہ نے بھی نہ بولنے کی قسم کھالی تھی۔

واں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
یاں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

بعض دفعہ تو ایسا ہوتا تھا، نفیسہ ان لوگوں کا سکوت دیکھ کر چڑجاتی تھی، ان کی خاموشی کو وہ اپنی توہین پر محمول کرتی تھی، وہ سمجھتی تھی، یہ لوگ اسے اس قابل نہیں سمجھتے کہ اُس کے حضور میں اپنی صفائی پیش کریں، یا برئیت ثابت کریں۔

ایک روز پان رکھنے کی نقرئی ڈبیا غائب ہوگئی!

یہ بہت بڑا حادثہ تھا!

نفیسہ اپنی مملکت میں ایسی جرأتِ رندانہ معاف کرسکتی تھی، نہ برداشت

کر سکتی تھی ۔

تلاش و تجسس کا دور شروع ہوا، گھر کے نوکروں او
تو قسم کھا کر اپنے آپ کو اس کی بارگاہ سے بری کرا لیا، اب سارے گھر میں
سوا کون تھا؟ نفیسہ فوراً برق جہندہ کی طرح وہاں پہنچی، اسے دیکھ
تو فرار کی ترکیب سوچنے لگی، اور نسیمہ پیشوائی کو اٹھ کھڑی ہوئی نفیسہ
کو اس طرح دیکھا، جیسے تھانہ دار کسی چور کو دیکھتا ہے، نسیمہ نے گفتگو کا آ

آؤ بیٹی، کیسے بھول پڑیں ادھر؟

نفیسہ :۔

میں نے ہزار مرتبہ کہہ دیا، کہلوا دیا، بتا دیا جتا دیا، مجھے کوئی
کرے، نہ مجھے توقیر اور صالحہ کی طرح ظاہر داری آتی ہے، نہ دو سروں کی ط
منافقت، بس چلے تو زہر دے دیں، ویسے بیٹی بیٹی کہتے زبان سوکھ رہی ہے

نسیمہ نے یہ ساری باتیں بڑی توجہ سے سنیں، اس کا رنگ
گیا ۔ لیکن ہونٹ کانپے تو صرف یہ الفاظ نکلے ۔

یہ تو میں جانتی ہوں تم کھری طبیعت کی ہو، جو دل میں وہ ز
ظاہر داری واقعی تمھیں نہیں آتی، اور سچ پوچھو تو یہ بڑی اچھی عادت
_______ لیکن میں ظاہر داری سے بیٹی نہیں کہتی، دل

ہوں ــــ !

نفیسہ :۔ یہ کون سا جھگڑا نکال بیٹھیں بھتی، میں بڑ
کام سے آئی ہوں ۔۔!

نسیمہ:۔ کون سا کام ؟

نفیسہ:۔ میری چاندی کی ڈبیا نہیں ملتی ۔

نسیمہ:۔ کیسی ڈبیا ؟

نفیسہ:۔ اللہ ری معصومیت، ڈبیا ——— چاندی کی ——— پان رکھنے کی ——— نئی ——— خوب صورت، ——— قیمتی ——— بس یا کچھ اور بھی اتہ پتہ بتاؤں ؟

نسیمہ:۔ بس اتنا کافی ہے ——— میں سمجھ گئی ۔!

نفیسہ:۔ تو کہاں ہے وہ ؟

نسیمہ:۔ لو میں کیا جانوں، نہ کہیں آؤں نہ جاؤں، میں نے تو اس کی صورت بھی نہیں دیکھی، اب ذکر سنا ہے ۔

نفیسہ:۔ تو پھر کہاں گئی وہ ؟

نسیمہ:۔ پھر وہی سوال !

نفیسہ:۔ وہ یہیں ہے ۔!!

نسیمہ:۔ یہیں ہے تو الگ کھڑی ہوتی جاتی ہوں ——— یہ لو چابی کا گچھا، خوب اچھی طرح سے دیکھ بھال کر کے اطمینان کر لو ۔!

نفیسہ:۔ واہ بھئی، آج چاندی کی ڈبیہ گئی ہے، کل کوئی زیور جائے گا، پرسوں، سارا گھر چرا لیا جائے گا، ہم اسی بھر کے رہے کہ اپنی چیزیں چروا تے رہیں ۔

نسیمہ کا غصہ کے مارے برا حال تھا، اس کا ایک ایک رواں کانپ رہا

تھا، جو عورت زندگی بھر سونے چاندی، ہیرے جواہر، موتی اور
کھیلی، آج اُس پر صاف اور کھلے الفاظ میں چوری کا الزام لگ
کوئی اور وقت ہوتا، تو کہنے والے کا منہ نوچ لیتی، لیکن اس وقت
بس تھی، کچھ نہیں کہہ سکتی تھی، نفیسہ کو اس انقلاب پر کوئی ترس
اس کی اس نرمی، اور کمزوری سے بھی اُس کا دل نہیں پسیجا، اس نے
رخی، اور بے مروّتی کے ساتھ کہا۔

نفیسہ :۔ آخر کب تک یہاں کھڑی رہوں ــــــ؟

نسیمہ :۔ شروع ہی سے کہہ رہی ہوں، بیٹھ جاؤ۔

نفیسہ :۔ شکریہ ــــــ بیٹھنے نہیں آئی ڈبیا لینے
ہوں ــــ

نسیمہ :۔ یہ کنجی حاضر ہے، سامنے بکس رکھے ہیں دیکھ لو۔

نفیسہ :۔ ہم کیوں کسی کا بکس کھولیں ؟

نسیمہ :۔ اچھا میں کھول دیتی ہوں ۔!

پھر نسیمہ نے، بڑے صبر اور ضبط کے ساتھ، اپنے بکس کھول
کے ایک ایک بکس اچھی طرح الٹ اُلٹ کر دکھایا، نفیسہ بھی بڑے
اور اشتیاق کے ساتھ دیکھتی رہی، پھر نسیمہ نے کہا

بس اب تو اطمینان ہوا ۔!

نفیسہ نے کوئی جواب نہیں دیا، اور جانے کے لئے مڑی، اور دروازہ
پاس ایک مختصر سی میز تھی، اس پر ایک چھوٹا سا صندوقچہ رکھا تھا، صند

ہاتھ رکھے اور میز سے ٹیک لگائے سیما کھڑی تھی۔ دل ہی دل میں وہ غصہ سے پیچ و تاب کھا رہی تھی، لیکن بڑوں کا معاملہ تھا، دخل کیسے دیتی۔؟

قریب آکر نفیسہ نے سیما سے پوچھا

یہاں کیا کر رہی ہو۔؟

سیما:۔ کچھ نہیں، کھڑی ہوں:

نفیسہ:۔ (صندوقچہ کی طرف اشارہ کرکے) یہ کیا ہے؟

سیما:۔ صندوقچہ

نفیسہ:۔

اے واہ ری لڑکی ——— اس میں کیا ہے؟ بجائے بتانے کے ٹیڑھے بیڑھے جواب دے رہی ہے، ایک چانٹے میں مزاج درست کردوں گی ——— آخر اس صندوقچہ میں کیا ہے؟

سیما:۔ میرے لکھنے پڑھنے کی چیزیں۔

نفیسہ:۔ صندوقچہ میں؟

سیما:۔ جی اسی میں۔

نفیسہ:۔ (اور آگے بڑھ کر) دیکھیں۔

نسیمہ:۔ دکھا دے بیٹی،

سیما:۔ نہیں دکھاؤں گی۔

نفیسہ:۔ یہ ——— چور کی داڑھی میں تنکا ——— مل گیا چور ———

نسیمہ :۔ دکھا دے میری بچی۔

سیما :۔ ہرگز نہیں دکھاؤں گی امی جان۔

نفیسہ :۔ (غصہ سے) کیوں نہیں دکھائے گی؟ دکھانا پڑے

سیما میں نہ جانے اس وقت کہاں کی ہمت اور جرأت آ

اُس نے بڑی بے باکی کے ساتھ کہا

آپ نہیں کوئی کہے، اللہ میاں بھی آسمان سے اُتر آ

بھی نہیں دکھاؤں گی؟

نسیمہ :۔ سیما ضد نہیں کرتے ——— میں کہہ رہی ہوں دکھ

سیما :۔ ناممکن ——— کسی میں ہمت نہیں کہ

میں ہاتھ لگا سکے، کسی میں طاقت نہیں کہ مجھ سے اِسے کھلوا سکے!

نفیسہ :۔ تو ضرور وہ ڈبیہ اس میں ہے۔!

سیما :۔ میں لعنت بھیجتی ہوں، چوروں پر اور ———

نفیسہ :۔ اور کس پر؟

سیما :۔ تہمت لگانے والوں پر۔

نفیسہ :۔ سر سے پاؤں تک کانپنے لگی، سیما سے اس قسم کے

جواب کا ہرگز اندیشہ نہیں رکھتی تھی، اُس نے بگڑ کر جواب دیا

تو مجھ پر لعنت بھیجتی ہے؟

سیما :۔ جو جیسا کام کرے گا ویسا ہی کہا جائے گا!

نفیسہ :۔ میں لعنتی ہوں۔؟

سیما :۔ میں چور ہوں ؟

نفیسہ:۔ تو چوٹی تیرا سارا خاندان چور مٹّا، موئی پاؤں کی جوتی نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے، لیکن اب مجھے بھی ضد ہو گئی ہے، بغیر یہ صندوقچہ دیکھے ہرگز نہیں جاؤں گی یہاں سے !!

سیما نے دونوں ہاتھوں سے بڑی مضبوطی کے ساتھ صندوقچہ پکڑ لیا کیونکہ نفیسہ اسے چھیننے کے لئے بڑھ رہی تھی، اب نسیمہ اپنی جگہ پر کھڑی نہ رہ سکی، وہ لپک کر سیما کے پاس پہنچی اور اُس نے سختی کے ساتھ کہا

سیما ———— !

سیما:۔ میں چور نہیں ہوں امی جان !

نسیمہ:۔ ہاں یہ میں بھی جانتی ہوں ۔۔ لیکن تجھے صندوقچہ دکھانا پڑے گا ۔ !

یہ کہہ کر نسیمہ نے پوری طاقت کے ساتھ سیما سے صندوقچہ چھین لیا وہ جھونک کھا کر گرتے گرتے سنبھلی، نسیمہ نے پروا بھی نہیں کی، صندوقچہ کھولا اور قلم دوات، کاغذ، پنسل، کاپی، کتاب جو کچھ تھا وہ نفیسہ کے سامنے ڈھیر کر دیا، اور کہا

نسیمہ:۔ دیکھ لو اور یقین کر لو، نہ میں چور ہوں، نہ سیما !

نفیسہ:۔ ہونھ، یہ چور نہیں ہیں، ہم چور ہیں، ہم نے خود اپنا مال چرایا ہے، یہی مطلب ہے نا؟

نسیمہ:۔ یہ مطلب کیوں ہوتا، گھر میں اور بھی تو لوگ ہیں، ممکن

پچلے آرہے تھے، وہ اپنی ماں کا رونا نہیں برداشت کر سکتی تھی، لیکن
کی پہلی شرط یہ تھی کہ خود نہ روئے اور یہی بات ناممکن تھی :

سیما نے روتے روتے کہا،

اماں یہ ذلتیں نہیں برداشت ہوتیں ۔!

نسیم نے اسے کلیجہ سے لگا کر کہا :

ہاں بیٹی واقعی کلیجہ پھٹا جاتا ہے، اب تو، لیکن کیا کریں مقد
ہاتھوں مجبور ہیں، اگر وہ زندہ ہوتے تو کاہے کو یہ دن دیکھنا پڑ
ہائے ری قسمت ۔!

سیما :۔ مجھے یہ مقدر کا الہنا پسند نہیں امی جان ——
پوچھتی ہوں آخر اس گھر میں کیوں رہیں ۔؟

نسیم :۔ چونک پڑی۔ کیا کہا بیٹی؟

سیما :۔ میں کہتی ہوں، جب اس گھر میں امی اس طرح ذلیل
جا رہا ہے، تو یہاں رہنا کون سا فرض ہے ؟

نسیم :۔ نہیں بیٹی، یہ نہ کہو، اسی گھر میں زندہ رہنا اور یہیں مرنا

سیما :۔ آخر کیوں ۔؟

نسیم :۔ مرزا صاحب جب تک زندہ تھے، مجھے ان سے اتنا تعل
خاطر نہیں تھا، جتنا ان کی موت کے بعد سے ہو گیا ہے، ان کی وفا
دل داریاں، ناز برداریاں جب یاد کرتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے، بھلا
چاہوں تو نہیں بھلا سکتی ۔!

سیما :- میں کبھی نہیں بھول سکتی ، مجھے بھی کتنا چاہتے تھے وہ ؟-
لیکن محبت اور وفا داری کا تعلق دل سے ہے نہ کہ گھر سے -!

نسیمہ :- دونوں سے ہے میری بچی ــــــــــــ تو جانتی ہے مرزا صاحب کی رفیق زندگی بننے سے پہلے میری زندگی کیا تھی -؟

سیما :- تو اس سے کیا ہوتا ہے ؟ گناہ کس سے نہیں ہوتا حضرت عیسیٰ نے ایک گناہگار پر لوگوں کو پتھر برساتے دیکھا ، تو فرمایا کہ اس پر پہلا پتھر وہ چلائے ، جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو ، اٹھے ہوتے ہاتھ جھک گئے جو تمہیں گنہگار کہتے ہیں وہ اپنے گریبان میں تو منہ ڈالیں !

نسیمہ :- اوہ بیٹی ، تو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی ، میرا مطلب کچھ اور تھا -!

سیما :- ہمیں نہیں معلوم آپ کا مطلب کیا تھا -؟

نسیمہ :- کہہ یہ رہی تھی کہ اگر اس گھر سے میں باہر نکلی ، تو یہ لوگ نہ جانے کیا کیا مشہور کریں ، بدنامی میری نہیں مرزا صاحب کی ہوگی ، لوگ کیا کہیں گے ، اس نے روپے کے لالچ میں مرزا صاحب کو پھانسا تھا ، وہ نہ رہے نکل گئی -

سیما :- لیکن روپیہ تو تم نے سارے کا سارا ان ظالموں کو دے دیا -!

نسیمہ :- اس کا کون یقین کرے گا -؟

سیما :- نہ کرے .

نسیمہ :- نہیں مجھے دنیا کا خیال رکھنا ہے ، میں اپنے دکھ کے باعث مرزا صاحب کو بدنام نہیں ہونے دوں گی - مجھے تیرے مستقبل کا بھی خیال ہے

اب تو اس گھر سے میری لاش ہی نکلے گی ۔!

سیما:۔ واہ اچھا فلسفہ ہے تمہارا۔

نسیمہ:۔ ہاں بیٹی تو نے ابھی دنیا نہیں دیکھی، دنیا والوں کو
میں ان سب کو جانتی ہوں، تجربہ بڑی چیز ہے میری بچی۔

سیما:۔ اچھا تو ایک بات کہے دیتی ہوں، نفیسہ بیگم کو سمجھا د
میرے منہ نہ لگیں، ورنہ اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گی ۔بہت دبی
نہیں دب سکتی، حد ہوتی ہے ہر بات کی۔

نسیمہ:۔ کیسی دیوانوں کی سی باتیں کر رہی ہے؟

سیما:۔ کیوں ــــ؟

نسیمہ:۔ خبردار جو نفیسہ سے زبان چلائی یا بدتمیزی کی!

سیما:۔ وہ چاہیے جو کچھ کہیں۔؟

نسیمہ:۔ اور کیا، بڑوں سے کہیں الجھتے ہیں؟ میری بیٹی ہو کر اتنا
مزاج؟ مجھے نہیں دیکھتی، ایک چپ میں ہزار بلائیں ٹالتی ہوں۔

سیما:۔ تمہاری بات اور ہے، ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا۔

نسیمہ:۔ سب کچھ ہو سکتا ہے بیٹیا، صرف عزم و ارادہ کی ضرو
ہے، جس نے مجھے پہلے دیکھا ہے وہ اس حالت میں دیکھے، تو ضبط نہ
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

سیما:۔ آخر یہ نفیسہ آپا ہماری دشمن کیوں ہیں؟ ہم نے ان کا
بگاڑا ہے ۔؟

نیمہ :- کچھ نہیں، صرف غلط فہمی ہے کسی دن دفع ہو جائے گی۔

سیما :- ہوئی نہ ہو ———— ایک وہ ہیں، تو تیر آپا اور صالحہ آپا، باتیں کرتی ہیں تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔

نیمہ :- ہاں بڑی شریف لڑکیاں ہیں، خدا کرے دودھوں نہائیں پوتوں پھلیں، لیکن اب وہ آتیں بھی نہیں، نہ جانے کیا بات ہے ؟

سیما :- لڑ کر گئی ہیں آئیں گی کیا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ انور آ گیا، اسے دیکھ کر سیما سمٹ کر الگ کونہ میں بیٹھ گئی، انور کو اب تک ماں کے حالات کا علم نہ تھا، نہ ماں نے بتایا تھا، نہ کسی اور نے، وہ نیمہ کے پاس اطمینان سے بیٹھ کر کہنے لگا۔

آج کے مشاعرہ میں بڑی دل لگی رہی ———— کیوں سیما تمھیں بھی کچھ شعر و شاعری سے دلچسپی ہے ؟

وہ صرف مسکرا دی اور کوئی جواب دیئے بغیر اس نے گردن جھکا لی۔

نیمہ نے سیما کی طرف سے کہا

انھیں بس قصے کہانیوں سے دلچسپی ہے، اور کسی چیز سے نہیں !

بڑی مستعدی سے انور نے کہا

ارے تو یہ آپ نے پہلے کیوں نہ کہا، میرے پاس تو بڑی عمدہ عمدہ کتابیں ہیں، کتابیں پڑھنے کا اتنا شوق نہیں ہے، جتنا جمع کرنے کا۔ وہ وہ کتابیں ہیں کہ بس ——

سیما :- (ذرا شرماتے ہوئے) جب آپ نے کتابیں پڑھیں

نہیں تو یہ کیسے جانا کہ اچھی ہیں۔؟

نسیمہ :- چپ! ——— پھر تونے سوال جواب کیا؟

انور:- رہنے دیجئے، اس میں کیا حرج ہے؟ سوال جواب
طبیعت کھلتی ہے، ذہانت بڑھتی ہے ——— ہاں بھئی
کون کون سی کتابیں چاہئیں۔؟

سیما:- جو آپ دے سکیں۔

انور:- میں تو ساری کی ساری دے سکتا ہوں۔

سیما:- بس تو سب دے دیجئے۔!

سیما پھر مسکرا دی۔ ———

نسیمہ:- پھر وہی بے وقوفی کی باتیں، ساری کتابیں ے کر
کرے گی۔؟

سیما:- آپ کو کیا۔؟

انور:- ہاں آپ کو کیا ——— کچھ آپ تو پڑھیں گی نہیں۔

نسیمہ:- نہیں بیٹے مجھے اب کسی چیز کا شوق نہیں رہا۔

انور:- تو پھر ان کے معاملہ میں دخل نہ دیجئے، پڑھنے دیجئے۔

سیما:- کہاں ہیں آپ کی کتابیں۔؟

انور:- کچھ یہاں ہیں، کچھ پرانے گھر میں، کچھ اسکول میں، کچھ
تو نیر خالہ اور صالحہ خالہ کے پاس ——— کل ہی سب لا کر ڈھیر
کردوں گا ———!

نسیمہ:۔ نہیں بھیا سب لانے کی ضرورت نہیں، نہ کسی سے مانگنے
جانا ٹھیک ہے، بس جو گھر میں ہیں وہی لادو، ایک ایک کر کے دے دیا
کرو، جب انھیں پڑھ لے گی، تو دوسری لادینا۔

انور:۔ واہ مجھ سے یہ حساب کتاب نہیں رکھا جائے گا، یہ جانیں
اور اُن کا کام۔

سیما:۔ لیکن آخر وہ کتابیں آئیں گی کب؟

انور:۔ ابھی لو —!

وہ جلدی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں گیا اور وہاں سے دس بارہ
کتابیں لاد کر لے آیا۔

لیجئے، ملاحظہ فرمائیے انھیں، کل کو اور بھی لادوں گا۔

سیما ان کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگی، انور نے پوچھا
سچ کہنا کیسی کتابیں ہیں —؟

سیما:۔ بہت اچھی، ایسی ہی کتابوں کا تو مجھے شوق ہے
لیکن آہستہ آہستہ پڑھنے کی عادی ہوں، جلدی نہیں ختم کر پاؤں گی —!

انور:۔ اوہو تو کون تقاضہ کر رہا ہے؟ سمجھی یہ کتابیں تمھاری ہو چکیں
لہٰذا واپسی کا سوال ہی نہیں۔

سیما:۔ (مسکرا کر) یعنی یہ کتابیں میری ہو گئیں؟

انور:۔ ہاں بالکل۔

سیما:۔ لیکن اگر لائبریری سے آپ پر تقاضہ ہوا تو!

انور:- (ذرا خفیف ہوکر) لائبریری سے تقاضہ کرنے کون آئے گا

سیما:- (مسکرا کر) ان سب کتابوں پر اسکول کی لائبریری کا

لگا ہے۔

اس انکشاف پر انور جھینپ گیا، اور جواب دینے کے بجائے

زوردار قہقہہ لگایا، سیما اسے شرمندہ کرنے پر شاید تل گئی تھی، اس

اور یہ ہیں بھی تو مختلف لوگوں کی کسی پر صا

کا نام لکھا ہے کسی پر اختر علی خان کا، کسی پر کسی کا، کسی پر کسی کا آپ

بچ جائیں گے، یہ بے چارے آخر کیا جواب دیں گے لائبریرین کو۔!

لیکن انور ہار ماننے والے لوگوں میں نہیں تھا۔

تمھیں آم کھانے سے مطلب یا پیڑ گننے سے۔؟

یہ سب بڑے نادہند لوگ ہیں، کسی نے میرا قرضہ نہیں ادا کیا، میں نے

ان کی کتابیں ضبط کرلیں۔

اتنے میں کسی کی آواز سنکر انور باہر چلا گیا۔ سیما ہنستے ہنستے لوٹ

نسیمہ نے پوچھا

واہ ری چھوکری ہنس کیوں رہی ہے۔؟

وہ ہنستے ہنستے بولی۔ اللہ قسم اماں، یہ سب چوری کی کتابیں

ایک بھی جوان حضرت کی ہو۔!

نسیمہ نے مسکرا کر کہا۔ تجھے کیا۔؟

— ❖ —

باب ۲۱

بے بسی کی موت!

سیما پھر کم سن اور نادان تھی، اور نسیمہ اس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ حساس اور باشعور، وہ اگرچہ نفیسہ کی باتوں کو پی جاتی تھی، لیکن دل ہی دل میں یہ باتیں کانٹے کی طرح اُس کے دل میں چبھا کرتی تھیں، آخر وہ بیمار پڑ گئی، بیماری کے زمانہ میں اُس کی اور زیادہ دُرگت بنی نہ کوئی دوا لانے والا تھا نہ ڈاکٹر سے حال کہلانے والا۔ نہ پرہیزی غذا کا انتظام کرنے والا، سیما بے غیرت بن کر بار بار نفیسہ کے پاس جاتی تھی، عرض حال کرتی تھی اور بے نیل مرام لوٹ آتی تھی۔ انور بھی آج کل یہاں نہیں تھا۔ مختار صاحب کے ساتھ وہ اپنے گاؤں للت پور گیا ہوا تھا۔ جہاں کے پاسی کاشت کار بڑے سرکش ہو گئے تھے اور ایک حبہ لگان کی ادائی سے بھی انکار کر رہے تھے اور نہ اگر وہ ہوتا تو شاید نسیمہ کی یہ دُرگت نہ بنتی جواب نفیسہ کے ہاتھوں بن رہی تھی، نوکر نسیمہ کی اَن سنی کر دیتے تھے۔ نفیسہ توجہ نہیں کرتی تھی۔

سیما

ایک روز رات کے گیارہ بج چکے تھے، نفیسہ اطمینان سے [cut off]
کاموں سے فارغ ہو کر پلنگ پر سونے کے لئے لیٹی ہی تھی کہ [cut off]
سیما پہنچی، بے چاری سیما سے نہ جانے کیوں وہ خار کھاتی تھی، [cut off]
دیکھتے ہی بڑے طنز سے اُس نے کہا

یہ اتنے ناوقت ــــ؟

سیما نے بات کاٹ لی،

امّاں کا بخار بہت بڑھ گیا ہے ۱۰۵ ــــ

تو میں کیا کروں، نہ حکیم ہوں نہ ڈاکٹر ــ!

سیما:۔ ان کے سینہ میں بڑے زور کا درد ہو رہا ہے ــ!

نفیسہ:۔ ہو رہا ہوگا، بننا تو تم ماں بیٹیوں پر ختم ہے، ماشہ بھر [cut off]
کو سیر بھر بتا رہی ہوں گی ــــ نہ جانے ماشہ بھر بھی ہے یا نہیں۔

سیما کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اُس نے بڑی لجاجت کے ساتھ کہا

سچ سچ ہو رہا ہے ــــ وہ ــــ وہ بے ہوش [cut off]
ہو گئی ہیں ــ!

نفیسہ:۔ اللہ ری چھوکری ــــ اُفوہ۔! کیسے جنوں [cut off]
بنے ہوئے ہو تم لوگ ــــ اتنی ہی دیر میں بے ہوش بھی ہو گئیں۔

سیما:۔ (روتے ہوئے) سچ ــــ دیکھ لیجئے چل کر۔

نفیسہ:۔ جاتی ہے میری پیزار، لو اور سنو، ہم اس حرافہ کی [cut off]

یا

ور تیمار داری کو جائیں گے ۔!

ان کڑوی کسیلی باتوں کا سیما نے کوئی جواب نہیں دیا، اس نے بڑی
زی اور التجا کے ساتھ کہا

سردی کے مارے اکڑی جا رہی ہیں، ان کا کمبل آپ نے نصیبن (گھر
کی ملازمہ) کو دے دیا تھا وہی دلوا دیجئے اس وقت۔

نفیسہ اٹھ کر بیٹھ گئی

تو یہ کہو، بس ان ہی باتوں پر تو مجھے غصہ آتا ہے، تم لوگوں سے سیدھی
بات نہیں پکڑی جاتی، ہمیشہ ہاتھ گھما کر یہ کام کرو گے ——— جا کہہ دے
نہیں دیتے ——— خدا ایسے کم ظرفوں اور چھچھوروں سے بچائے۔ موا کمبل
دیا اور دوشالہ ہو گیا، جان نکلی جا رہی ہے اس کے لئے، حالانکہ کہہ دیا تھا
کہ نصیبن صرف تین دن کے لئے، اپنے عزیزوں میں جا رہی ہے، آتے
ہی واپس کر دے گی، کل وہ گئی اور آج سے کمبل کا تقاضہ شروع ہو گیا، الو
کے سر کی قسم جواب کمبل واپس کرنے دوں اُسے ۔!

یہ کہہ کر نفیسہ بیگم پھر اپنے بستر پر اوڑھ لپیٹ کر پڑ رہیں!

بچاری سیما، افتاں و خیزاں پھر ماں کے کمرہ میں پہنچی، وہ بدستور
بے ہوش تھی، دانت بھینچے ہوئے تھے، اور سردی کے مارے اس کا سارا
بدن اکڑ سا گیا تھا۔

سیما نے اسے ہلانے ڈلانے کی کوشش کی، جگانا چاہا، ہوش میں لانا
چاہا، لیکن وہ تو مردوں سے شرط باندھے ہوئے تھی، آخر اس کی سمجھ میں اور

تو کچھ نہ آیا، جلدی سے چادر اوڑھی، اور برو کٹھے رمس پہنچی، یہاں رات
خیراتی سویا کرتا تھا، گھر کا پرانا ملازم تھا، نفیسہ، عارف وغیرہ سب اس کے
کے کھلائے ہوئے تھے، ڈبیا ٹمٹمارہی تھی، اور وہ اطمینان سے بستر پر پڑا
گزار رہا تھا، سیما کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھا، اس نے کڑکتی ہوئی آواز میں کہا

"کون ——؟"

سیما:۔ میں ہوں بابا، سیما۔!

خیراتی:۔ اس وقت؟ کیا کام ہے بیٹی؟

سیما:۔ ذرا دروازہ کھول دو۔

خیراتی:۔ کیوں یہ کون وقت دروازہ کھلوانے کا ہے، ہم تو پہلے
ہی کالک لگوانے سے رہے، ایسی ہی جانے کے لئے بے قرار ہو رہی ہو تو
ذرا ہمت کرو، دیوار پھاند جاؤ، باقی دروازہ کھول کر، اپنی چاندی پر مار
کھانے سے رہے۔

خیراتی کی ان باتوں کا جواب سیما کے پاس رونے کے سوا کیا تھا
رونے لگی، سسکیوں کی آواز سن کر خیراتی کا دل ذرا پسیجا۔

بیٹی، جاؤ، سو رہو؟

سیما:۔ ماں مر رہی ہو، اور بیٹی جا کر سو رہے؟ —— کیا
دنیا میں یہی ہوتا ہے۔!

خیراتی اس وقت کے تمام واقعات سے قطعًا ناواقف تھا
نے پوچھا: ——

کیا ہوا تمھاری ماں کو؟

سیما نے رو رو کر اپنی اور نفیسہ کی ساری کتھا سُنا ڈالی، پھر کہا ڈاکٹر شاکر ابا جان کے دوستوں میں ہیں، شاید رحم کریں اور آجائیں ورنہ اگر ذرا بھی دیر اور ہوئی تو میری اماں اس دنیا سے رخصت ہوجائیں گی۔

یہ الفاظ کچھ ایسے درد سے اس نے کہے کہ خیراتی کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں چارپائی پر سے اٹھتے ہوئے کہا

چل بیٹی میں بھی چلتا ہوں! لاکھ گھر دو قدم پر سہی لیکن آدھی رات گئے، اکیلی کیسے جائے گی؟

خیراتی سیما کے ساتھ ڈاکٹر شاکر کے گھر پر پہنچا، وہ دن بھر کے تھکے ماندے ابھی ابھی سوئے تھے، لیکن دستک کی آواز سُن کر جاگ پڑے، آنکھیں ملتے ہوئے باہر آئے، سیما چادر میں لپٹی ہوئی تھی، اسے بالکل نہ پہچان سکے، خیراتی کو پہچان لیا۔

ارے اس وقت؟ خیریت تو ہے۔؟

سیما چچا جان کہہ کر ان سے لپٹ گئی اور نفیسہ کا ذکر چھوڑ کر، ماں کا سارا ماجرا بیان کر دیا، ڈاکٹر صاحب نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا

نہیں بیٹی بالکل نہ گھبراؤ، خدا نے چاہا تو اچھی ہوجائیں گی، چلو میں ابھی چلتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب اندر گئے اور تھوڑی دیر میں اپنا ہینڈ بیگ لے کر واپس آگئے۔

آؤ چلو۔

سیما ڈاکٹر صاحب کو لے کر نسیمہ کے کمرے میں آئی، وہ اب بستر
اور بے ہوش پڑی تھی، ڈاکٹر صاحب نے بڑی توجہ اور تفصیل سے
کیا پھر سیما سے کہا

تم یہیں بیٹھو، میں خیراتی کے ہاتھ دوا بھیجتا ہوں، بیماری بڑھ
گئی ہے، آج کی رات بڑی خطرناک ہے، ایک ایک گھنٹہ کے بعد
دیتی رہو، اگر خدانخواستہ کسی وقت ضرورت سمجھو تو خیراتی کو بھیج کر مجھے
بلوا لینا ــــ اور ہاں، یہ اس طرح کیوں پڑی ہیں، انھیں فوراً کمبل اڑھا
ــــ سردی ہی تو لگی ہے انھیں ــــ!

سیما پھر رو پڑی

لیکن کمبل تو نہیں ہے چچا جان ــ!

کمبل تو نہیں ہے چچا جان' کے سیدھے سادے الفاظ سے جو
کا مطلب تھا وہ ڈاکٹر شاکر نے سمجھ لیا، اُنھوں نے کہا:

ابھی میں دوا کے ساتھ کمبل بھی بھیجتا ہوں ــ!

سیما سسکیاں لے لے کر رونے لگی، ڈاکٹر صاحب نے اس کے
شفقت سے ہاتھ رکھا اور کہا

نہیں بیٹی، رونے سے کام نہیں چلے گا، ہمت اور حوصلے سے
ــــــ اپنی ماں کی طرح!

پھر وہ سیما کو روتا چھوڑ کر تیزی سے باہر نکل گئے ــ!

ہا

باہر نکل کر انھوں نے خیراتی سے کہا

مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ مرزا صاحب کے بعد سیما اور نسیمہ سے یہ برتاؤ ہوگا، غضب خدا کا کمبل تک نہیں چھوڑا گیا، اور حالت یہ ہے کہ مریضہ کو ڈبل نمونیہ ہے۔

خیراتی :- ڈبل نمونیہ ڈاکٹر صاحب ؟

ڈاکٹر شاکر :- ہاں ——— اور وہ اپنے تمام اسٹیج طے کر چکا ہے نسیمہ اب گھنٹہ دو گھنٹہ سے زیادہ کی مہمان نہیں ہے ! ——— بلکہ شاید اس سے بھی کم۔

خیراتی :- ہائے ڈاکٹر صاحب یہ تو بڑا غضب ہوا، سیما روتے روتے اپنی جان دے دے گی — !

ڈاکٹر شاکر :- ان حالات میں سیما کے زندہ رہنے کی ضرورت بھی کیا ہے، اسے مرجانا چاہئے، میں دعا کرتا ہوں، وہ مرجائے ——— آؤ میرے ساتھ دوا لے جاؤ ——— اس لئے نہیں کہ مجھے نسیمہ کے بچ جانے کی امید ہے اس لئے کہ اس کے مرنے سے پہلے سیما نہ مرجائے — !

خیراتی خاموشی سے ڈاکٹر صاحب کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، اور وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہے، گھر جاکر انھوں نے دوا بنائی، کمبل کاندھے پر ڈالا اور باہر آکر دونوں چیزیں خیراتی کو دے دیں !

خیراتی دوا اور کمبل لے کر جب اندر پہنچا تو نفیسہ اوپر سے نیچے اترتی نظر آئی، خیراتی کو دیکھکر اُس نے کہا۔

بابا کہاں سے آرہے ہو؟ یہ دوا کی شیشی کیسی ہے؟

خیراتی :- کچھ نہیں نسیمہ بی بی کو ڈاکٹر شاکر دیکھنے آئے تھے، ا
نے دوا بھیجی ہے -

نفیسہ :- ڈاکٹر شاکر کو اس وقت تمھاری نسیمہ بی بی کی بیماری
حال کیسے معلوم ہوا — ؟

خیراتی :- سیما بٹیا میرے ساتھ گئی تھیں اُن کے گھر — !

نفیسہ :- ہوں ——— اور یہ دوا کے ساتھ کمبل کیسا ہے؟

خیراتی :- ڈاکٹر صاحب نے بھیجا ہے -

نفیسہ :- نسیمہ بیگم صاحبہ کے لئے ؟

خیراتی :- جی اُن ہی کے لئے -

نفیسہ :- اچھا تو اُن سے بھی کمبل کی فریاد کی گئی، اور ہمیں ذلیل
کرنے کو انھوں نے کمبل بھیج دیا -؟ کیوں — ؟

خیراتی :- نہیں بٹیا یہ بات نہیں — "ڈاکٹر صاحب نے سیما نے
مریضہ کو کمبل اُڑھادو ———

نفیسہ :- اور سیما نے کہا، کمبل بھی ہمارے پاس نہیں ہے -

خیراتی :- جی یہی بات ہوئی تھی -

نفیسہ نے کمبل خیراتی کے ہاتھ سے لے لیا - سیما دروازے میں کھ
اِن دونوں کی باتیں سُن رہی تھی - وہ بڑی تیزی کے ساتھ باہر نکلی
نے جھپٹا مار کر نفیسہ سے کمبل چھینا اور پھر اپنے کمرے میں چلی گئی -

نفیسہ نے خیراتی سے کہا

دیکھا تم نے اس حرام زادی کو ۔ ؟

خیراتی :۔ واقعی اس کی ماں کی حالت بہت نازک ہے ؟

نفیسہ نے نسیمہ کے کمرہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا

سب معلوم ہے ــــــــ لیکن اس وقت میں اس شوخ چشم اور بے تمیز لڑکی کو سزا ضرور دوں گی ، اُس نے مجھے ، میرے خاندان کو میرے ابا جان کو کمبل کی بھیک مانگ کر ذلیل کیا ۔

خیراتی نفیسہ کو روک تو نہ سکا ، البتہ اُس کے ساتھ ہو لیا ، نفیسہ نے جاتے ہی سیما کے جھونٹے پکڑ لئے ۔ لیکن سیما اس وقت دوسرے عالم میں تھی اُس نے ایسی طاقت سے سر کو جھٹکا دیا کہ چوٹی نفیسہ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی پھر اُس نے پوری طاقت سے نفیسہ کو باہر کی طرف منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر دھکا دیا ، اگر خیراتی باہر سے اندر نہ آ رہا ہوتا ، تو ضرور ۔ وہ چت فرش پر گر پڑتی لیکن گرنے کے بجائے وہ خیراتی کا سہارا لے کر سنبھل گئی ۔

خیراتی نے کہا

سرکار ان باتوں کا بدلہ بعد میں لے لیجئے گا ۔

پھر وہ اندر آیا ، اُس نے نسیمہ کے چہرے سے وہی ڈاکٹر شاکر والا کمبل اٹھایا ، ہاتھ اٹھا کر نبض دیکھی ، اور جیسے ہی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح نفیسہ سیما سے انتقام لینے اور اسے سزا دینے کے خیال سے اندر آئی ، خیراتی نے کہا :

نسیمہ بی بی اس دنیا سے گذر گئیں ـــــــــــــــــــــ

ـــــــ انا للّٰہ و انا ـــــــــــــــــــ

سیما سنتے ہی پچھاڑ کھا کر گری ـــــــــــــــــــــ

ـــــــ اور بے ہوش ہو گئی — !

—— ✧ ——

باب ۲۲
خیراتی!

نفیسہ نے خیراتی کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ عارف، ناصر، صالحہ اور نوخیز کو نسیمہ کی وفات کی خبر کر دے، ان میں سے اگر کوئی تجہیز و تکفین میں شریک ہونا چاہے تو آ جائے۔

خیراتی کے دل کو، نسیمہ کی مرگ حسرت کا بڑا صدمہ تھا، وہ سیما اور نسیمہ سے کوئی ربط ضبط نہیں رکھتا تھا، بلکہ گھر کی عام فضا کے مطابق ان دونوں کو اچھی نظر سے بھی نہیں دیکھتا تھا، لیکن صرف آج کی رات میں اسے جتنے واقعات معلوم ہوئے، جو حقائق اس کی نظر کے سامنے سے گذرے، اور جو نظارہ اس کی بوڑھی اور جہاں دیدہ آنکھوں نے کیا، یہ سب کچھ اس کا دل ہلا دینے کے لئے کافی تھا۔ نسیمہ کو مرا ہوا دیکھکر اس کا دل لرز گیا بے بسی، بے کسی، حسرت اور حرمان کی اُس نے زندگی بھی دیکھی تھی، اور موت بھی، لیکن نسیمہ کی موت سب پر بازی لے گئی، ایسا دل خراش اور روح فرسا منظر اُس نے کبھی

نہ دیکھا تھا نہ سُنا تھا، اس کی روح بار بار چیخ رہی تھی' ایسا برتاؤ تو لوگ
کے ساتھ بھی نہیں کرتے، دشمنوں کے ساتھ بھی نہیں کرتے، نہ کہ
جو مرحوم مرزا صاحب کی بیاہتا بیوی تھی، جو ہمیشہ لکھ لٹاتی رہی
پاس مرزا صاحب کی وفات کے بعد بھی بہت کچھ تھا بڑی ایمان داری
داری کے ساتھ ایک ایک پائی سوتیلے بیٹوں اور بیٹیوں کو دے
وہ نماز نہیں پڑھتا تھا، روزہ بھی کبھی کبھار رکھ لیتا تھا، لیکن خدا کو
اس کا دل چاہتا تھا کہ خدا سے پوچھے، نسیمہ پر جن لوگوں نے ظلم کے
توڑے ہیں، وہ کب خدائی انتقام کی چکی میں پیسے جائیں گے؟ وہ کبھی کسی
بُرائی نہیں چاہتا تھا، لیکن اس کا دل چاہ رہا تھا کہ خدا سے دعا کرے' اس
تک اُسے موت نہ آئے جب تک نسیمہ اور سیما پر ظلم کرنے والوں کو وہ
کی طرف سے سزا نہ ملتی دیکھ لے، بڑی وفاداری کے ساتھ وہ اس
کی خدمت کرتا آیا تھا، اور مرزا صاحب کے سب لڑکوں اور لڑکیوں کو
اولاد سے زیادہ چاہتا تھا، لیکن آج اُسے نفیسہ سے نفرت ہو گئی، اگر
نہ روکتا تو شاید وہ نفیسہ کو مار ڈالتا، اور ہنسی خوشی پھانسی پر چڑھ جا
راستہ چل رہا تھا اور سیما کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی
نوخیز کلی کے حصہ میں لُو کے تھپیڑوں کے سوا نسیم بہار کا ایک جھونکا
آیا ـــــــ ہا ہا! یہ نو عمری اور یہ عنفوان شباب کا زمانہ اور یہ ظلم
کاش سیما اس کی بیٹی بننے پر راضی ہو جاتی، تو وہ اس گھر سے
کر کے اسے یہاں سے لے جاتا، کسی جگہ جھونپڑی ڈال لیتا، دن بھر محنت

پیا

کے بوکی تا، وہ اس کی گود میں لاکر ڈال دیتا۔

ے بٹی ۔ اب تو جان اور تیرا کام

اور پھر وہ سوچنے لگتا، جوانوں کی زندگی کا بھروسہ نہیں —— میں
زوڑھا ہو چکا ۔ آج مرا کل دوسرا دن۔ میرے بعد سیما کیا کرے
گی؟ —— لیکن؛

اتنے میں عارف کی کوٹھی آ گئی، کوٹھی کے ایک حصہ میں عارف بتا
تھا۔ دوسرے میں ناصر، عارف اب تک سو رہا تھا اور ناصر باغیچہ میں ٹہل رہا
تھا، خیراتی کو اتنے سویرے اور ناوقت آتا دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔

ارے خیراتی بابا اس وقت کہاں؟ —— خیریت تو ہے؟

خیراتی نے مدھم آواز میں کہا

نسیمہ بیگم کا انتقال ہو گیا، آج رات!

ناصر: چہ چہ، بیمار تھیں؟ —— اچھا بھائی جان تو ابھی سو رہے
ہیں وہ تو آ نہیں سکیں گے، میں ایک کام سے جا رہا ہوں، وقت ملا تو آ
جاؤں گا، کفن دفن میں شرکت کے لئے، لیکن میرا انتظار نہ کرنا!

خیراتی سمجھ گیا، صاحبزادے نے صرف حسنِ اخلاق کا مظاہرہ فرمایا
ہے، ورنہ آنے کی زحمت نہیں گوارا فرمائیں گے۔ یہاں سے سیدھا وہ
صالحہ اور توقیر کے ہاں پہنچا، یہ بھی ایک شان دار مکان تھا، اوپر کی منزل
میں صالحہ رہتی تھی، نیچے کی منزل میں توقیر، دونوں بہنوں کے شوہر آپس
میں بھائی تھے، جس طرح بہنوں میں بے انتہا ملاپ تھا، اسی طرح

بھائیوں میں بھی بڑا اتحاد تھا، جو ایک نے کہہ دیا وہ دوسرے نے مان
اسی لئے کبھی کسی قسم کے مناقشہ کی نوبت نہیں آئی، بڑا اپنی بڑائی کا
رکھتا تھا اور چھوٹا۔ "سگ باش برادر خورد مباش" کے نکتہ کو یاد
تھا، صالحہ اور توقیر بھی ایک دوسرے پر جان چھڑکتی تھیں، کیا مجال
جو ایک دوسرے کا دل میلا ہونے دے۔

جب اس گھر میں خیراتی پہنچا تو صالحہ اور توقیر، ناشتہ پر بیٹھی
تھیں کہ انھوں نے خیراتی کا اُترا ہوا چہرہ دیکھا، توقیر نے کہا

آؤ بابا کہاں بھول پڑے، آج یہیں ناشتہ کرلو۔

یہ محبت کا برتاؤ دیکھ کر خیراتی نے بھی مناسب سمجھا کہ "بچیاں
کرلیں تب خبر سنائے، اس نے کہا،

بیٹی طبیعت خراب ہے ناشتہ تو نہیں کرسکتا!

بڑی محبت کے ساتھ صالحہ نے کہا

اچھا چائے تو پینا ہی پڑے گی تمھیں۔!

توقیر بولی:۔ اور زیادہ نہیں صرف دو توس۔!

خیراتی کا دل رو رہا تھا، لیکن اس چاؤ اور محبت کا جواب وہ انکار
نہ دے سکا، کہنے لگا،

اچھا بیٹی پی لوں گا

توقیر نے توسوں پر مکھن لگایا، صالحہ نے اپنے ہاتھ سے چائے
اور خیراتی کو دے دی۔!

یا

ناشتے کے بعد توقیر نے کہا

تم تو کبھی جھانکتے ہی نہیں ادھر، بڑے بے مروت ہوگئے ہو بابا!

صالحہ بولی:۔ نفیسہ آپا سے ڈرتے ہوں گے، کہیں انھیں پتہ چل گیا۔ یہ

یہاں آتے ہیں تو پھر خیریت نہیں ۔۔!

خیراتی نے کہا۔ نہیں بیٹی، یہ بات تو نہیں، اول تو کوئی مجھے منع کیا

رے گا، کوئی غلام تو ہوں نہیں کسی کا۔ دوسرے اس وقت خود نفیسہ بیٹا

ی نے بھیجا تھا۔

صالحہ:۔ بڑے نصیب ہمارے کہ انھوں نے یاد کیا۔!

توقیر:۔ کیا فرمایا ہے؟ کچھ گالیاں کچھ کوسنے، کچھ

بددعائیں، یہی یا کچھ اور بھی ۔۔؟

خیراتی:۔ (افسردگی کے ساتھ) نہیں بیٹی یہ کچھ نہیں، وہ بات

یہ ہے کہ مامانسیمہ بیگم کا انتقال ہوگیا۔

اس سے آگے خیراتی کچھ نہ کہہ سکا، اُس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

نسیمہ کی خبر مرگ سُن کر صالحہ اور توقیر سُن سے ہوگئیں، کئی منٹ تک

سکوت سا چھایا رہا، پھر توقیر نے پوچھا

ہائے بڑا افسوس ہوا، مجھے تو ان سے محبت سی تھی!

صالحہ:۔ لیکن ہمیں بیماری کی سن گُن بھی نہیں ملی۔!

توقیر:۔ ذرا بھی معلوم ہوتا تو ہم ضرور دیکھنے آتے ——————

——۔ بیمار کیا تھیں۔؟

خیراتی :۔ بیمار کیا تھیں ؟ کیسے مریں ؟ سب یہی پوچھتے ہیں ا...
میں کسے اور کیسے بتاؤں کہ وہ مار ڈالی گئیں، نسیمہ کی جان لی گئی!

اور خیراتی کے ہونٹ پھر لرزنے لگے

صالحہ اور توقیر یہ سُن کر سکتے میں آگئیں، لفضیہ کی ضد، ہٹ، خود...
خودرائی، سنگ دلی، حسد، ہر چیز سے وہ واقف تھیں، لیکن اس کا ا...
وگمان بھی نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔

توقیر نے پوچھا، نہ بابا کیسے ؟ کیا ہوا ؟ خدا کے لئے کچھ بتاؤ میرا...
منہ کو آرہا ہے، ہائے میرے اللہ یہ کیا ہوگیا۔؟

اور پھر خیراتی نے رات کو جو کچھ دیکھا تھا، سنا ڈالا، وہ روتا جا...
اور نسیمہ، ڈاکٹر شاکر، لفضیہ، اور سیما کی باتیں ایک ایک کرکے کہتا جاتا...
جب سب کچھ کہہ چکا، تو لرزتی ہوئی آواز میں کہا

تم ہی بتاؤ بیٹی، یہ قتل نہیں ہے تو کیا ہے ؟

صالحہ :۔ بے شک ——— کھلا ہوا قتل ہے، خدا کے!

خیراتی :۔ ضرور سمجھے گا، خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں، لیکن ز...
ہے۔ اس کی مار کے آگے کوئی نہیں ٹھیر سکتا ——— اچھا...
تو کیا کہتی ہو ؟ چلو گی ؟

صالحہ :۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے ——— ضرور چلیں...
توقیر کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے، اس نے صا...
سے کہا ———

سیما

آپا ــــــــ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟

صالحہ:۔ کیا بتاؤں توقیر؟ ــــــ لیکن یہ بہت بُرا ہوا۔!

توقیر:۔ اب سیما کا وہاں رہنا ٹھیک نہیں، ہم اُسے اپنے ساتھ
لے آئیں گے۔

خیراتی:۔ ہاں بیٹا یہی میں بھی کہنے والا تھا، اس کو وہاں رکھنا
…ت کے منہ میں ڈھکیلنا ہے! وہاں وہ مرجائے گی، بلکہ مار ڈالی جائے
گی ــــ!

ـــــــ ❖ ـــــــ

باب ۲۳

انور کی آمد!

نفیسہ نے خیراتی کو روانہ کیا ہی تھا کہ انور اپنے گاؤں کا دورہ کر صبح صبح خوش خوش واپس آگیا۔ لیکن گھر پر ایک عجیب مرگ آسا سکوت تھا۔ سب خلاف معمول جاگ رہے تھے، اور ادھر سے اُدھر، اُدھر سے چکّر کاٹ رہے تھے، لیکن نہایت خاموشی کے ساتھ، بلکہ کسی حد تک انداز میں ــــــ وہ سیدھا ماں کے کمرے میں پہنچا، نفیسہ کے پر اس وقت ہوائیاں اڑ رہی تھیں اگرچہ اسے نسیمہ کی وفات کا صدمہ نہیں ہوا تھا، لیکن اتنے بے تکے پن کے ساتھ ۔۔ت بد نامی سے بچنا مشکل تھا، ماں کا یہ حال دیکھ کر انور پریشان ہو گیا

کیا بات ہے اماں، سارے گھر پر کچھ عجیب قسم کی سوگواری چھائی ہوئی دیکھ رہا ہوں، اور تم بھی خاصی پریشان نظر آ رہی ہو

بڑے چاؤ سے نفیسہ نے کہا:

سیما

کچھ نہیں بیٹا، تو ذرا ذرا سی باتوں پر اپنا دل کیوں میلا کرتا ہے۔

۔اس کا نسیمہ کا انتقال ہوگیا۔

یہ سنکر انور کو ایک دھچکہ سا لگا، اس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں پوچھا

کیا کہا اماں ؛ نسیمہ کا انتقال ؟ ؟

نفیسہ :۔ ہاں، تو کون سا غضب ہوگیا، بوڑھی تھیں مر گئیں، تو

پریشان ہو رہا ہے، میں تو ابھی زندہ ہوں۔

انور :۔ خدا تمھیں ہمیشہ زندہ رکھے، لیکن مجھے، بہت صدمہ ہوا۔

یہ کہہ کر وہ تیزی سے نیچے اترا اور سیدھا نسیمہ کے کمرے میں پہنچا

اس کی بے جان لاش کمبل سے لپٹی اب تک پڑی تھی۔ کمبل کا کونہ اٹھا کر اُس

نے نسیمہ کا چہرہ دیکھا، وقار اور سکون کی اس بے جان چہرے پر بارش ہو رہی

تھی، پھر وہ سیما کی طرف لپکا وہ اب تک بیہوش پڑی تھی، گھر کی کچھ مامائیں

نعش غسل میت کی تیاریاں کر رہی تھیں، یہاں بھی وہ نہ ٹھیر سکا، سیدھا

ڈاکٹر شاکر کے ہاں پہنچا، وہ تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے اسی طرف آ رہے

تھے راستہ میں ملاقات ہوگئی، انور نے پوچھا

آپ نے تو مریضہ کو دیکھا ہوگا، کیا بیمار تھیں وہ ؟

ڈاکٹر صاحب بھرے ہوئے تو تھے ہی، انھوں نے ساری کتھا

بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ سنا ڈالی اور کہا

بیٹے میں نے بھی کافی دنیا دیکھ لی ہے، جانتا ہوں، سوت، سوتیلوں

کا نباہ نہیں ہوتا، لیکن نسیمہ جیسی عورت کے ساتھ یہ برتاؤ ؟ ______

سیما

آہ! سیما معاف کردے لیکن خدا نہیں معاف کرے گا۔

انور نے شرمندہ ہو کر گردن جھکا لی، اس کے پاس اس وقت کوئی جواب نہیں تھا۔

لیکن ڈاکٹر صاحب تو شاید تمام معاملات طے کرنے پر تُلے ہوئے تھے انھوں نے کہا

بیٹا، اگر تم یہ چاہتے ہو کہ یہ گناہ تمھارے نامۂ اعمال میں نہ لکھا جائے تو ایک کام تمھیں کرنا ہوگا۔

انور:۔ میں آپ کو بزرگ سمجھتا ہوں، آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا — !

ڈاکٹر شاکر:۔ سیما کو اب اس گھر میں نہ رہنے دو اسے کہیں اور پہنچا دو۔

انور سے جواب دیتے نہ بن پڑا — وہ خاموش ہو گیا۔ ڈاکٹر نے زور دیتے ہوئے کہا

سُن لیا بیٹے۔؟!

انور:۔ جی سُن لیا — لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟

ڈاکٹر شاکر:۔ ناممکن کیوں ہے؟ — کیا اُس کی جان لینے کا ارادہ ہے؟

انور:۔ جی صدمہ تو بہت ہے اسے، اب تک بے ہوش پڑی ہے

ڈاکٹر شاکر:۔ وہ میرے سامنے بے ہوش ہوئی تھی۔ چلو اسے دیکھ لیتا ہوں۔ بہرحال وہ ہوش میں آجائے گی، لیکن، کیا اس نے

سیا
...ولی میں وہ زندہ رہ سکے گی؟ ———— یہاں رکھنا اس کی
...بنے کی کوشش کرنا ہے —!

...اور ابھی کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ گھر آگیا، خیراتی دروازے
...کھولتا، صالحہ اور توقیر آچکی تھیں، خیراتی سے ڈاکٹر صاحب نے پوچھا:
سیما کو ہوش آیا —؟

...بھی ہوئی آواز میں وہ بولا۔

آگیا ———— نہ آتا تو اچھا تھا، آنسو ہیں کہ رکتے
...ہم نہیں لیتے ———— نہ جانے بچی کی قسمت میں کیا لکھا ہے؟
خیراتی بڑبڑاتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب باہر ہی بیٹھ گئے، انور اندر
...چلا گیا۔

———— ✣ ————

باب ۲۴

کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے

وہ منظر بڑا دل گداز تھا، جب نسیمہ کی لاش مرزا صاحب
گھر کی وہ خادمائیں اور مامائیں جو بات بات پر طنز و تعریض
غریب پر چلایا کرتی تھیں، آج اپنے آنسو ضبط کرنے پر قادر نہیں تھیں
بغیر کسی جھجک کے علانیہ رو رہا تھا، بوڑھا آدمی تھا، دل کا
کا کھرا، وہ اب تک نسیمہ کو نہ جانے کیا کیا سمجھا کرتا تھا، لیکن
کے مسلسل حوادث نے اسے چشم بصیرت عطا کر دی تھی، وہ
رو رہا تھا کہ اگر نفیسہ بٹیا نے ذرا بھی بُرا مانا تو لات ماردوں گا
پڑھا لحمد اور تو قیر کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں روتے روتے
صبر و ضبط کا لڑکا تھا۔ ماں کے ڈر سے نہیں، وقارِ طبع
وہ اپنے آنسو برابر روک رہا تھا، اور بڑی حد تک اپنے
میں کامیاب بھی تھا، لیکن چہرے کا اترا ہوا رنگ صاف

...ت ترین ذہنی اور روحانی اذیت میں مبتلا ہے، تو قیرا اور صالحہ کے
...وئے کے بعد سیما ہوش میں آگئی تھی، اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی ماں
...ش کو گھر کے لوگوں کو اور ماحول کو دیکھ رہی تھی، اس کے آنسو خشک
...کے تھے، اُس کے چہرے کی رونق اور آب و تاب رخصت ہو چکی تھی،
...یں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے اس کا خون چوس لیا ہے، نہ وہ کسی سے
...ت کرتی تھی، نہ کسی بات کا جواب دیتی تھی، چُپ ماں کے جنازہ سے لگی
...یٹھی تھی، جیسے یہ کوئی بہت بڑی پونجی ہے، کوئی اسے چھین نہ لے جائے،
...ارث اور ناصر اب تک نہیں آتے تھے، نفیسہ انتظام میں مصروف تھی،
...س کی آنکھیں آنسوؤں سے خالی تھیں، لیکن چہرے پر اضطراب کی ایک لہر
...جود موجود تھی۔

جنازہ تیار ہو چکا تھا۔

بیبیاں پردے میں ہو گئی تھیں — !

ڈاکٹر شاکر، خیراتی، انور اور مختار صاحب نے جنازہ اُٹھایا — !

— باہر کچھ اور لوگ بھی بن بُلائے آگئے تھے، اور کاندھا دینے
...کے لئے مستعد کھڑے تھے۔

جیسے ہی نسیمہ کا جنازہ اٹھایا گیا، سیما اس کی چارپائی سے لپٹ
...گئی اور بڑے زور سے چیخی۔

...امّی اکیلی نہیں جائیں گی، مجھے بھی لے چلو — !

خیراتی نے انور کا بوجھ بھی سنبھال لیا۔ وہ چارپائی کا پایہ چھوڑ کر

جلدی سے سیما کے پاس آیا

ستیما خدا کے لئے اتنی پریشان نہ ہو، کسی کے ماں باپ

نہیں بیٹھے رہتے سیما!

لیکن سیما نے کوئی جواب نہیں دیا، اس کے دانت بھنچ

______ وہ پھر بے ہوش ہو گئی تھی ۔!

اتنے میں جلدی سے صالحہ اور توقیر آگئیں، اور سیما کو اٹھ

دوسری چارپائی پر لٹا دیا، انور سیما کو چھوڑ کر باہر نکلا اور جناز

شامل ہو گیا ۔

پاک لائبریری و بک اسٹال
بی ۲/۳ پاک کالونی
کراچی

باب ۲۵

کاروبار

نسیمہ کی وفات کو کئی دن گذر گئے تھے، سیما اب تک غم کی تصویر بنی ہوئی تھی، ماں کا غم کسی طرح اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ انور برابر اس کی دلدہی اور تسکین کی کوشش کرتا رہتا تھا، لیکن یہ زخم ایسا نہیں تھا جو اتنی آسانی سے مندمل ہو جاتا، سچ ہے۔

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو
رونا ہے یہ اور کچھ نہیں ہے

صالحہ اور توقیر اب تک یہیں تھیں، ان دونوں کا بھی بڑا وقت سیما کے کمرے میں صرف ہوتا تھا، رات کو بھی اسی کمرہ میں یہ دونوں سوتی تھیں۔ اب تک نفیسہ نے صالحہ اور توقیر کو شرف باریابی نہیں عطا کیا تھا یعنی نہ وہ خود سیما کے کمرے میں آئی تھی، نہ اپنے کمرہ میں بلایا تھا، نہ گفتگو کی نوبت آسکی تھی، صالحہ اور توقیر نے بھی بات چیت میں پہل نہیں کی تھی!

کئی دن اسی طرح گذر گئے۔

ایک روز صالحہ نے مختار صاحب سے کہہ کر عارف اور ناصر کو اس دن تو وہ نہیں آتے، دوسرے دن صبح صبح آموجود ہوئے۔ دونوں کرسیدھے نفیسہ کے کمرے میں بیٹھ گئے۔ صالحہ اور توقیر بھی وہیں پہ گئیں، صالحہ نے کہا:

واہ بھائی جان واہ، کوئی اتنا سنگ دل بھی نہیں ہوتا! نسیمہ کی موت پر نہیں آسکے تھے، تو اس کے بعد آئے ہوتے۔

توقیر:۔ آج اتنے دن بعد آئے تھے۔ تو کم از کم سیما کے پاس جا شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہوتا!

عارف:۔ بھائی ظاہرداری ہماری عادت نہیں۔

ناصر:۔ سچی بات یہ ہے کہ نسیمہ کے مرنے کا ہمیں کوئی صدمہ نہیں۔

عارف:۔ کیوں ہو بھئی، آخر وہ ہماری تھی کون؟

نفیسہ:۔ یا اللہ شکر ہے تیرا ——— بھیا تمھارے منہ سے یہ سچی بات نکلی تو، یہاں تو ایسا گھور گھور کر دیکھا جا رہا ہے جیسے میں نے ہی اسے مار دیا ہو۔

صالحہ:۔ خیر گڑے مُردے اُکھاڑنے سے کیا فائدہ؟ بہتر ہے ان باتوں کو نہ چھیڑا جائے۔

توقیر:۔ ورنہ ———! ——— ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں۔ سب معلوم ہے ذرا ذرا ——!

سپا

نفیسہ :۔ ہاں کیوں نہیں معلوم ہوگا، وہ حرامزادی شنفتل کیا نام ہے اس کا ؛ ہاں سیما، اب تک لگائی بجھائی تو کرتی ہی ہو گی

صالحہ :۔ خدا سے ڈرو آپا، کیوں ایک معصوم کو بدنام کرتی ہو ؟

نفیسہ :۔ نہ ہیں تیری آپا نہ تو میری بہن، باقی رہی وہ معصوم تو جیسی بس کی گانٹھ وہ ہے میں ہی خوب جانتی ہوں ۔!

توقیر :۔ اچھا، اس لبس کی گانٹھ کو ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے، اب تو ہوئیں خوش ۔

نفیسہ :۔ اپنے ساتھ لے جاؤ، یا گھوڑے پر پھینک دو مجھے کیا ۔ کل کی لے جاتی ابھی لے جاؤ، مجھے تو اس کی صورت دیکھکر ابکائی آتی ہے ۔

صالحہ :۔ پھر لڑائی شروع کر دی ۔

عارف :۔ بھئی میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے "لڑائی اطمینان سے لڑنا، یہ بتاؤ مجھے بلایا کیوں ہے ؟

توقیر :۔ حساب کتاب کے لئے ــــــــــــ اباجان کی وفات کے بعد ان کا جو ترکہ تقسیم ہوا، اس میں ہمارا حصہ جو تھا وہ کہاں ہے ؟

نفیسہ :۔ اسے کہتے ہیں تھوک کر چاٹنا ــــــــــــ یا تو اتنی بڑی ناک تھی ہم نہیں لیتے اپنا حصہ، یا اب مطالبہ ہو رہا ہے ۔

صالحہ :۔ کچھ خیرات تو نہیں مانگتے، اپنا حصہ مانگ رہے ہیں ۔

عارف :۔ تو کون انکار کرتا ہے لے لو ۔

صالحہ:۔ پہلے حساب کیجئے۔

ناصر:۔ اس چکر میں پڑو گی، تو جو مل رہا ہے وہ بھی نہیں ملے گا
جائداد کی داخل خارج ہو چکی، زیور اور دوسرا سامان جس کو نیمہ کے
مرنے کے بعد کوئی ثبوت نہیں، ہم آپس میں تقسیم کر چکے، تم دونوں کا
نقد موجود ہے، جب چاہو لے لو۔ !

توقیر:۔ اچھا لائیے وہی دیجئے ۔!

صالحہ:۔ باقی ہم خدا کے ہاں لے لیں گے۔

نفیسہ:۔ بڑی اللہ والی۔

ناصر:۔ ہاں ہاں لے لینا۔

عارف نے اسی وقت چیک لکھکر دے دیا، صالحہ نے کہا:
چیک نہیں نقد، مجھے ابھی روپیہ چاہیے "اسی وقت۔
عارف نے چیک ناصر کی طرف بڑھا دیا، وہ سیدھا بنک گیا
تھوڑی دیر میں نوٹ سامنے ڈھیر کر دیئے۔

لیجئے اپنا حصہ!

عارف:۔ رسید لے لو۔

صالحہ:۔ ابھی انکار کب ہے لے لو رسید ۔!

ناصر نے رسید کا مضمون لکھا، صالحہ اور توقیر نے دستخط کر دیئے

عارف:۔ (مسکرا کر) اب تو پالیا تم نے اپنا حصہ؟

توقیر:۔ جی ہاں پالیا۔

ناصرہ:۔ اب یہ بتاؤ کیا کروگی اس روپے کا؟

صالحہ:۔ آپ کو کیا۔؟

ناصرہ:۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ نقد روپیہ کچھ دودھ تو دے گا نہیں اسے کسی کاروبار میں لگا دو، مہینہ کے مہینہ نفع لیتی رہو۔

توقیر:۔ ارادہ تو کاروبار ہی میں لگانے کا ہے۔

عارف:۔ یعنی پہلے سے طے کر چکی ہو۔؟

صالحہ:۔ جی، یہ ہمارا پرانا فیصلہ ہے، جس پر عمل کی نوبت آج آ رہی ہے، کاش نسیمہ کی زندگی ہی میں توفیق مل گئی ہوتی۔

ناصرہ:۔ وہ کون سا کاروبار ہے بھئی، جس کے لئے نسیمہ کی زندگی اہمیت رکھتی تھی۔؟

توقیر:۔ ہم دونوں نے ابّاجان کی وفات کے بعد ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنا حصہ سیما کو دے دیں گے۔

صالحہ:۔ نسیمہ کی زندگی میں تو یہ روپیہ سیما کو ملتا تو کتنی خوش ہوتیں وہ۔؟

ناصرہ:۔ (حیرت سے) کچھ دیوانی ہوئی ہو، یہ ساری رقم سیما کو دے دوگی۔؟

توقیر:۔ یہ ساری کی ساری نہیں، اس میں کچھ اضافہ بھی ہوگا۔

صالحہ:۔ یہ ۷۳ ہزار ہے، اس میں ۲۷ ہزار ہم دونوں اپنے پاس سے ملا کر سیما کو ایک لاکھ روپیہ دے دیں گے۔!

ناصراور عارف چپ ہوگئے، نفیسہ نے کہا

اور کیا ہے، باپ دادا کی دولت یوں ہی تو لٹائی جاتی ہے۔

ناصر:۔ واقعی یہ کیا سوجھی تمھیں۔؟

صالحہ:۔ کچھ نہیں کاروبار ہے۔

توقیر:۔ اور بڑا نفع بخش ـــــــــــ کوئی نفع یہاں لیتا ہے کوئی وہاں۔

عارف:۔ ہاں بھئی ٹھیک ہے، تم جا لو تمھارا کام، ہمیں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟

توقیر:۔ (ناصر سے) اب ایک کام میرا کر دیجئے، بھتیا نہیں۔

ناصر:۔ کہو کر دیں گے، کیا کام ہے۔؟

توقیر:۔ یہ رہے ۷۳ ہزار، ۲۷ ہزار کا چیک لیجئے ـــ اس ایک لاکھ سے سیما کے نام پر سرکاری تمسک خرید دیجئے، وہی جس کی رقم تین سال کے بعد معہ نفع کے لی جا سکتی ہے۔

ناصر:۔ بلا تو سیما کو، اسے دستخط بھی تو کرنے ہوں گے وہاں!

صالحہ:۔ یہ لیجئے ۲۷ ہزار کا چیک۔

توقیر:۔ بھتیا انور، ذرا سیما کو تو بلاؤ۔

انور سیما کو بلا لایا، اس سے صالحہ نے کہا

چلو ذرا ہمارے ساتھ ابھی آجائیں گے۔!

پھر صالحہ، ناصر کے ساتھ، سیما کو لے کر چلی گئی، اور تھوڑی دیر میں واپس

آئی، اور تمسک لاکر توقیر کو دے دیا، تو قیر ے وہ تمسک سیما کی طرف بڑھاتے ہوتے کہا

وسیما، یہ تمھارا حصہ ہے، تین برس بعد رقم معہ نفع کے تمھیں مل جائے گی۔!

نفیسہ:۔ جل ہی تو گئی، لیکن کچھ نہ بول سکی؛

تھوڑی دیر کے بعد صالحہ، توقیر اور سیما اپنے کمرے میں چلی گئیں ان کے جانے کے بعد، ناصر نے کہا۔

نفیسہ بڑی بے وقوف ہو تم بھی ۔۔!

نفیسہ:۔ کیا ہوا بھیا ۔؟

ناصر:۔ ہوتا کیا، سیما کو بھیجے دے رہی ہو، وہ تنہا تو جائے گی نہیں یہ ایک لاکھ روپیہ بھی اپنے ساتھ لے جائے گی ۔!

نفیسہ:۔ دکچھ سوچ کر)، لے جائے وہ، مجھے وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی ——— میرے پاس اللہ کا دیا کچھ کم ہے؟

———— ٭ ————

باب ۲۶

شکریہ!

جب سے انور نے یہ سُنا تھا کہ صالحہ اور توقیر سیما کو اپنے ساتھ لے جائیں گی، بہت پریشان تھا، وہ سیما سے دیوانہ وار محبت کرتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سیما اس گھر سے جائے، لیکن سیما کو روک لینا بھی تو اس کے بس میں نہیں تھا۔!

اس مسئلہ پر سیما سے گفتگو کرنے کا کئی مرتبہ اس نے ارادہ کیا لیکن صالحہ اور توقیر کی موجودگی میں گفتگو ممکن کب تھی۔؟

ایک دن اسے تفصیلی گفتگو کرنے کا موقعہ مل گیا، عارف کہیں باہر سے آیا تھا، صالحہ اور توقیر بھی اس سے ملنے نفیسہ کے کمرے میں چلی گئیں سیما تنہا بیٹھی تھی، اتنے میں انور پہنچا، اُس نے کہا

سیما میں نے سُنا ہے تم جا رہی ہو۔؟

وہ بولی: ہاں ———— جانا پڑ رہا ہے۔ جا رہی ہوں۔

انور:۔ تمھیں کوئی زبردستی تو نہیں بھیج رہا ہے ۔۔؟

سیما:۔

اس گھر سے، یہاں کے درودیوار سے میری کتنی یادیں وابستہ ہیں؛ یہاں کا چپہ چپہ میرے لئے بڑی کشش رکھتا ہے، میں ناسمجھ تھی جب یہاں آئی تھی شعور کی آنکھیں میں نے یہیں کھولیں، یہاں کے درودیوار مجھے ابا جان کی یاد دلاتے رہتے ہیں، ان کی محبت، شفقت، عنایت ہر چیز یاد آتی ہے، یہیں میری اماں تھیں، وہ یہ طے کر کے آئی تھیں کہ اس گھر سے مر کر نکلیں گی، جو کچھ انھوں نے کہا تھا وہ کر دکھایا، اسی گھر میں انھوں نے جان دی، یہ جگہ مجھے جتنی عزیز ہے بس میں ہی جانتی ہوں۔

یہ کہتے کہتے سیما کی آنکھیں بھر آئیں، لیکن وہ ضبط کی خوگر ہو چکی تھی اس نے آنسو بہنے نہیں دیئے، کہا

بڑا دکھ ہو رہا ہے اس گھر کو چھوڑتے ہوئے۔

انور:۔ خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو سیما، یہ گھر تمھارا ہے، کس کو حق ہے کہ تم سے کہے یہاں سے چلی جاؤ ۔۔؟

سیما:۔ ہاں کسی نے یہ نہیں کہا کہ جاؤ، لیکن ہر شخص کا برتاؤ ایسا ہے کہ جیسے مجھ سے بڑھ کر بوجھ کوئی نہیں ۔۔؟

انور:۔ تمھیں غلط فہمی ہے سیما۔

سیما:۔ کاش غلط فہمی ہی ہوتی، لیکن وہی تو نہیں ہے۔

انور:۔ کیا تم اپنے فیصلہ پر نظرثانی نہیں کر سکتیں؟

سیما:۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔

انور:۔ یہی کہ نہ جاؤ یہیں رہو۔

سیما:۔ یہ نہیں ہو سکتا، میں ضرور جاؤں گی، مجھے ضرور جانا

انور:۔ آخر کیوں؟ کچھ کہو تو سہی

سیما:۔ کہہ تو چکی ــــــــــــ یہاں کا ہر شخص مجھے ذلیل کر

ہے۔ نوکر چاکر، خادمائیں، مامائیں، اور سب سے بڑھ کر لفیہ آپا، وہ

صورت نہیں دیکھنا چاہتیں، میں خود سامنا نہیں کرتی، پھر بھی جب

آواز کان میں پڑتی ہے تو ایسے الفاظ سناتی دیتے ہیں جن سے کلیجہ چھلنی

یہ باتیں نہیں برداشت کر سکتی، آخر کیوں کروں؟

انور:۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

سیما:۔ بس تو پھر یہاں سے رخصت ہو جانے کا فیصلہ بھی ٹھیک

انور:۔ اسے میں غلط نہیں کہتا، میں تو صرف ایک استدعا، ایک

درخواست، ایک التجا لے کر آیا تھا۔

سیما:۔ (حیرت سے انور کو دیکھ کر) آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

میں نہیں سمجھی۔

انور:۔ صرف یہ کہنے آیا تھا۔ تم نہ جاؤ۔!

سیما:۔ یہاں ذلیل ہوتی رہوں، جوتیاں کھاتی رہوں۔؟

انور:۔ جو تمھیں ذلیل کرے گا، میں اس کا منہ نوچ لوں گا

تمھیں گالیاں گا میں اس کا سر توڑ دوں گا۔

سیما:۔ (مسکرا کر) صرف باتیں ہی باتیں ہیں۔ نفیسہ آپا سے تو آپ
بھی دم نکلتا ہے مارے ڈر کے۔

انور:۔ ہاں اس دنیا میں سب سے زیادہ ان ہی سے ڈرتا ہوں۔
میں ہی نہیں ان کے باپ بھی ان سے ڈرتے تھے، ان کے
بھائی بھی ڈرتے ہیں، اور بہنیں بھی، سب پر انھوں نے رعب گانٹھ رکھا ہے۔

سیما:۔ پھر آپ ان کی زبان کیسے روک سکیں گے۔؟

انور:۔ انھوں نے میرے سامنے تو کبھی گالی نہیں دی تھیں۔؟

سیما:۔ تو کیا یہ ضروری ہے کہ میرا حشر جب بھی بنے آپ موجود ہوں؟
جس روز میری اماں مری تھیں آپ کب تھے؟ لیکن جو کچھ ہوا کیا آپ
کو معلوم نہیں۔؟

انور:۔ معلوم ہے اور تم جانتی ہو سیما، میں نے کیا کیا۔؟

سیما:۔ نہیں جانتی۔

انور:۔ میں نے دو دن تک کھانا نہیں کھایا، بار بار رویا، میں نے
ایک قرآن شریف پڑھ کر لنیمہ نانی کو بخشا، دو سو روپے سے زیادہ ان کے
نام پر فقیروں کو دے چکا ہوں، وہ بڑی نیک اور شریف بی بی تھیں مجھے
یقین ہے، انھوں نے معاف کر دیا ہو گا۔!

سیما کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، نظر اٹھا کر جو دیکھا تو یہی کیفیت
انور کی بھی تھی، اس نے پوچھا
آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔؟

انور:۔ معافی۔!

سیما:۔ آپ بھی کتنے اچھے آدمی ہیں، آپ کی ان باتوں سے متاثر
واقعی اماں کی روح نے معاف کر دیا ہوگا۔

انور:۔ لیکن تم نے؟۔۔۔۔۔۔۔ کیا تم نے بھی معاف کر دیا؟

سیما:۔ آپ نے میری کون سی خطا کی ہے جو معاف کروں۔؟

انور:۔ میں نے تمہیں تو میری ماں نے کی ہے، میں ان کی طرف سے
مانگتا ہوں، اس گھر میں جو برتاؤ تمہارے ساتھ ہوا ہے، اسے سوچ کر
ندامت سے میری گردن جھک جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ تم نہ جاؤ
تلافی کا موقع دو۔!

سیما:۔ تلافی کا موقع؟۔۔۔۔۔۔۔ بھئی آپ کیا کریں گے؟

انور:۔ میں تمہارا غم بٹاؤں گا، تمہارے دکھ سکھ میں شریک رہوں
گا تمہارے لئے سینہ سپر ہو جاؤں گا، تمہیں خوش رکھنے کی کوشش کروں
گا، اور جب تک تمام پچھلی باتیں بھول کر تم سراپا مسرت زندگی نہیں بسر
کرنے لگو گی یہی کرتا رہوں گا۔

سیما:۔ آپ یہ کچھ نہیں کر پائیں گے۔

انور:۔ مجھے موقع تو دو۔۔۔۔۔۔۔ اگر نہ کر پاؤں تو شوق
سے چلی جانا۔

سیما:۔ مجھے ایک اندیشہ اور بھی ہے۔

انور:۔ وہ کیا۔؟

سیما:۔ اگر آپ میری دل دہی اور تسلّی کی طرف زیادہ متوجہ ہوں گے، ز لیخا آپا آپ کی بھی دشمن ہو جائیں گی، میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے ماں بیٹے میں تلخی پیدا ہو، اور یہ گھر، میدانِ کارزار بن جائے۔

انور:۔ بھئی سیما تم بالکل نادان ہو۔

سیما:۔ یہ کیسے جانا آپ نے ؟

انور:۔ تمھاری باتوں سے اور کیسے ؟ ——— یہ جو اندیشہ ہائے دور و دراز تمھارے دل میں پیدا ہو رہے ہیں یہ بالکل بے بنیاد ہیں۔

سیما:۔ آپ کے نقطۂ نظر سے۔

انور:۔ سوچو تو، میں اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں، وہ تند خو ہونے کے باوجود مجھ پر ہزار جان سے عاشق ہیں، جو ضد کبھی میں نے کی انھیں سَر جھکاتے ہی بنی، وہ میری دشمن ہو جائیں گی ؟ ——— ناممکن، ایسا نہیں ہو سکتا، میں اُن سے جو چاہوں منوا سکتا ہوں!

سیما خاموش رہی،

انور:۔ جواب دو سیما کیا فیصلہ کیا تم نے ؟

سیما:۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، سوچ کر بتا دوں گی ؟

انور:۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا، تمھیں ابھی فیصلہ کرنا پڑے گا، تمھیں میری التجا ماننی پڑے گی۔

سیما:۔ اور اگر میں نہ مان سکوں تو ۔۔؟

انور:۔ تو مجھے بڑا صدمہ ہوگا۔

سیما نے نظر اٹھا کر دیکھا، تو الاور کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

سیما:-

اچھا نہیں لجاؤں گی — !

الاور اُٹھ کھڑا ہوا

شکریہ، دلی شکریہ!

اور وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

—— ◊ ——

باب ۲۷

نیا مسئلہ!

صالحہ اور توقیر نے بہت اصرار کیا، لیکن سیما نے خوش اسلوبی کے ساتھ معذرت کر دی، وہ انور کا دل رکھنا چاہتی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اپنی طرف سے اُسے کوئی صدمہ پہنچائے ———— تھا بھی وہ معقول آدمی۔

جاتے وقت توقیر نے کہا

سیما! میں زبردستی نہیں کرتی، لیکن ایک بات کہے دیتی ہوں، کبھی بھی اگر آپا نفیسہ کی آنکھ پھری ہوئی دیکھو تو فوراً ہمارے ہاں چلی آؤ، وہ تمہارا ہی گھر ہے ——!

ممنونیت کے لہجہ میں سیما نے جواب دیا

آپا اطمینان رکھیئے، ضرور ایسا ہی ہوگا، سچ تو یہ ہے کہ جی تو اس وقت بھی چاہ رہا ہے کہ آپ کے ساتھ چلوں، لیکن اس گھر کی کشش مجھے روکتی ہے لیکن ذلیل ہو کر، بہرحال نہیں رہوں گی، اب کسی دن بھی اگر کوئی ایسی ویسی

بات ہوئی تو ضرور چلی آؤں گی ۔

صالحہ:۔ میں نے خیراتی کو سمجھا دیا ہے وہ تمھاری مدد کرے گا۔

سیما:۔ مجھے یقین ہے آپا ۔

صالحہ اور توقیر اپنے گھر واپس چلی گئیں، جاتے وقت نفیسہ انھیں خد
کرنے بھی نہیں آئی، اور عین اس وقت جب یہ جارہی تھیں، الور اور نفیسہ
میں سیما کے متعلق صاف صاف باتیں ہو رہی تھیں ۔

الور نے کہا:۔

اماں جان: خالہ صالحہ اور توقیر سیما کو اپنے ساتھ لے جا رہی تھیں
میں نے اُسے روک لیا، نہیں جانے دیا ۔

نفیسہ:۔ (بگڑ کر) تم نے کیوں روک لیا، میں اُسے ایک منٹ
یہاں رکھنا نہیں چاہتی ۔

الور:۔ (سمجھانے کے انداز میں) اماں تم تو بڑی بھولی بھالی ہو ۔
کچھ سمجھا بھی تو کرو ۔

نفیسہ:۔ (نرم پڑ کر) کیا سمجھا رہا ہے چھوکرے، کچھ کہہ تو ۔!

الور:۔ بات یہ ہے کہ زیادہ نہیں تو کچھ عرصہ تک سیما کو
رہنا چاہیے ۔

نفیسہ:۔ وہی تو پوچھ رہی ہوں کیوں ۔ ؟

الور:۔ ابھی نسیمہ کا انتقال ہوا ہے، ابھی اگر سیما یہاں سے
تو لوگ ویسے ہی تمھیں بدنام کرتے ہیں، اب اور کریں گے ۔

نفیسہ:- کریں اپنا کلیجہ ٹھنڈا، مجھے بدنام کرکے۔ میں نہیں پروا کرتی ان باتوں کی۔

انور:- میں تو کرتا ہوں۔

نفیسہ:- کس بات کی۔؟

انور:- میں نہیں چاہتا کہ میری ماں بدنام ہو، لوگ اس کے بارے میں بری رائے قائم کریں، نکو کردیں اسے، مجھے اپنی ماں سے محبت ہے میں اس کے خلاف ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتا۔

نفیسہ:- (مسکرا کر) رہنے بھی دے لڑکے مجھے بنانے چلا ہے۔

انور:- اماں سچ ـــ

نفیسہ:- سچ جھوٹ رہنے دے، تو میری گود کا پلا ہوا لڑکا مجھے سبق دے گا۔

انور:- اونہہ اماں تم تو بحث کر رہی ہو خواہ مخواہ مان بھی جاؤ۔

نفیسہ:- جب تو نے اسے روک لیا، اور صالحہ وغیرہ چلی گئیں ـــــ تو ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکالنے سے تو رہی، اب تو وہ رہے گی ہی!

انور:- (خوش ہو کر) امی جان تم بڑی اچھی اماں ہو ـــــــ اچھا ایک بات اور۔

نفیسہ:- وہ کیا؟

انور:- سب لوگ کہتے ہیں، تم سیما سے بہت برا برتاؤ کرتی ہو۔ اسے گالیاں دیتی ہو، ذلیل کرتی ہو، کوستی ہو، میں تو یقین نہیں کرتا

ان باتوں پر — لیکن پوچھتا ہوں کیا یہ سچ ہے ؟

نفیسہ :۔ (جلال کے عالم میں) ہاں سچ ہے پھر۔ ؟

انور :۔ لو پھر خفا ہو گئیں، ہماری اماں جان ۔

نفیسہ :۔ پھر تو ایسی باتیں کیوں کرتا ہے، جن پر خواہ مخواہ غصہ آئے ۔

انور :۔ میں نے جو سُنا تھا وہ پوچھا تھا۔

نفیسہ :۔ اس سوال کا مقصد کیا تھا آخر ۔ ؟

انور :۔ اگر یہ سچ ہے تو آئندہ سے احتیاط رکھو ۔ ایک غم زدہ اور بدنصیب لڑکی کو چھیڑنے سے کیا حاصل ۔ ؟

نفیسہ :۔ اوہو، اتنی پینگیں بڑھ چکی ہیں انور ۔! اب تم یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ ابھی چوٹی پکڑ کر نکال باہر کر دوں گی حرامزادی کو، ان یہ کھیل کھیلا جا رہا ہے ۔

انور :۔ کون سا کھیل ؟ کیسا کھیل ؟ اماں جان یہ کیا کہہ رہی ہو۔ ؟

نفیسہ :۔ سب سمجھتی ہوں، تجھے سیما نے پڑھایا ہے، اور تو اس کے فریب میں آ گیا ہے، جو کچھ تم دونوں نے سوچا ہے وہ نہیں ہو سکتا۔

انور :۔ ہم نے تو کچھ بھی نہیں سوچا ہے۔

نفیسہ :۔ خدا رسول کی قسم ہے گلے پہ چھری پھیر لوں گی، اگر تم نے سیما کے بارے میں کچھ سوچا بھی ۔

انور :۔ میں کیوں سوچتا کچھ ؟ — میں نے تو ایک عام انسان

یا

نیت سے ایک ہمدردانہ بات کہی تھی۔

نفیسہ:۔ ہاں معلوم ہے۔

انور:۔ بہرحال، اگر سیما کو رکھا ہے تو آدمیوں کی طرح رکھو، تاکہ دوسرے لوگ یہ کہیں کہ ہاں انھوں نے احسان کیا ہے، اور اگر یہ ناممکن ہے تو پھر بہتر یہی ہے کہ تو قیر خالہ کے ہاں بھیج دو ــ!

نفیسہ:۔ جو ہمارا جی چاہے گا کریں گے، تو ہمیں نصیحت فضیحت کرنے والا کون؟ اپنی اوقات پہچان، زیادہ بڑھ بڑھ کے باتیں نہ بنا۔

انور:۔ میں کچھ نہیں کہتا۔ کچھ نہیں بولتا، تم جانو اور تمھارا کام!

نفیسہ:۔ تو ہی تو آیا تھا بڑا ناصح مشفق بن کر!

انور:۔ توبہ کرتا ہوں، اب کچھ نہ بولوں گا، میں نے صرف تمھاری ہمدردی میں ایک بات کہی تھی۔

نفیسہ:۔ اچھا ایک بات اور سُن لے

انور:۔ فرمایئے، سُن رہا ہوں ــ!

نفیسہ:۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اس گھر میں سیما کے ساتھ اچھا برتاؤ ہو تو اس کی صرف ایک شرط ہے۔

انور:۔ مجھے وہ شرط منظور ہے۔

نفیسہ:۔ پھر تو بہکا؟ ــــــــ شرط سنی نہیں مان لی ــ!

انور:۔ اچھا کہئے ــ؟

نفیسہ:۔ تم کو اور سیما کو یک جا میں کبھی اور کہیں نہ دیکھوں ــ!

یہ شرط سُن کر انور کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی
اُس نے بڑی مشکل سے اپنے اوپر قابو پایا، اور رُکتے ہوئے کہا:
یک جا دیکھا کب آپ نے؟ ——————— کیا میں اُس سے بات
بھی نہ کروں —؟ کیا میں اُس کی طرف دیکھوں بھی نہیں؟ کیا کبھی
اُس کے ٹوٹے ہوئے دل کو رسمی طور پر جوڑنے کے لئے دل دہی اور تسلی کی
باتیں بھی نہ کروں —؟

نفیسہ:- اُس وقت تک نہیں جب تک تمھاری شادی نہ ہو جائے

انور:- (ہکا بکا ہوکر) میری شادی —؟

نفیسہ:- ہاں، اب تم بچے نہیں ہو، ماشاءاللہ جوان ہو، تمھاری
شادی ہوگی، ضرور ہوگی اور بہت جلد ہوگی۔

انور:- لیکن میں نے تو اس مسئلہ پر کبھی غور ہی نہیں کیا اب تک۔

نفیسہ:- میں غور کر چکی ہوں میں نے فیصلہ بھی کر لیا ہے انور
جانتے ہو میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے ——————— تم نے کافی باتیں
جاؤ اور مختار صاحب کو میرے پاس بھیج دو، میں چاہتی ہوں آج سے
پندرھویں دن تمھاری شادی ہو جائے!

انور:- (حواس باختہ ہوکر) اماں جان یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں! میں
شادی نہیں کروں گا۔

نفیسہ:- کرنا پڑے گی!

انور:- میں خودکشی کر لوں گا—!

نفیہ:- زہر کی پڑیا میرے پاس ہے جب چاہنا لے لینا۔

انور:- آخر یہ کیسی زبردستی ہے، کس سے آپ میری شادی
کر رہی ہیں ---؟

نفیہ:- دو تین لڑکیاں میری نظر میں ہیں، ان میں سے کسی بھی
ایک کو پسند کروں گی --- مختار صاحب کو اسی لئے تو بلایا ہے --- جاؤ
انہیں بھیج دو ---

انور:- (روہانسا ہوکر) مختار صاحب نے اگر اس معاملہ میں دخل
دیا ان کی گردن مروڑ دوں گا - مار ڈالوں گا انہیں -

نفیہ:- وہ بڑھاپے میں بھی اتنے مضبوط ہیں کہ اگر ایک چانٹا
مار دیں تو تم لڑکھڑا کر گر پڑو گے -

انور:- (تقریباً چیخ کر) اماں اس ارادے سے باز آجایئے!

نفیہ:- مجھے صرف اس ارادے سے باز رکھا جا سکتا ہے - جسے میں
نے کیا نہ ہو، اور جو ارادہ کر لوں وہ پھر ہو کر رہتا ہے!

انور نے کوئی جواب نہیں دیا - غصہ کے عالم میں بڑی تیزی سے
نکل گیا! ——— جیسے اس کمرے میں وہ اب کبھی بھی نہیں
آئے گا -

--- ✧ ---

باب ۲۸

کئی حادثے!

نیچے اُترنے کے بعد، الوؔر کی مڈ بھیڑ سیما سے ہو گئی، وہ زینہ
اُتر ا ہی تھا، اور سیما کسی کام سے ادھر سے گذر رہی تھی اسے دیکھ
سیما ٹھٹک گئی، الور چلتے چلتے رُک گیا، لیکن اس نے کوئی بات نہ
کی، فوراً ہی باہر چلا گیا۔

اس طرزِ عمل پر سیما کو بڑی حیرت ہوئی، پھر اُس نے کسی
کام پر محمول کیا، دفعتاً اُسے خیال آیا، لیکن الوؔر کی آنکھوں سے
کیوں نکل رہے تھے؟ اس کا چہرہ سرخ کیوں ہو رہا تھا؟ اس کے
بشرے سے اضطراب و اضطرار کی کیفیت کیوں نمایاں تھی؟—
یہ سب باتیں ایک ایک کرکے اس کے دماغ میں آتی رہیں لیکن
فیصلہ نہ کر سکی، چُپ چاپ اپنے کمرے میں جاکر بیٹھ گئی جہاں نہ
مونس تنہائی تھا، نہ ہمدم و ہمراز!—— یہاں آکر

ساری دنیا سے کٹ جاتی تھی، اسے پتہ بھی نہیں چلتا تھا، گھر میں کون آیا، کون گیا؟ اور کس قسم کا ہنگامہ قیامت برپا ہے۔؟

انور باہر نکلا، تو مختار صاحب حقہ سلگانے کی کوشش کر رہے تھے اس کے دیکھتے ہی وہ حقہ ایک طرف رکھکر کھڑے ہو گئے۔

آؤ بھیا آؤ — !

انور:۔ میں للت پور جا رہا ہوں۔

مختار صاحب:۔ ابھی آئے ہوئے کتنے دن ہوئے ہیں کہ پھر جا رہے — میں چلا جاؤں — ؟

انور:۔ نہیں، آپ میرا کام نہیں کر سکتے ——————

ہم دنیا میں اُٹھواتے نہیں مزدور سے ——— میں خود جاؤں گا —

وہ سہم سے گئے

کوئی خاص کام ہے بیٹے ؛

انور:۔ نہیں، شکار کھیلوں گا وہاں جاکر۔

مختار صاحب:۔ (خوش ہوکر) ہاں بڑا اچھا موسم ہے — ہم بھی چلے دو چار دن کو — ؛

انور:۔ (ترشی کے ساتھ) نہیں !

مختار صاحب:۔ میں تو یوں ہی ہنسی کر رہا تھا، بھلا بیگم صاحب جانے دیں گی —

انور:۔ آپ بالکل غیر ضروری باتیں کر رہے ہیں۔

مختار صاحب :۔ تو بھیا جو کہو وہ کہوں —!

انور :۔ ڈرائیور سے کہئے موٹر نکالے۔

مختار صاحب فوراً گیرج کی طرف بڑھے، اتفاق سے ڈرائیور نہیں...

آوازیں دیں، پکارا، اِدھر اُدھر دیکھا، مگر وہ نہ ملنا تھا نہ ملا۔

اذاں دی کعبہ میں، ناقوس دیر میں بجوایا

کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

آخر ہانپتے کانپتے، وہ پھر انور کے سامنے ایک ملزم کی طرح پہنچے۔

وہ تو نہیں ہے!

انور :۔ کہاں چلا گیا —!

مختار صاحب :۔ یہی تو نہیں معلوم —— آئے تو ایسا ڈانٹوں گا کہ عمر بھر یاد رکھے گا، ہمیشہ کام کے وقت غائب رہتا ہے کمبخت —!

انور :۔ جی نہیں ڈانٹنے کی ضرورت نہیں، برخاست کر دیجئے۔

مختار صاحب :۔ برخاست کر دوں؟ —— کتنی ... برخاست کر چکا ہوں، لیکن وہ تو نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا، جیسے ... ہو اس کی ہمارے گھر میں —!

انور :۔ اب اگر نہ جائے تو مجھے اطلاع دیجئے گا۔

مختار صاحب :۔ تو بیٹے کل چلے جانا۔

انور :۔ بہت خوب، جانا آج ہے اور جاؤں کل، —— ڈرائیو کرنا آتا ہے —!

اور گیرج کی طرف بڑھا، خود ہی موٹر اسٹارٹ کر کے باہر نکالی اور
دیتا ہوا ان سے نکل گیا۔ مختار صاحب زد سے ہٹ نہ جاتے تو آ گئے تھے لپیٹ میں
مختار صاحب حد نظر تک موٹر کو جاتا دیکھتے رہے، پھر اطمینان سے
اٹھایا اور ایک زوردار کش لگایا، اب وہ سُلگ چکا تھا، دوسرے
کی تیاری کر رہے تھے کہ گھر کی ملازمہ نصیبن آئی، مختار صاحب کمن سال
کے باوجود اس سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے، خاصی بے تکلفی تھی دونوں
دیکھتے ہی مسکرائے اور فرمایا

ارے بھئی یہ چاند کہاں سے نکل آیا۔؟

وہ اٹھلاتی ہوئی بولی۔

چاند گیا چولھے بھاڑ میں، خیریت چاہتے ہو تو اندر چلو۔!

مختار صاحب بھی موج میں تھے۔

زہے قسمت ـــــــــ لیکن اس وقت دن دہاڑے؟

وہ برس پڑی

کیوں بڑھاپے میں چندیا کھجلا رہی ہے، بیگم صاحبہ نے بلایا ہے۔
جلدی چلو ورنہ جواب دہی کرنے میں رو دو گے، جانے کیوں اس وقت
غصّہ میں بھری بیٹھی ہیں۔

مختار صاحب کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔

ارے نیک بخت پہلے کیوں نہ کہہ دیا۔!

حقہ ایک طرف رکھ کر مختار صاحب نفیسہ بیگم کے دربار میں پہنچے۔

اور یہ دیکھتے ہی لرز گئے کہ بیگم صاحبہ کا ماتھا شکنوں سے بھرپور ہے۔
جبری طور پر مسکرانے کی کوشش کرنے کے بعد کہا

آپ نے یاد کیا تھا۔؟

نفیسہ:۔ جی' ناگوار تو نہیں ہوا؟

مختار صاحب:۔ (دہشت زدہ تبسم کے ساتھ) بیٹا کی باتیں ــــــ ناگوار کیا ہوگا؟ ــــــ حکم۔؟

نفیسہ:۔ انور نیچے ہے۔؟

مختار صاحب:۔ جی وہ تو گئے۔

نفیسہ:۔ کہاں؟

مختار صاحب:۔ للت پور گئے ہیں شکار کھیلنے' ڈرائیور کو برخاست کر گئے ہیں۔

نفیسہ:۔ کس کے حکم سے؟

مختار صاحب:۔ وہ خود حاکم ہیں۔

نفیسہ:۔ اور اس کی خطا۔؟

مختار صاحب:۔ موجود نہیں ملا وہ گیرج میں' اسی پر بگڑ گئے۔

نفیسہ:۔ چھوڑیے اس قصہ کو۔

مختار صاحب:۔ جی ہاں دیکھا جائے گا ــــــ یہ معلوم ہو ... اس وقت طلبی کیوں ہوئی ہے۔؟

نفیسہ:۔ آج کون تاریخ ہے۔؟

مختار صاحب:۔ آج؟ ——— شاید ۳ر تاریخ ہے۔

نفیسہ:۔ ہاں ——— اور اس مہینہ کی آخری تاریخ کو انور کی شادی ہوگی۔

مختار صاحب:۔ (خوش ہوکر) انور میاں کی شادی؟ وہ دولھا بنیں گے؟ خدا مبارک کرے، لیکن کہاں؟

نفیسہ:۔ اس سوال سے آپ کا کیا تعلق؟ بہرحال شادی ہوگی۔

مختار صاحب:۔ ضرور ہونی چاہیئے الحمدللہ

نفیسہ:۔ سارے انتظامات اس عرصہ میں مکمل ہوجانے چاہئیں۔

مختار صاحب:۔ بالکل مطمئن رہئے ——— ایسی شاندار شادی کہ لوگ یاد کریں گے۔

نفیسہ:۔ ہاں ——— یہی میں چاہتی ہوں ——— اچھا اب جائیے اور خیراتی کو بھیج دیجئے۔

نفیسہ:۔ انور فلت پور گیا ہے۔

خیراتی:۔ ہاں ابھی مختار صاحب سے معلوم ہوا، کیوں گئے ہیں؟

نفیسہ:۔ شکار کھیلنے۔

خیراتی:۔ ٹھیک بالکل ٹھیک ——— ہمیں ساتھ لے گئے۔

نفیسہ:۔ اسی لئے تو میں نے بلایا ہے تمھیں ———

ابھی فوراً چلے جاؤ وہاں، کوئی یکہ یا تانگہ کرکے

خیراتی :- (مستعدی سے) ہاں بیٹے ابھی جاتا ہوں۔

نفیسہ :- پھر وہ لڑکا ہے، نہ جانے کہاں گھومتا گھامتا نکل جائے۔ سایہ کی طرح اس کے ساتھ رہنا، ایک پل کے لئے بھی جدا نہ ہونا۔

خیراتی :- ایسا ہی ہوگا بیٹی ——— بیٹی مختار صاحب تو کچھ اور بھی کہہ رہے تھے۔

نفیسہ :- کاہے کے بارے میں؟

خیراتی :- (خوش ہوکر) انور بھیا کی شادی۔

نفیسہ :- ہاں ——— انشاء اللہ وہ دولھا بنے گا مختار صاحب کو میں نے تاکید کردی ہے کہ سارے انتظامات جلد از جلد مکمل کرلیں۔

خیراتی :- بڑی خوشی ہوئی بیٹی ——— کتنے دنوں کے بعد تمھیں یہ خوشی کا دن دیکھنا نصیب ہوگا۔

نفیسہ :- ہاں ——— لیکن تم باتوں میں بہت وقت ضائع کررہے ہو، جلدی جاؤ، فوراً اس کے پاس پہنچو۔

خیراتی :- ابھی لو بیٹی۔

نفیسہ :- کس طرح جاؤ گے؟

خیراتی :- یکہ یا تانگہ کرلوں گا۔

نفیسہ :- نہیں، وہ موٹر پر گیا ہے اس طرح دیر ہوجائے گی تو

...جاؤ، تاکہ جلد از جلد پہنچ سکو ——— ٹھہرو میں فون کرتی

...بھیا کو —— !

نفیسہ:- نے فون کرکے عارف سے کہا

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے لئے اپنا موٹر بھیج دو۔

پھر ریسیور رکھتے ہوئے خیراتی سے بولی؛

موٹر آرہا ہے۔ جلدی سے اپنا سامان ٹھیک کرلو ——— اور

...سیما کو میرے پاس بھیج دینا۔

خیراتی سیدھا سیما کے کمرے میں پہنچا، وہ آرام کرسی پر نیم دراز کوئی

...پڑھ رہی تھی۔

خیراتی:- کیا ہو رہا ہے بٹیا —؟

وہ کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھی

کچھ نہیں، ذرا کتاب پڑھ رہی تھی۔

خیراتی:- شاباش ——— پڑھنا لکھنا ہی اصل چیز ہے اس

...خوب دھیان دیا کرو بیٹی! ——— ہاں تمھیں نفیسہ بیٹا

...بلایا ہے۔

خیراتی:- (مسکراکر) ہاں تمھیں؟ ———.یوں سمجھو بیچ میں

...گئی ہے، ورنہ وہ اور تمھیں بلائیں۔

سیما:- سمجھتی تو میں بھی ایسا ہی ہوں، واقعی تعجب ہے ———

——— اچھا جا تی ہوں، دیکھوں کیا بات ہے؟

خیراتی :- بڑی اچھی بات ہے، سنتے ہی خوش ہو جاؤ گی مٹھائی کھاؤں گا واپس آ کر ــــ !

خیراتی جواب کا انتظار کئے بغیر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

سیما خوش خوش اٹھی، اس وقت واقعی وہ بہت خوش تھی، آ[illegible] نفیسہ نے اسے بلایا تھا، لیکن کیوں ؟ خواہ مخواہ وہ غالب کا شعر گنگنا نے لگی

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

اپنے کمرے سے وہ مسکراتی ہوئی نکلی، بار بار اس کے کانوں میں خیراتی کی آواز گونجنے لگتی تھی۔

بڑی اچھی بات ہے، سنتے ہی خوش ہو جاؤ گی، مٹھائی کھاؤں گا واپس آ کر ! ان الفاظ کا کیا مطلب ہے ؟ وہ مجھے شوخ نظروں سے دیکھ کر کیوں رہا تھا ؟ وہ اچھی بات کون سی ہو سکتی ہے، اسے سنتے ہی میں کیوں خوش ہو جاؤں گی ؟ خیراتی نے مٹھائی کھانے کا مطالبہ کیوں کیا ؟ ــــ

ــــ یہ سوچتے سوچتے وہ شرما سی گئی۔

اس کے دل نے کہا، ضرور انور نے نفیسہ آپا کا مزاج بدل دیا !

ــــ مزاج ہی نہیں دل بھی طبیعت بھی

یہی سوچتے سوچتے وہ اوپر نفیسہ کے کمرہ میں پہنچ گئی ــ نفیسہ اسے دیکھتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئی۔

آؤ سیما آؤ ! میں تم ہی کو یاد کر رہی تھی ــ !

سیما خاموشی کے ساتھ قریب آکر بیٹھ گئی ۔!

نفیسہ نے اسے گھور کر دیکھا، جیسے وہ اس کا جائزہ لے رہی ہو، اسے گھور رہی ہو، اس کے بارے میں رائے قائم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

سیما اس منظر کی تاب، نہ لا سکی، اُس نے لجا کر سر جھکا لیا،

نفیسہ:۔ میں نے تمھیں ایک خبر سُنانے کے لئے بلایا ہے!

سیما:۔ جیسے ہی خیراتی بابا نے آپ کا پیام پہنچایا ہے، فوراً چلی آئی۔

نفیسہ:۔ اچھا کیا ______ تو ہاں وہ خبر یہ ہے کہ اس گھر میں شادی کی شہنائیاں عنقریب بجنے والی ہیں۔

یہ سُن کر سیما پر گھڑوں پانی پڑ گیا، مارے شرم کے، بھلا۔ یہ بات بھی اس طرح کی جاتی ہے۔!

وہ چُپ رہی۔

نفیسہ:۔ یہ گھر تمھارا ہی ہے، میرا تمھارے سوا کوئی رفیق نہیں، اور تم سے کہوں؛ چاہتی ہوں، سارے گھر کو آئینہ خانہ بنا دو۔!

سیما سر جھکائے بیٹھی رہی،

نفیسہ:۔ جب سے انور کے باپ کا انتقال ہوا ہے، میں نے خوشی نہ دیکھی، اب میرے اجڑے گھر میں، بہار آئے گی، اب میرا ویرانہ آباد ہوگا، اب میرے دل کی کلیاں کھلیں گی، یہاں کے در و دیوار ناچنے لگیں گے، خوشی اور مسرت کا نغمہ فضا میں گونجے گا، بہار تازہ آئے گی۔ ایک نئے دور کا آغاز ہوگا، دوست شاد ہوں گے، دشمن ناشاد۔!

ہاں سیما تو تم میرا مطلب سمجھ گئیں ؟

وہ لجاتی ہوئی بولی :"جی"

نفیسہ :۔ شاباش جاؤ ــــــــــــ اپنا کام کرو، یہ امتحان
ہے، دیکھوں پاس ہوتی ہو یا فیل ــــ !

یہ کہہ کر نفیسہ کھلکھلا کر ہنس دی ــ !

سیما کو بڑا اچنبھا ہوا، اس نے آج تک نفیسہ کو مسکراتے ہوئے بھی
نہیں دیکھا تھا، نہ کہ یوں ہنستے ! ــــــ اسے کہتے ہیں انقلابِ آسماں ــ

سیما جانے کے لئے اٹھنے لگی، لیکن نفیسہ نے روک لیا۔

کہاں جاتی ہو بیٹھو ذرا دیر ــ !

وہ بیٹھ گئی ۔

نفیسہ :۔ میں نے سُنا ہے تم مجھ سے بہت خفا ہو ۔

سیما :۔ بالکل نہیں، آپ بزرگ ہیں، میں خورد، بھلا میں کیسے خفا
ہو سکتی ہوں ــــ !

نفیسہ :۔ مجھے معلوم ہوا ہے تمھیں شکایت ہے کہ میں گالیاں دیا
کرتی ہوں تمھیں ۔ ؟

سیما :۔ جی تھی تو شکایت ــــــــ لیکن اب نہیں رہی ۔

نفیسہ :۔ کیوں ؟

سیما :۔ میں نے زخم کا مرہم پا لیا ــــــــ آپ کی توجہ آپ
کی شفقت ــــ !

نفیسہ :- کوشش کروں گی تمھیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہو ، اور اگر
ر تو مجھے ضرور بتاؤ -!

سیما :- اگر ایسا ہوا تو آپ کے علاوہ اور کس سے کہنے جاؤں گی ؟

نفیسہ :- اور یہ تم نے اپنا حلیہ کیسا بنا رکھا ہے ؟

سیما :- کیوں کیا ہوا آپا ؟

نفیسہ :- نہ کنگھی نہ چوٹی ، میلے کپڑے ، بھلا جوان جہان لڑکیاں اِس
رح رہتی ہیں ؟ یہ بھی کوئی طریقہ ہے زندگی بسر کرنے کا ، کوئی آجائے تو کیا
ئے قائم کرے گا ، تمھارے ساتھ میں بھی بدنام ہوں گی -

سیما :- واہ آپ کو کیوں کوئی بدنام کرنے لگا ؟

نفیسہ :- سب یہ کہیں گے کہ میں تمھارا خیال نہیں کرتی ، پروا نہیں کرتی

سیما :- جو کہے گا میں اُسے جواب دے لوں گی -

نفیسہ :- جواب کس کس کو دو گی ؟ دور کیوں جاؤ صالحہ اور توقیر سگی بہنیں
یا ان دونوں نے مجھے بدنام اور رسوا کرنے میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہے -؟

سیما خاموش ہو گئی ·

نفیسہ :- (ہلکے طنز سے) صالحہ اور توقیر کا نام سُن کر کیسی چُپ ہو تمھا
سانے دُکھتی رَگ پکڑلی نا -؟

سیما :- (مسکرا کر) نہیں ، یہ بات نہیں ہے آپا ، انھوں نے میرے
سامنے تو آپ کی کبھی بُرائی نہیں کی -!

نفیسہ :- (چھیڑتے ہوئے) اب لگیں ان کی طرف داری کرنے -

اتنے میں ماما آئی، اُس نے سیما سے مخاطب ہو کر کہا۔

کوئی بی بی آئی ہیں، اپنا نام رعنا بتاتی ہیں —!

سیما خوش خوش اٹھ کھڑی ہوئی۔

اچھا اچھا بٹھاؤ، ابھی آتی ہوں —

نفیسہ:۔ یہ رعنا بی بی کون ہیں —؟

سیما:۔ میری بچپن کی سہیلی، میرے ساتھ سکول میں پڑھتی تھی۔

نفیسہ:۔ ہمیں بھی ملاؤ، دیکھیں تمھاری سہیلی کیسی ہیں —؟

سیما:۔ (خادمہ سے) جاؤ یہیں بلا لاؤ انھیں، کہنا وہیں بلایا ہے۔

آج پہلی مرتبہ سیما نے اس گھر کی خادمہ سے کسی کام کو کہا تھا اور بے جھجک کہا تھا، ورنہ کوئی کام بھی ہو وہ خود ہی کر لیتی تھی، کسی سے بھی کچھ نہیں کہا، کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا۔

ہم جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جواب میں

تھوڑی دیر میں خادمہ کے ساتھ رعنا نمودار ہوئی —!

اتنے دنوں میں کتنی زیادہ بدل گئی تھی؟

جوانی تھی کہ پھوٹی پڑ رہی تھی، مسرت تھی کہ چھپائے نہیں چھپتی تھی۔ تبسم تھا کہ روکے نہیں رکتا تھا۔

سیما بڑے تپاک اور محبت سے ملی، پھر اُس نے نفیسہ سے تعارف کرایا وہ بھی اخلاق اور گرم جوشی سے ملی، تھوڑی دیر کے بعد نفیسہ اٹھ گئی اور سیما رعنا کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی —!

باب ۲۹

بہت دنوں کے بعد!

سیما جب رعنا کو لے کر اپنے کمرے میں گئی تو اس سے لپٹ گئی، کہنے لگی۔
بے مروت، کہاں تھی اب تک ——— ہم پر کیا کیا قیامتیں گزر گئیں اور تو نے خبر بھی نہ لی۔

رعنا نے بڑی محبت کے ساتھ کہا

تمہاری شکایت سر آنکھوں پر، لیکن جس طرح تم انقلابات سے دوچار ہیں اسی طرح تابڑ توڑ مجھ پر بھی مصیبتیں نازل ہوتی رہیں ——

اور پھر رعنا نے اپنی ساری کہانی سنا ڈالی، ماں کا انتقال، ماموں کے ہاں ایک دوسرے شہر میں جانا، وہاں ان ہی کے بیٹے سے کچھ دنوں بعد شادی کا ہونا، پھر شوہر کے حسنِ سلوک کا تذکرہ، ساری ہی باتیں رعنا نے ایک سانس میں کہہ ڈالیں، اسی طرح سیما نے بھی مرزا صاحب کی وفات سے لے کر آج تک کے تمام واقعات بیان کر دیئے، پھر اس نے کہا۔

کہو دولہا بھائی سے کیسی نبھتی ہے۔؟

رعنا:۔ بڑی اچھی طرح ——— ذرا خفا ہو جاؤ تو رات رات بھر ایک ٹانگ پر کھڑے رہتے ہیں — !

سیما:۔ واہ بھئی، شوہر نہ ہوئے مرغ مسلّم ہو گئے ——— ایک ٹانگ پر تو مرغ ہی کو کھڑے ہوئے دیکھا ہے ہم نے؟

رعنا:۔ گھبراتی کیوں ہو، خدا وہ دن بھی جلد لائے گا جب ایک ٹانگ پر تم بھی کھڑا کیا کرو گی اپنے شوہر نامدار کو۔

سیما:۔ اے لوج خدا نہ کرے

رعنا:۔ شروع میں سب یہی کہتے ہیں۔

سیما:۔ اور بعد میں مرغا بنا لیتے ہیں، واہ بھئی یہ بھی اچھی رہی ——— اچھا یہ تو بتاؤ کرتے کیا ہیں؟

رعنا:۔ ایک دفتر میں ملازم ہیں، چار سو کے قریب تنخواہ ملتی ہے۔

سیما:۔ پھر تو مزے ہیں، ہماری دعوت کب کرو گی؟ ——— ارے ہاں میں بھولی، دعوت کرنا ہوتی تو شہر چھوڑ کر کیوں بھاگ جاتیں۔

رعنا:۔ جی نہیں دعوت کرنے ہی کے لئے آئی ہوں ——— ان کا تبادلہ ہو گیا ہے یہاں —!

سیما:۔ (خوش ہو کر) جاؤ رعنا یہ خوش خبری سن کر تمھارے سارے گناہ معاف کر دیئے، تم جو آئیں تو کوئی دکھ سکھ میں حصہ لینے والا تو نظر آیا، ورنہ میں تو جدھر نظر اٹھاتی تھی، دشمن نظر آتے تھے، اللہ ؟

اکہ ۔۔۔کہ شکر ہے تم آگئیں، اب میں دعوت کروں گی ۔۔!

وفورِ جذبات سے سیما کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں، رعنا نے اسے گلے سے لگا لیا اور بڑے جذباتی انداز میں کہا:

تو میری دوست، سہیلی، بہن، محسن، سب کچھ ہے ۔۔۔۔۔۔۔ سچ کہتی ہوں تجھے یاد کر کر کے رویا کرتی تھی، میرا رونا ہی دیکھ دیکھ کر تو انھوں نے یہاں کا تبادلہ کرایا ہے ۔۔!

سیما، رعنا کو پاکر بہت خوش تھی۔

وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی آج کا دن کتنا مبارک ہے؟

آج ہی انور سے خاص قسم کی باتیں ہوئیں ۔۔!

آج ہی خیراتی بابا نے خوش خبری سناکر مٹھائی کا تقاضہ کیا!!

آج ہی نفیسہ آپا بھوت سے انسان بنیں، اخلاق، شفقت اور محبت سے پیش آئیں!!

آج ہی رعنا ملی!!!

جس روز صالحہ اور توقیر نے اسے ایک لاکھ روپے کا سرکاری تمسک دیا تھا، اُس دن اتنی خوش نہیں ہوئی تھی، جتنی آج نفیسہ کو سیدھا پاکر اور رعنا کو اپنے پاس بیٹھا دیکھ کر ۔۔!!

رعنا نے سیما کو خاموش دیکھ کر چھیڑتے ہوئے پوچھا:

کیا سوچ رہی ہو سیما؟ ۔۔۔۔۔۔۔ کوئی یاد آرہا ہے؟ ۔۔۔۔ ۔۔۔۔ اور ہاں وہ تمھارے انور صاحب کہاں ہیں ۔۔؟

سیما:۔ کیوں کیا کروگی انھیں ؟

رعنا:۔ دیکھیں گے، رائے قائم کریں گے، پھر اپنا فیصلہ سنادیں گے

سیما:۔ تم فیصلہ سنانے والی کون ؟ ——— ماں نہ ماں
میں تیرا مہمان —؟

رعنا:۔ تو یوں کہو فیصلہ ہو چکا ہے۔!

سیما:۔ ہاں، تم نے ہم سے پوچھ کر فیصلہ کیا تھا، جو ہم اپنے فیصلہ
میں تمھاری رائے شریک کریں۔ ؟

رعنا:۔ ٹھیک ہے، ضرور انتقام لو، لیکن یوں ہی ذرا تسکینِ قلب
کے لئے سہی، انور صاحب کی ایک جھلک دکھادو۔!

سیما:۔ پگلی وہ یہاں نہیں ہیں۔

رعنا:۔ تو کہاں ہیں پھر؟ باہر ہوں گے بلوالو کسی کو بھیج کر۔

سیما:۔ اللہ رے ترا دیدہ ——— باہر ہوں گے کسی کو بھیج
کر بلوالوں —؟

رعنا:۔ تو کیا ہوا؟ کسی غیر کو تو نہیں اپنے ان ہی کو تو بلواؤ گی۔

سیما:۔ تم بلوایا کرتی ہوگی دولھا بھائی کو اس طرح۔؟

رعنا:۔ ہاں ہم تو بلوایا کرتے تھے اور وہ سو کام چھوڑ دوڑے
دوڑے آتے تھے۔

سیما:۔ اپنی اپنی ہمت ہے ہم میں تو یہ حوصلہ نہیں۔

رعنا:۔ بزدل کہیں کی ——— اچھا کسی بہانے سے ہی ذرا

...ورت دکھا دو۔

سیما:۔ ارے بے وقوف وہ یہاں نہیں ہیں، گاؤں گئے ہیں اپنے

رعنا:۔ چند دن شادی کے باقی ہیں اور وہ گاؤں تشریف لے گئے ہیں، یہ کیوں آخر؟

سیما:۔ میں کیا جانوں؟ مجھ سے تو کچھ کہہ کر نہیں گئے ——— سنا ہے شکار کھیلنے گئے ہیں!

رعنا:۔ خوب! ——— بڑے شکار سے پہلے چھوٹا شکار! ——— باذوق آدمی معلوم ہوتے ہیں۔؟

سیمانے ایک چٹکی لی،

"بس خاموش!"

وہ تڑپ گئی!

اچھا اب کچھ نہیں کہوں گی، لیکن ایک بات مان لو۔

سیما:۔ شرارت نہیں، سنجیدہ بنو۔

رعنا:۔ ہاں سنجیدگی سے کہتی ہوں ——— تصویر ہی دکھادو ان کی۔

سیما:۔ میرے پاس تو کوئی تصویر نہیں ہے، لیکن اس قدر گھبرا کیوں رہی ہو؟ دو چار روز میں آجائیں گے، بھیج دوں گی تمھارے پاس، سامنے بٹھا کر گھنٹوں اور پہروں دیکھتی رہنا۔!

——— ✧ ———

باب ۳۴
ایک اور مشکل؟

مہینہ ختم ہونے میں اب صرف چند دن رہ گئے تھے۔!

انور ابھی تک لالت پور سے نہیں آیا تھا۔!

نفیسہ نے مختار صاحب کو بلایا اور اُن سے کہا

اب صرف چند دن رہ گئے ہیں '' انور صاحب اب تک وہیں تشریف رکھتے ہیں' آپ جایئے اور لے آیئے اسے!

مختار صاحب تو حکم کے بندے تھے فوراً تیار ہو گئے فرمایا

ابھی لیجئے، گیا اور لے کر آیا۔!

نفیسہ نے کہا:

اگر وہ شادی بیاہ کے بارے میں پوچھ گچھ کرے تو کچھ نہ بتایئے گا!

مختار صاحب جاتے جاتے بیٹھ گئے،

تو میں نہیں جاتا۔!

نفیسہ :- کیوں ؟ کس لئے ۔ ؟

مختار صاحب :- انور میاں مجھ سے کچھ سوال جواب کریں اور ٹال
دوں ؟ — نا بابا !

یہ تاب یہ مجال ، یہ طاقت نہیں مجھے !

جی وہ تم سے زیادہ تیز مزاج ہیں ۔ !

نفیسہ :- (غصہ سے) کیا کہا آپ نے ؟ ——— میں تیز مزاج
ہوں کچھ ہوش میں ہیں آپ ؟

مختار صاحب کا خون خشک ہوگیا ، کاٹو تو لہو نہیں بدن میں ، ہرگز ان
کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ نفیسہ کے منہ پر اسے تیز مزاج کہیں ، لیکن ہونے والی بات
——— وہ الفاظ نکل گئے منہ سے جن کی سزا نہ جانے کیا ہو ؟ وہ ابھی
اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہہ پاتے تھے کہ خیراتی نمودار ہوا ، اسے دیکھکر اس کی
جان میں جان آگئی ، سمجھ گئے بات ٹل گئی ۔ نفیسہ نے بے بلائے خیراتی کو آتا
دیکھکر تیوریاں چڑھالیں ۔ !

تم کیسے آگئے ۔ ؟ خیریت تو ہے سب ؟

خیراتی :- اللہ کا شکر ہے ، سب خیریت ہے ؟

نفیسہ :- کیا انور بھی آیا ہے ۔ ؟

خیراتی :- جی وہ تو نہیں آئے ہیں ۔

نفیسہ :- پھر تم کیوں آگئے ؟ ——— میں نے کیا کہا
تھا تم سے ۔ ؟

خیراتی:۔ میں تو وہیں تھا' اور ان ہی کے ساتھ آتا' لیکن وہ ر
ہر روز مجھ سے کہتے تھے' خیراتی بابا تم جاؤ' میں ٹال جاتا تھا' مگر آج نہ جانے
کیوں غصہ میں تھے برس پڑے!

نفیسہ:۔ غصہ میں تھے ——— ؟ کیوں؟

خیراتی:۔ کوئی بات نہیں' میرے منہ سے کہیں یہ نکل گیا تھا' بابا
بھیا دولھا بنے گا —!

نفیسہ:۔ اچھا یہ بات ہے؟ ——— اس پر صاحبزادے
کو غصہ آیا —؟

خیراتی:۔ جی اور کیا —؟

نفیسہ:۔ لیکن تمھیں تو میں نے تاکید کردی تھی وہیں رہنا۔

خیراتی:۔ کہہ تو رہا ہوں بٹیا، آج وہ اتنے بگڑ گئے کہنے لگے اگر واپس
نہیں جاؤ گے تو میں کہیں منہ کالا کر جاؤں گا' پھر ڈھونڈتے رہنا چراغ رخ
زیبا لے کر! ——— میں تو ڈر گیا بٹیا! انگوچھا کندھے پر ڈالا
اور ایسا فروٹ آیا' کہ بس یہیں آکر دم لیا۔

نفیسہ:۔ پیدل؟ !

خیراتی:۔ بٹیا کی بھی باتیں ——— اور کیا وہ موٹر پر بٹھا
گئے مجھے —؟

نفیسہ:۔ (کچھ سوچتے ہوئے) ہوں ——— تو یہ
بات ہے؟

خیراتی :- "میں کیا جانوں بیٹی کیا بات ہے ؟ میں نے تو اتنے (غصّہ) میں انھیں کبھی نہیں دیکھا !"

نفیسہ :- "بابا زیادہ باتیں نہ کرو !"

خیراتی چپ ہو گیا،

پھر نفیسہ مختار صاحب کی طرف مخاطب ہوئی،

"یہ ناصر بھیّا کو فون کر کے اُن کی کار ابھی اسی وقت منگایئے"

مختار صاحب :- "کل اُدھر گیا تھا میں، وہ تو بال بچوں سمیت پکنک پر گئے ہیں، کار بھی اُن کے ساتھ گئی ہے"

نفیسہ :- "اور عارف بھائی جان ؟"

مختار صاحب :- "وہ بھی ـــــ"

نفیسہ :- "اتنے بڑے شہر میں کوئی ٹیکسی بھی نہیں ہے ؟"

مختار صاحب :- "بہت جتنی کہو"

نفیسہ :- "جایئے فوراً ایک ٹیکسی لے کر آیئے ـــــــــ

ـــــــ منہ نہ دیکھے جایئے !!"

وہ گھبڑ بھبڑا کر کھڑے ہو گئے، اور جاتے جاتے بولے،

"ابھی آیا لے کر !"

نفیسہ نے خیراتی سے کہا،

"جاؤ نیچے بیٹھو !"

خیراتی جانے لگا تو اُس نے آواز دی :

"خیراتی بابا!"

وہ آکر چپ چاپ سامنے کھڑا ہو گیا،

نفیسہ نے کہا،

"انور کے بارے میں ایک بات کبھی گھر میں نہ کہنا کسی سے!"

"خیراتی:- میں کیوں کہنے لگا"

نفیسہ:- "سیما ضرور پوچھے گی ———— اُسے ان باتوں کی ہوا بھی نہ لگے!"

خیراتی:- "نہیں ایسا نہیں ہوگا، مطمئن رہئے!"

مختار صاحب جلدی جلدی گھبرائے ہوئے اپنے کمرے میں پہنچے، اچکن پہننا شروع کیا تھا کہ نصیبن تبسم کی بجلیاں گراتی، اور لگاوٹ کے تیر برساتی نمودار ہوئی، کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ متاع جان و دل اس ادا پر قربان کر دیتے، لیکن، اس وقت وہ کسی اور ہی رنگ میں تھے، نگاہِ غلط انداز بھی نہیں ڈالی، بے چاری نصیبن کو کیا معلوم یہ پھانسی کے تختہ سے چھوٹ کر آئے ہیں، وہ آئی اور قریب آئی، چلی گئی پھر اُس نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا،

"اللہ، کتنے دِلوں سے، ہم پندرہ روپے قرض مانگ رہے ہیں مگر سنی کی اَن سنی کر دیتے ہیں، ویسے بڑی چاہ ہے اُنھیں ——؟"

مختار صاحب اچکن پہن چکے تھے، اُس کی طرف دیکھے بغیر بڑبڑائے

"زرخرید غلام سمجھ لیا ہے، جب دیکھو ڈانٹ پھٹکار، نہ بات کرنے

بلقہ ہے، نہ تمیز، جیسے ہم کوئی شریف نہیں، گھاس کھدے
نا ـــــــــــ واہ بھئی!"

نصیبن کی سمجھ میں یہ اردو ئے معلّٰی بالکل نہیں آئی، وہ اپنے
طالبہ پر اڑی ہوئی تھی۔

"تو پھر انکار کر دو صاف صاف!"

مختار صاحب:۔ "لعنت ہے ایسی نوکری پر، قسم ہے بڑے پیر
صاحب کی، اب کی میں بھی ایسی کھری کھری سُنا دوں گا کہ بس!"

نصیبن:۔ "اے واہ کچھ بھنگ پی لی ہے کیا؟ ـــــــــــ یہ
کیا بک بک کر رہے ہو!"

مختار صاحب نے ایک نظر نصیبن پر ڈالی، لیکن یہ وقت رومان
لڑانے کا کہاں تھا، جل کر کہا،

"ہٹو بھئی، ـــــــــــ ہم ویسے ہی پریشان ہیں!"

نصیبن کو یہ خلاف معمول طرز عمل دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی،

"ہا! ہا! ـــــــــــ جیسے کوئی ان کے بغیر مر جائے گا ـــــــــــ
مردار جواب کبھی بات کی ہو گی مجھ سے!"

مختار صاحب:۔ "نہیں کریں گے بھئی، راستہ تو دو بھئی، کیا
چڑیل کی طرح اڑی ہوئی ہو، ہم جا رہے ہیں کام سے اور تمھیں خرمستیاں
سوجھی ہیں، ـــــــــــ ہٹو!"

نصیبن ہٹ گئی،

"اے تو جاتے کیوں نہیں، جاؤ، دفعان ہو، اب کی جو میرا نام لے کر پکارا تو ٹوکا لگا دوں گی منہ میں ——— میں بھی بڑی دو ہوں ——— ہاں سُن لو!"

مختار صاحب :- (چیخ کر) "ہٹو ——— چلی جاؤ اس کرے سے ——— تمھیں کس نے بلایا تھا؟ جاؤ!"

وہ واپس جانے کے لئے مڑی، لیکن خالی خولی نہیں، جاتے جاتے اُس نے بھی ذرا چیختے ہوئے کہا،

"جا تو رہی ہوں ———"

اس دفعہ مختار صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، لپک کر باہر نکلے، اور ٹیکسی لینے چلے گئے، ادھر خیراتی اپنی کوٹھری میں بیٹھا سوچ رہا تھا، یہ کیا معاملہ ہو رہا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا،؟

صاحبزادے کیوں اینٹھے ہوئے ہیں ———؟

بیگم صاحبہ کی کیوں تیوریاں چڑھی ہیں ———؟

سیما سے بات چیت کی ممانعت کیوں کی گئی،؟

ضرور کچھ دال میں کالا ہے؛ اتنے میں ٹیکسی کا ہارن سنائی دیا، وہ چونک پڑا، اور اُس کے چونکتے ہی خیالات کا تار ٹوٹ گیا!

وہ ابھی اپنے حواس مجتمع نہیں کر پایا تھا کہ نفیسہ نظر آئی اسے اپنی کوٹھی میں آتا دیکھ کر وہ سہم گیا۔ گھبراہٹ کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا،

"بٹیا تم؟ ——— کیا مجھے بلایا تھا؟ مجھ سے تو کسی نے نہیں کہا

جا رہی ہو؟"

نفیسہ:۔ "نہیں بلایا نہیں تھا، میں خود آگئی!"

خیراتی:۔ "تو بلا لیتیں بیٹی"

نفیسہ:۔ "خیر ہوگا ——— چلو میرے ساتھ للت پور!"

خیراتی نے انگوچھا کاندھے پر ڈال لیا، اور اٹھ کھڑا ہوا"

"چلو ——!"

نفیسہ خیراتی کے ساتھ باہر آئی، اُسے دیکھتے ہی ٹیکسی ڈرائیور دروازہ کھولنے کے لئے اُتر پڑا، لیکن مختار صاحب اس سے زیادہ فرض شناس تھے، اُنھوں نے اس سے پہلے ہی ٹیکسی کے پٹ کھول دیئے،

نفیسہ آئی اور چُپ چاپ اندر بیٹھ گئی،

خیراتی سے اُس نے کہا،

"بابا تم ڈرائیور کے پاس بیٹھ جاؤ"

ایک گھراٹے کے ساتھ ٹیکسی روانہ ہوگئی!

اب مختار صاحب کی جان میں جان آئی، اُنھوں نے اطمینان سے اپنے کمرہ کا رُخ کیا، نفیسن بھی نفیسہ کو باہر تک پہنچانے آئی تھی، اب وہ اندر واپس جا رہی تھی، مختار صاحب نے کہا،

"نفیسن ذرا ایک بات تو سُنتا"

وہ جلی ہوئی تھی، بولی

"بات سنتی ہے بہری جوتی، خود ہی کہو، خود ہی سنو!"

مختار صاحب اب فولاد سے موم بن چکے تھے،

"ارے بھئی تم تو خفا ہوگئیں!!"

نصیبن:۔"خفا کیوں ہونے لگی، تم میرے ہوتے کون ہو؟ بچھڑا ہوں گی، ذرا بڑے میاں کی باتیں سنو!"

مختار صاحب کی اس سے بڑی چڑ کوئی نہیں تھی کہ انھیں بڑے میاں کہا جائے، انھیں بوڑھا سمجھا جائے، ان کی جوانی کا اعتراف نہ کیا جائے، یہ سنتے ہی بھڑک گئے،

"بڑے میاں کیوں کہتی ہو؟ دادا جان کہو، میں تو تمھارے دادا کی عمر کا ہوں نا ——— اور تم تو ابھی دودھ پیتی بچّہ ہو!"

نصیبن مختار صاحب کی اس دُکھتی رگ سے واقف تھی، سمجھ گئی حملہ ٹھیک نشانہ پر ہوا ہے؛

"اے ہے، بی بی کو لونڈی کہا، ہنس دی، لونڈی کو لونڈی کہا رو دی، اگر بوڑھے نہیں ہو تو چڑ کیوں گئے؟ ہمیں تو کوئی بڑی بی کہے ہم تو ہنس دیں!"

مختار صاحب:۔"لاحول ولا قوۃ، یہ بڑے میاں اور بڑی بی کا جھگڑا آخر کیوں اُٹھ کھڑا ہوا؟ ——— سنو تو!"

نصیبن:۔"نہیں سنوں گی!"

مختار صاحب:۔"خفا ہو کچھ؟"

نصیبن:۔"نہیں، بہت خوش!!"

مختار صاحب :- "آخر بات کیا ہوئی ؟"

نصیبن :- "اے ہے دیوانے ہو کچھ ؟ ابھی جب میں آئی تھی، تو دھکے دے کر نکال رہے تھے اور اب اپنا جی چاہا تو بُلانے لگے !"

مختار صاحب :- "میں نکال رہا تھا ؟ دھکے دے کر تھیں ؟ ——— خدا کے غضب سے ڈرو، ایسا سفید جھوٹ تو نہ بولو !"

نصیبن :- "واہ رے مردوے، بیگم صاحبہ کے جانے سے پہلے میں نہیں آئی تھی تمھارے کمرہ میں، میں نے پندرہ روپے قرض نہیں مانگے تھے ؟ تم نے جھڑک کر مجھ سے چلے جانے کو نہیں کہا تھا ؟"

مختار صاحب :- "قسم لے لو جو ایک بات بھی یاد ہو ؟"

نصیبن :- "اتنی باتوں میں سے ایک بات بھی یاد نہیں ؟"

مختار صاحب :- "خدا کی قسم نہیں"

نصیبن :- "تو جاگتے میں سو رہے تھے کیا ؟"

مختار صاحب :- "جو سمجھ لو"

نصیبن :- "اچھا تو لاؤ پندرہ روپے قرض دو ہمیں"

مختار صاحب :- "پندرہ نہیں بیس لو، لیکن ایک شرط ہے"

نصیبن :- "معاف کرو، شرط ورط پر روپیہ نہیں لیتی، دیتے ہو دو، نہیں دیتے جاؤ جاؤ چولھے بھاڑ میں"

نصیبن :- "بھلا اس طرح بھی دنیا میں قرض لیا جاتا ہے ؟"

نصیبن :- "ہم تو اسی طرح لیتے ہیں، جس کی ہزار دفعہ غرض ہوگی دیگا

نہیں تو وہ اپنے گھر سلامت، ہم اپنے گھر خوش ـــ!"

مختار صاحب :۔ خوب زبردستی ہے بھئی ـــــــــ اچھا دے دیں گے "!

نصیبن :۔ "کب قیامت میں ؟ ـــــــــ ضرورت اب ہے اور تم دو گے، جب ناتی پیدا ہوگا، اور پوتے کا عقیقہ ہوگا ـــــــــ

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی !

مختار صاحب :۔ "پھر تم نے ناتی اور پوتے کا قصہ شروع کیا! ـــــــــ یعنی یہ کہ ہم بوڑھے ہیں ـــــــــ"

نصیبن :۔ اچھا بھئی غلطی ہوئی، تم بوڑھے نہیں، نکیلے بجیلے جوان ہو، بڑے خوب صورت، جو دیکھ لیتا ہے ہزار جان سے فدا ہوجاتا ہے بس اب ہوئے خوش ؟

مختار صاحب :۔ اچھا لو یہ روپے۔

نصیبن :۔ (ہاتھ بڑھا کر) لاؤ!

مختار صاحب :۔ (پیچھے ہٹ کر) آؤ لو!

نصیبن :۔ وہاں نہیں، یہاں !

مختار صاحب :۔ پھر وہی غیریت کی باتیں، آؤ لے لونا"

نصیبن :۔ نہیں دیتے تو میں جاتی ہوں ـــــــــ واہ !

مختار صاحب :۔ دیکھو تو یہ کتنے روپے ہیں ؟ پندرہ نہیں بیس

نصیبن :۔ بیس نہیں، بیس ہزار ہوں، لوں گی تو یہیں، جہاں کھڑی

...یا

...ہوں۔"

مختار صاحب :۔ اچھا وعدہ کرو ــــــــــ"

ابھی مختار صاحب وعدے کی تشریح نہ کر پائے تھے کہ نصیبن
...نے جھپٹا مار کر اُن کے ہاتھ سے دس دس کے دو نوٹ چھینے، مُسکرائی،
...ڑاتے ہوئے انگوٹھا دکھایا، اور نو دو گیارہ ہوگئی،

مختار صاحب کچھ نہ کہہ سکے سوا اس کے،

"نمک حرام! ــــــــ اسی لئے تو دن بدن صورت حرام بھی ہوتی
...اتی ہے، روپے لینے کے لئے ہم ہیں، اور آشنائی کے لئے وہ الّو کا پٹھا خیراتی
...بھیجا ولارے، آنے دے بیگم صاحبہ کو، اگر کھڑے کھڑے نہ نکلوایا تو ــــــــ"

نصیبن دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہوئی مختار صاحب کا ردِّ عمل
...بھی دیکھ رہی تھی اور باتیں بھی سُن رہی تھی، فوراً باہر نکلی:

"کیا کہا تم نے؟ ــــــــ سب سُن لیا میں نے، تھوکتی ہوں ایسے
...روپے پر یہ لو۔"

یہ کہہ کر اُس نے دونوں نوٹ مختار صاحب کے منہ پر مار دیئے، پھر کہا
"آنے دو بیگم صاحبہ کو یا تو تم مجھے نکلواؤ گے، یا میں تمھاری سفید داڑھی
...ی کا لک لگوا کر، شہر بدر کرا دوں گی، دیکھ لینا!"

مختار صاحب نے جلدی سے نوٹ اُٹھائے، اور نصیبن کی طرف
...بڑھاتے ہوئے کہا "کچھ اور نہیں تو مذاق کی بھی اجازت نہیں کیا؟ ــــ
...بگڑ پھاڑ میں نہیں خفا ہوتے ــــــــ لو یہ اپنے روپے۔"

باب ۱۳۱

صاف انکار

نفیسہ للت پور پہنچی،

انور اطمینان سے ایک آرام کرسی پر نیم دراز، کوئی کتاب دیکھتے دیکھتے غنودگی میں آگیا تھا،

نفیسہ پہنچی اور پاس پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ خیراتی نے اُٹھ جانے کا ارادہ کیا، لیکن نفیسہ نے اشارہ سے منع کردیا۔ نیند کی غفلت میں کتاب انور کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر آرہی تھی، نفیسہ نے وہ کتاب اس طرح کہ انور محسوس نہ کرسکے اٹھالی۔ پہلے ورق گردانی کرتی رہی، پھر باقاعدہ پہلے باب سے پڑھنے لگی، یہ ایک ناول تھا، نفیسہ نے اس ناول کو پہلے بھی کئی مرتبہ پڑھا تھا، اور جب پڑھا تھا، نیا لطف اٹھایا تھا، یہ ایک ایسے عاشق کی کہانی تھی، جسے ناکامی کے سوا اپنے عشق کا کوئی پھل نہ ملا، یہ ایک ایسی عورت کی داستان تھی، جو زندگی بھر اپنے محبوب کو چاہتی رہی، لیکن اظہارِ عشق کی جرأت

[پڑھ] سکی، یہ ایک ایسی کتاب تھی جس میں ناکامی اور حسرت کے سوا کچھ نہ تھا'
کوئی ایک گھنٹہ اسی طرح گذر گیا، اس عرصہ میں اس نے ۴۰، ۵۰
[صفح]ات دیکھ ڈالے، اتنے میں انور نے کروٹ لی، اور جمائی لیتا ہوا اُٹھ
[بیٹھ]ا اور اپنے سامنے نفیسہ کو بیٹھے دیکھ کر بھونچکا ہو گیا، بڑے تعجب اور
[حیر]ت کے ساتھ کہا،

"ارے امّاں؟ ——— آپ کب آئیں؟

نفیسہ نے اپنے چہرے پر مسرت یا خوشی کی کوئی علامت ظاہر
[کئے] بغیر کہا،

"بڑی دیر ہو گئی ——— جاؤ منہ دھو کر آؤ جاکر"

تھوڑی دیر میں وہ تر و تازہ ہو کر آیا، اور ایک دوسری کرسی پر
[اس] کے قریب بیٹھ گیا، اُس کے چلے جانے کے بعد، نفیسہ پھر کتاب دیکھنے
[لگ]ی تھی، اب آنے کے بعد اُس نے صفحہ موڑ کر نشانی قائم کی، اور انور سے کہا،

"تم تو یہاں آکر اس طرح جم گئے جیسے یہیں زندگی بھر رہنا ہے!"

انور:۔ "زندگی بھر تو نہیں، کچھ عرصہ تک تو ابھی ارادہ ہے"

نفیسہ:۔ لیکن میں تو تمھیں لینے آئی ہوں"

بڑی بے بسی کے ساتھ، عاجزانہ لہجہ میں انور نے کہا

"ابھی میں یہیں رہوں گا امی جان!"

نفیسہ:۔ "یہ چاہتے ہو کہ میں بھی یہیں چلی آؤں ——؟"

انور:۔ آپ نے آنے کی کیا ضرورت ہے؟

نفیسہ :۔ تم میرے بغیر ؛ ہرکہیں رہ سکتے ہو، میں کہیں نہیں رہ سکتی
تم سے جدا ہوکر ! ——— تم نہیں جانتے ماں کی ممتا کیا ہوتی ہے
یہ کہتے کہتے نفیسہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ،

انور ، ماں کی بدمزاجی ، آشفتہ سری ، سنگ دلی ، اور سفاکی سے
بے حد نالاں تھا ، لیکن اس سے بے تابانہ محبت بھی کرتا تھا ، نفیسہ کو
روتا دیکھ کر وہ بے قرار ہوگیا ،

اس میں رونے کی کیا بات ہے اماں ؟ ———!

نفیسہ :۔ تمھیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا ۔

انور :۔ آخر آپ کس لئے مجھے لے چل رہی ہیں ؟

نفیسہ :۔ اس لئے کہ شادی کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں
یہ سنتے ہی انور بپھر گیا ،

اب بھی آپ نہیں بتائیں گی ، کس کے ساتھ میری قسمت پھوڑ
رہی ہیں ——؟

نفیسہ :۔ (فیصلہ کن انداز میں) نہیں ! !

انور :۔ تو میں ہرگز نہیں جاؤں گا ، قطعًا شادی نہیں کروں گا
——— چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے ! "

نفیسہ :۔ تمھیں دونوں باتیں کرنی پڑیں گی ، تم میرا حکم نہیں ٹال سکتے
میں ماں ہوں ، تم بیٹے ہو بیٹے پر ماں کی اطاعت فرض ہے —!

انور :۔ اچھی اطاعت فرض ہے ، آپ اطاعت کا مطلب بالکل غلط

تی ہیں —

نفیسہ :- تو تم سمجھا دو!

انور :- ماں باپ کی اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ جو معاملات ان
یعنی اُن کی راحت، آسائش، مطلب یہ ہے کہ ان کے سکون و
ینان سے متعلق ہوں، ان میں اطاعت فرض ہے، لیکن جن چیزوں کا ان
تعلق نہیں، صرف اولاد کی زندگی، آسائش اور راحت کا سوال ہے
ں میں ماں باپ کو دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟ "

نفیسہ :- میں بحث نہیں کرتی، تمھیں میری خوشی پوری کرنی پڑے گی"

انور :- چاہے آپ میری خوشی کا ذرا بھی خیال نہ فرمائیں —؟'

نفیسہ :- واہ مجھے تو تمھاری خوشی کا اتنا خیال ہے کہ کوئی انتہا
نہیں —— محض تمھارے کہنے سے میں نے سیما کے ساتھ اپنا
طرزِ عمل بالکل بدل دیا!

انور :- (خوش ہو کر) واقعی اماں؟

نفیسہ :- ہاں بیٹے! —— اور وہ طرزِ عمل کی اس تبدیلی
سے اتنی متاثر ہے کہ یا تو ہر وقت رویا کرتی تھی، یا جب دیکھو مسکرا
رہی ہے ہنس رہی ہے"

انور :- اماں میں کیسے یقین کر لوں؟ —— میں کیوں کر
اتنا بڑا انقلاب آسان کر لوں؟

وہ مسکرا دیا!

نفیسہ بھی مسکرادی، اُس نے کہا،

"چلو میرے ساتھ، جھوٹ سچ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔"

ماں بیٹے دونوں پھر گھل مل کے باتیں کرنے لگے۔ انور نے پوچھا

"گویا سیما نے پچھلی تمام تلخ باتیں فراموش کر دیں ــ؟

نفیسہ:۔ اور کیا، اب وہ بہت خوش ہے، بالکل مطمئن! ــ سارے گھر کو اُس نے آئینہ خانہ بنادیا ہے، واقعی بڑی سلیقہ مند اور سگھڑ لڑکی ہے!

انور:۔ یعنی گھر کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری اسی پر ہے؟

نفیسہ:۔ ہاں بھئی ہاں ــــــ یا تو میں کوئی وعدہ نہیں کرتی یا کرتی ہوں تو پھر اسے نباہتی ہوں، تم سے وعدہ کر چکی ہوں اب سیما کو اپنی طرف سے کوئی تکلیف پہنچنے دوں گی، اس وعدہ کو نباہنا میرا فرض ہے!

انور:۔ اماں ایک بات بار بار پوچھنے کا جی چاہتا ہے، لیکن تمھارے مزاج سے ڈر کر رک جاتا ہوں"

نفیسہ:۔ ہاں میرے مزاج کی تو دنیا میں دھوم ہے، تم بھی نام رکھ لو نا ــ!

انور:۔ تو پوچھوں؟

نفیسہ:۔ پوچھتا کیوں نہیں لڑکے ــ؟

انور:۔ سیما کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟

نفیسہ:۔ کس اعتبار سے میری رائے جاننا چاہتے ہو تم؟

انور:۔ ہر اعتبار سے۔

نفیسہ:۔ صورت شکل کے لحاظ سے ہزاروں میں ایک ہے، تہذیب
لنذ کے اعتبار سے بھی اپنا جواب نہیں رکھتی، پڑھی لکھی بھی ہے، سینا
یا بھی خوب جانتی ہے، امور خانہ داری سے بھی بہت اچھی طرح واقف ہے!

انور:۔ اوہو، اتنی ساری خوبیاں آباد ہیں، اس تن نیم جان میں۔

نفیسہ:۔ ہاں جو ایمان کی بات ہے وہ ضرور کہوں گی!

انور:۔ اپنی بہو میں کیا اس سے زیادہ کچھ خوبیاں چاہتی ہو
سیما میں ہیں؟

نفیسہ:۔ ایسی خوبیوں کی لڑکی ملنا مشکل ہے، اس سے کم ہی میں
اکرنا پڑے گا۔

انور:۔ پھر سیما ہی کو کیوں نہیں اپنی بہو بنا لیتیں؟ ——
ماتی ——؟

نفیسہ:۔ اس میں ساری خوبیاں ہیں، لیکن میری بہو بن سکنے
ائی سے وہ محروم ہے، سب کچھ ہو سکتا ہے یہی نہیں ہو سکتا!

انور:۔ یہ لیجئے، آخر کیوں؟

نفیسہ:۔ میری بہو کے لئے پہلی شرط، جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو
ہے کہ اسے عالی خاندان ہونا چاہیئے، اور سیما تمام خوبیوں کے باوجود
لئے سے بالکل محروم ہے، اسے خود نہیں معلوم اس کا باپ کون تھا؟

وہ ایک رنڈی کی لڑکی ہے، اور رنڈی کی لڑکی کو میں اپنی بہو بننے کی اجازت نہیں دے سکتی، اس طرح میری ناک کٹ جائے گی، تمھارے مرحوم باپ کا خاندان بدنام ہوگا، تمھاری ماں کو لوگ ذلیل نظروں سے دیکھیں گے!

انور:۔ اوہ، امی جان آپ تو خواہ مخواہ کی باتیں کرتی ہیں، یہ کبھی نہیں ہوگا، جو آپ سوچ رہی ہیں۔"

نفیسہ:۔ ہوگا کیسے نہیں؟

انور:۔ اچھا تو ہونے دیجئے۔

نفیسہ:۔ واہ ہونے کیسے دوں؟ جان جائے پر آن نہ جائے، میرا تو یہ اصول ہے۔

انور:۔ "یہ بتائیے آخر اس میں سیما کی کیا خطا ہے، یہ اُس کی بدقسمتی ہے کہ وہ ایک طوائف کے گھر پیدا ہوئی، لیکن اپنے حسن سیرت سے تلافی تو کرلی ہے اُس نے!

نفیسہ:۔ میں ان باتوں کو نہیں مانتی ——— تمھیں اسی سے شادی کرنی پڑے گی جسے میں پسند کروں!

انور:۔ خواہ مجھے وہ کتنی ہی ناپسند ہو!

نفیسہ:۔ یہی سمجھ لو ——

اب انور کا پیمانہ صبر لبریز ہوچکا تھا، اُس نے کہا "میری شادی اگر سیما کے ساتھ نہیں ہوسکتی تو کسی کے ساتھ نہیں ہوگی ——!

نفیسہ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ بغیر غصہ کا اظہار کئے ہوئے کہا
"یہ تمھارا فیصلہ ہے ؟"

انور:۔ "ہاں اماں ———— بہت غور کرنے کے بعد کہہ رہا
ہوں کہ اس فیصلہ کا بدلنا میرے اختیار سے باہر ہے !"

نفیسہ نے خیراتی کو آواز دی، وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا،
جاؤ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے اسے رخصت کردو۔

خیراتی نے حیرت کے ساتھ نفیسہ کو دیکھا، تیور بگڑے ہوئے تھے
کچھ پوچھ نہ سکا، چپ چاپ جا کر ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے چلا آیا۔

باب ۳۲

یہ کیا؟

نفیسہ کا یہ بڑا عجیب و غریب فیصلہ تھا ' خیراتی کو جو حیرت تھی وہ تو تھی ہی ' خود انور یہ سُن کر ہکا بکا رہ گیا!

وہ کتاب اب تک نفیسہ کے ہاتھ میں تھی ' اسے لئے ہوئے وہ دوسرے کمرے میں گئی ' اور چپ چاپ بستر پر لیٹ گئی ' یہ ایک مختصری کوٹھی تھی ' جو سیر و شکار کے مقصد کے لئے ' انور کے والد نے ایک باغ کے بیچوں بیچ تعمیر کرائی تھی ' کبھی کبھی وہ اپنے دوستوں کو لے کر یہاں آم کے زمانہ میں آجایا کرتے تھے ' کئی کئی دن رہتے تھے اور آم کا دور چلتا رہتا تھا ' کبھی تبدیلِ آب و ہوا کے لئے نفیسہ اور انور کو بھی لے آتے تھے ' اور ایک ایک ہفتہ رہتے تھے ' یہاں کا سکون اور سناٹا ' یہاں کا منظر ' انھیں بہت پسند تھا ' باپ کے بعد انور نے بھی ' اس کوٹھی کو اسی کام میں استعمال کرنا شروع کیا ' نفیسہ آج پہلی مرتبہ شوہر کے انتقال کے بعد سے یہاں آئی تھی :

کتاب سامنے تھی، اور وہ بظاہر کتاب پڑھ رہی تھی، لیکن
[حق]یقت اس کا طائرِ خیال ماضی کے چمنستان کی سیر کر رہا تھا، بڑی دیر
[تک] وہ پچھلی باتیں یاد کرتی رہی، یہ باتیں ہر طرح کی تھیں، خوش گوار بھی اور
[ناخ]وش گوار بھی، لیکن ماضی کی ہر چیز اپنے اندر ایک کشش رکھتی ہے، حتیٰ
[کہ ن]اخوش گوار باتیں بھی لطف کے ساتھ آدمی یاد کرتا ہے؛

اس اثنا میں دوپہر کا کھانا تیار ہو گیا، دسترخوان بچھا،
[انو]ر نے خیراتی سے کہا،

"جاؤ اماں کو بلا لاؤ!"

خیراتی نے واپس آکر جواب دیا

"وہ کہتی ہیں، سر میں درد ہے، ابھی نہیں کھاؤں گی تم کھاؤ!"

انور فوراً ماں کے کمرے میں پہنچا، وہ بدستور کتاب پڑھ رہی تھی،

"اماں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے!"

نفیسہ بولی:- میرے سر میں درد ہے انور! ابھی نہیں کھاؤں گی ہلکی
[سی] دکھاؤں! —— تم کھا لو جا کر—!

انور بچوں کی طرح ضد کرنے لگا،

زیادہ نہیں دو چار لقمے!

نفیسہ نے کہا، "بے بھوک؟ —————— ایک لقمہ بھی کھایا
[تو بیم]ار پڑ جاؤں گی—!"

با دلِ ناخواستہ انور دسترخوان پر آکر بیٹھ گیا!

سہ پہر کو چائے تیار ہوئی، انور نے اپنے ہاتھ سے دو پیالیاں
بنائیں، اور خود ہی لے کر ماں کے کمرے میں پہنچا، ایک اپنے ہاتھ
میں رہنے دی کہ خود پئے گا، دوسری ماں کے پاس ایک چھوٹی سی خوبصورت
میز پر رکھدی نفیسہ لیٹے لیٹے اُٹھ بیٹھی، چائے کی پیالی اٹھائی، اور
بنا کر رکھدی، بڑے پیار کے ساتھ انور نے کہا،

"پی لو اماں!"

وہ بولی:- کیسے پیوں؟ ابکائی آرہی ہے ——— میں نہیں
پیتی، تم پی لو —!

انور:- واہ ہم اپنے ہاتھ سے تو بنا کر لائے ہیں تمھارے لئے

نفیسہ:- اس سے کیا ہوتا ہے ——— جی اچھا نہیں ہے بیٹے!

مجبوراً انور کو دوسری پیالی بھی پینی پڑی!

نفیسہ نے کہا:- مغرب کا وقت ہو رہا ہے کوٹھی میں کب تک بیٹھے
رہو گے۔ جاؤ ذرا گھوم پھر آؤ جاکر!

وہ بولا:- جی ہاں جا رہا ہوں، آج تو دیر ہو گئی!

پھر وہ کپڑے بدل کر، گھوڑے پر بیٹھا، اور سیر سپاٹے کے
لئے روانہ ہو گیا!

انور کے جانے کے بعد، کچھ دیر تک لان پر ایک کُرسی بچھا کر
نفیسہ بیٹھی۔ جب رات ہو گئی، تو وہ اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی، وہاں
جاکر اُس نے خیراتی کو بلوایا، وہ فوراً آموجود ہوا!

دیکھو مجھے نیند آرہی ہے، میں سوتی ہوں، انور آجائے
تو کہنا مجھے جگائے نہیں — !

خیراتی :- بہت اچھا بیٹا ——— لیکن کھانا تو کھاؤ!

نفیسہ :- نہیں مجھے بھوک نہیں ہے!

خیراتی کی حیرانی میں اور اضافہ ہوگیا، لیکن خاموش ہوکر اُس
نے گردن جھکا لی!

اور گھومتا گھامتا کوئی ۹ ½ بجے کے قریب پہنچا، آتے ہی اُس
نے کہا

"بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے!"

جب تک وہ کپڑے اُتارے اُتارے، دستر خوان پر کھانا چن
دیا گیا، بیتابی کے ساتھ اُس نے لقمہ توڑا، اور منہ میں رکھ کر پوچھا:

"اماں نے تو کھا لیا ہوگا؟"

خیراتی نے کہا :- "نہیں ——— وہ سو گئیں!"

انور دوسرا لقمہ نہ توڑ سکا،

"کیوں ———؟"

خیراتی :- میں کیا جانوں بھیا ——— کچھ طبیعت سست ہوگی!

انور اُٹھ کھڑا ہوا،

تو میں بھی نہیں کھاتا!

خیراتی :- کھالو بھیا، طبیعت اگر سست ہو تو فاقہ دوا کا کام کرتا ہے

انشاء اللہ صبح تک طبیعت صاف ہو جائے گی :

بڑی مشکل سے انور کھانے پر راضی ہوا ، اگر بہت زیادہ بھوکا نہ ہوتا تو شاید بالکل راضی نہ ہوتا !

انور ابھی سونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ ایک کار کوٹھی کے سامنے آکر رکی ، اس میں سے ایک نوجوان اترا ، اور سیدھا انور کے کمرے میں پہنچ گیا ، انور اُسے دیکھ کر لپٹ گیا ؛

" اوہو شاہد صاحب ، ارے بھئی خوب آئے اس وقت ! "

شاہد :- کیا کروں تم ملتے بھی ہو ؟

انور :- ولایت سے کب آئے ؟

شاہد :- ایک مہینہ ہوگیا -

انور :- کیا لے کر آئے ؟

شاہد :- صرف بیرسٹری کی سند !

انور :- اور کوئی میم نہیں ؟

شاہد :- بالکل نہیں بھائی ——— یہاں آتے ہی شادی کرنی پڑی - شادی میں تو نہ بلا سکا ، لیکن ولیمہ میں شریک ہونا ہی پڑے گا !

انور :- کب ہے آپ کی دعوتِ ولیمہ ؟

شاہد کل ——— بس ابھی چلو ، رات بھر زرا گپ شپ رہے گی اختر ، اکبر ، مجید ، سعید ، سرور ، اشرف ، اشتیاق ، سب ہی آچکے ہیں - صرف تمھاری کسر تھی ، معلوم ہوتا یہاں ہو ، تو کب کا آچکا ہوتا ، میرا گاؤں نزدیک

یا

یاں سے صرف ۴ میل کے فاصلہ پر ہے ، بجائے یہاں آنے کے شہر گیا،
یاں معلوم ہوا آپ للت پور میں تشریف رکھتے ہیں ——
چھا خیر باتیں پھر ہوتی رہیں گی، اب چلو اٹھو!

الوز:- کچھ پاگل ہوئے ہو —— میں اس وقت نہیں جا سکتا

شاہد:- چلنا پڑے گا ، مجال ہے کہ نہ جاؤ ، جانتے ہو کس سے
نیں کر رہے ہو؟

الوز:- خدا کے بندے اماں جان بھی تو یہیں ہیں۔

شاہد:- مجھے اُن کے حضور میں پیش کر دو، میں خوشامد کر کے
ضی کر لوں گا۔

الوز:- وہ سو رہی ہیں۔

شاہد:- پھر مشکل آسان ہو گئی ۔ ایک خط لکھکر چھوڑ جاؤ ، میں
س پر ساتھ ہی دستخط کر دوں گا ، رات کا کھانا کھا کر ۹ بجے تک
اپس آجانا ، صرف ایک دن اور ایک رات کی تو بات ہے! ——
للہ بڑے مزے کی محفل چھوڑ کر تمھیں لینے آیا ہوں!

الوز:- بھئی معاف کرو ، اماں کا مزاج تم جانتے ہو ، خفا ہو جائیں گی۔

شاہد:- ہمارے ہاں جانے سے خفا ہو جائیں گی ، کیوں اُستاد
ہے اڑو گے۔

خیراتی سامنے کھڑا تھا ، اُس سے شاہد نے کہا۔
دیکھو اگر بیگم صاحبہ خفا ہوں تو تم مرزا پورآ کر انھیں لے جانا۔

پھر اُس نے انور سے کہا،

بس اب اٹھیے ——— اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی!

انور ہنس پڑا،

شعر ضرور پڑھو گے چاہے موقعہ ہو یا نہ ہو!

شاہد:۔ (بے پروائی سے) ہاں ہماری یہ عادت ہے!—

آؤ بھئی، بہت دیر ہو گئی!

شاہد کچھ اس طرح پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑا کہ انور کو جانا ہی پڑا

چلتے وقت اُس نے خیراتی کو الگ بلا کر کہا۔

اماں کو سمجھا دینا، مجبوراً جانا پڑ رہا ہے، وہ جانتی ہیں شاہد میرا

بچپن کا دوست ہے، کچھ نہیں کہیں گی، لیکن اگر خفا ہوں، تو مجھے لے جانا!

خیراتی نے جواب دیا، بہت خوب!

ابھی وہ باہر نہیں نکلا تھا کہ انور نے کہا

خیراتی ایک بات اور —!

وہ پلٹ آیا،

دیکھو آج دن بھر اماں نے کچھ نہیں کھایا ہے، تم ان کے ناشتے

اور کھانے کا خیال رکھنا!

خیراتی نے اطمینان دلایا،

ہاں ہاں ——— یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے!

انور چلا گیا۔

صبح نفیسہ، منہ ہاتھ دھوکر برآمدہ میں آکر بیٹھ گئی، خیراتی سامنے
ود تھا۔

انور کہاں ہے؟ ——— کیا رات دیر سے آیا تھا جواب
سو رہا ہے؟

خیراتی نے ساری رام کہانی سنادی،
حکم ہو تو بلا لاؤں!
وہ بولی:- نہیں بُلانے کی ضرورت نہیں!
خیراتی:- وہ کہہ گئے تھے۔
نفیسہ:- کہنے دو —!

پھر اُس نے کتاب اُٹھائی، اور اُس کی ورق گردانی کرنے لگی۔
ے میں ناشتہ تیار ہو کر آگیا، اور سامنے ایک چھوٹی سی میز پر لگا دیا گیا
نے ایک نگاہ غلط انداز ڈالی، اور بدستور مطالعہ میں منہمک ہو گئی،
ی دیر گذر گئی، آخر خیراتی سے ضبط نہ ہو سکا، اُس نے کہا۔
چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔
کتاب پر سے منہ ہٹائے بغیر نفیسہ نے کہا۔
لے جاؤ —!
خیراتی:- بٹیا! کل سارا دن فاقہ سے گذرا، اب ناشتہ تو کر لو
نفیسہ:- نہیں —!
خیراتی:- طبیعت خراب ہے تو شہر چلو، کسی حکیم ڈاکٹر کو دکھاؤ

نفیسہ :۔ نہیں ۔

خیراتی :۔ یہیں بلا لاؤں کسی ڈاکٹر یا حکیم کو جسے آپ کہیں ۔

نفیسہ :۔ نہیں — !

خیراتی :۔ تو میں جاتا ہوں انور بھیا کو مرزا پور سے بلائے لاتا ہوں !

نفیسہ :۔ خبردار — !

آخر ناشتہ واپس چلا گیا ،

دوپہر اور شام کو بھی نفیسہ نے کچھ نہیں کھایا !

خیراتی نے لاکھ لاکھ سر پٹکا ، خوشامد کی، منتیں کیں، لیکن بھلا اتنی سکت کہاں تھی کہ اس کی نہیں کو ہاں سے بدل سکتا ! تھک ہار کر چپ رہا — !

رات کو آج کل سے بھی جلدی نفیسہ اپنے کمرے میں چلی گئی ، لیمپ گل کیا ، اور چادر اوڑھ کر سونے کے لئے لیٹ گئی ۔

باب ۳۳

ماں کی ضد

آج رات کو حسب وعدہ انور کو واپس آ جانا چاہیے تھا لیکن وہ نہ آسکا
صبح حسب معمول نفیسہ اٹھی، لیکن آج بہت کمزور اور نڈھال نظر آرہی
تھی۔ چہرے کی آب وتاب ختم ہوچکی تھی، اور ایک عجیب بھیانک قسم
کا پن نمودار ہو گیا تھا۔ آج وہ چارپائی سے نہیں اٹھی، بستر پر لیٹی
رہی آٹھ بجے کے قریب ملازم آیا۔ اُس نے دست بستہ عرض کیا۔

سرکار ناشتہ تیار ہے!

لیٹے لیٹے نفیسہ نے پوچھا

انور نہیں آیا ابھی تک ؟

وہ بولا۔ جی نہیں، اب تک نہیں آئے

نفیسہ نے دریافت کیا

نصیر آتی کہاں ہے؟ اُسے بلاؤ!

اُس نے عرض کیا - یہاں تو نہیں ہیں ،اِدھر اُدھر کہیں گئے ہوں گے ، آجائیں شاید تھوڑی دیر میں !

نفیسہ نے کہا " ناشتہ واپس لے جاؤ !

ملازم کے لئے تعمیل کے سوا چارہ نہ تھا ، ناشتہ لے کر واپس چلا گیا کوئی دس پندرہ منٹ کے بعد موٹر کے ہارن کی آواز سنائی دی ، نفیسہ بدستور اپنی چار پائی پر لیٹی رہی ، نگاہ دروازے پر تھی کہ کون آیا ؟ اتنے میں پیروں کی چاپ محسوس ہوئی ،

آگے آگے عارف و ناصر پیچھے پیچھے خیراتی ،

عارف نے خیراتی سے کہا

جاؤ تم باہر جا کر بیٹھو !

خیراتی چلا گیا ؛

عارف نے کرسی گھسیٹ کر چار پائی کے پاس بچھا لی ، ناصر پائینتی بیٹھ گیا ، نفیسہ نے پوچھا ،

بھائی جان آپ کیسے آگئے ؟ ——— یہ خیراتی گیا ہو گا آپ کے پاس ؟

عارف :- ہاں ——— لیکن یہ تم نے کیسی قیامت مچا رکھی ہے ؟ کھانا کیوں نہیں کھائیں ؟

نفیسہ :- اس کی وجہ انور کو معلوم ہے ——— مر جاؤں گی لیکن کمبل کا ایک دانہ بھی اڑ کر میرے منہ تک نہیں جا سکتا !

ناصر:۔ آخر انور نے کیا کیا ؟

نفیسہ:۔ یہ بھی اسی سے پوچھئے ۔

نفیسہ۔ بہت کمزور ہو چکی تھی ، بہ مشکل یہ جملہ پورا کرکے وہ بے ہوش ہوگئی

ناصر نے گھبرا کر کہا

"بھائی جان یہ کیا ہوا ؟

عارف نے اٹھ کر نبض ٹٹولی ، ماتھا دیکھا اور کہا

کمزوری کے باعث بیہوشی طاری ہوگئی ہے !

یہ دونوں یہ باتیں کرہی رہے تھے کہ انور آگیا ،

دروازے پر اس کی خیراتی سے مڈبھیڑ ہوگئی تھی ، اسے افسردہ اور

ل دیکھ کر اس کا دل دھڑکنے لگا تھا ، خدا خیر کرے ، اُس نے

ب آتے ہی خیراتی سے سوال کیا ،

"اماں کیسی ہیں ؟"

وہ بولا:۔ جب سے اب تک فاقہ سے ہیں !

انور کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ، شاہد کے ہاں کی ساری

ـ ریوں پر پانی پھر گیا ، ساری اُمنگیں ختم ہوگئیں ، اُس نے ایک

م کی طرح ڈرتے ڈرتے پوچھا ،

کیوں ـــــــ ؟

خیراتی نے کہا ۔ میں نہیں جانتا بیٹے ـــــــ مجھ سے اُن کی یہ

ـ نہیں دیکھی گئی ـــــــ

الور :۔ حالت؟ حالت کیسی ہے ؟

خیراتی :۔ بھلا اتنے کڑاکے کے فاقے کرڈالنے کے بعد کمزوری نہیں آئے گی ؟ کئی مہینے کی بیمار معلوم ہو رہی ہیں، بات تک تو کی نہیں جاتی معلوم ہوتا ہے ——"

الور آگے کچھ نہ سُن سکا، بھاگا بھاگا ماں کے کمرے میں پہنچا، اور یہاں کا منظر دیکھ کر حواس باختہ ہوگیا، نفیسہ بیہوش پڑی تھی، عارف اور ناصر ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے، عارف نے دریدہ نظروں سے الور کو دیکھ کر ناصر سے کہا۔

موٹر پر شہر چلے جاؤ، کسی ڈاکٹر کو لے آؤ!

ناصر گردن جھکاتے ہوئے باہر چلا گیا، الور بالکل خاموش تھا، وہ عارف سے ماں کا حال دریافت کرنا چاہتا تھا، لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی۔

عارف نے کرسی کی طرف اشارہ کیا، وہ بیٹھ گیا،

کمرے پر پھر خاموشی طاری ہوگئی ۔

سلسلۂ سخن شروع کرتے ہوئے الور نے پوچھا،

یہ بے ہوش ہوگئیں ؟

عارف نے رکھائی سے جواب دیا،

دیکھ تو رہے ہو!

اب الور کچھ نہ پوچھ سکا، چپ چاپ گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر میں نفیسہ نے کروٹ لی، پھر آنکھیں کھول دیں، ایک نظر

نے انور پر ڈالی، اور کروٹ بدل لی اس کی طرف سے!

عارف نے کہا:۔ نفیسہ حوصلہ سے کام لو، دیکھو انور آگیا ہے!

نفیسہ نے بڑی کمزور آواز میں کہا،

میں نے دیکھ لیا بھائی جان!

عارف انور سے مخاطب ہوا،

آخر کس خطا پر اپنی ماں کو یہ ہولناک سزا دے رہے ہو؟

انور سہم گیا

ماموں جان، میں نے تو کچھ نہیں کیا!

عارف:۔ میں نے ابھی پوچھا تھا، انھوں نے قسم کھائی ہے،
یہ کرتے کرتے مر جائیں گی، اگر تم نے انھیں خفا رکھا۔

انور:۔ میں ہر قیمت پر اماں جان کو خوش رکھنا چاہتا ہوں!

نفیسہ نے پھر کروٹ بدل لی، اور انور سے نحیف آواز میں کہا

وعدہ کرتے ہو میری بات مان لو گے؟

انور نے ذرا سے تامل کے بعد کہا

وعدہ کرتا ہوں!

نفیسہ:۔ اب نافرمانی تو نہیں کرو گے!

انور:۔ بالکل نہیں!

نفیسہ:۔ جہاں میں تمھاری شادی کروں گی کر لو گے؟

انور:۔ کر لوں گا۔

نفیسہ:۔ سیما سے کوئی ربط ضبط میل جیل تو نہیں رکھوگے!

انور:۔ (خفیف سے تامل کے بعد) نہیں!

نفیسہ نے اور زیادہ کمزور آواز میں انور سے اپنے بستر کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یہاں آؤ!

انور کرسی سے اٹھا اور ماں کے بستر پر جہاں ناصر بیٹھا تھا آکر بیٹھ گیا
نفیسہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس کا سر پکڑ کر اپنے سینہ پر
رکھ لیا، اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی، انور بھی بچوں کی طرح
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

وہ پھر بے ہوش ہوگئی

انور نے ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا، اور روتے ہوئے کہا
امّی جان خوش ہوجایئے، میں آپ کو کبھی ناراض نہیں کروں گا
لیکن وہ بے ہوش تھی،

اسی اثنا میں ناصر ڈاکٹر کو لے کر آگیا،

ڈاکٹر نے خوب اچھی طرح دیکھا بھالا، اور اطمینان دلایا،
اندیشہ کی کوئی بات نہیں ہے، مسلسل فاقہ نے انھیں کمزور کر دیا
بے ہوشی اسی وجہ سے ہے، انشاء اللہ بہت جلد طبیعت ٹھیک ہوجائے گی

پھر اس نے ایک انجکشن دیا، اور جاتے جاتے تاکید کی تھوڑے
تھوڑے وقفہ سے انھیں گلوکوز، سنترے اور نارنگی کا افشردہ دیا جائے

———ہوش ابھی آجائے گا۔!

اور ڈاکٹر کے جانے کے بعد واقعی تھوڑی دیر میں نفیسہ کو ہوش آگیا۔۔۔
ں کی نظر سب سے پہلے انور پر پڑی' اُس کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں دیکھ کر
ت کمزور لہجہ میں اُس نے کہا،

روتے نہیں انور!

انور نے آنسو پونچھ لئے،

اتنے میں عارف نے گلوگوز کا گلاس نفیسہ کی طرف بڑھایا۔

باتیں مت کرو———— یہ لو۔!

نفیسہ نے ایک ایک گھونٹ کر کے آہستہ آہستہ گلاس پی لیا۔

——— ٭ ———

باب ۳۴

آئے وہ یاں خدا کرے، پر نہ خدا کرے کہ یوں!

دو تین روز میں نفیسہ کی طاقت عود کر آئی، اور وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہو گئی ــ!

اس سارے عرصہ میں، اس نے انور سے ایک بات بھی نہیں کی، سوا اس کے کہ وقتاً فوقتاً شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی رہی، کبھی کبھی اسے دیکھ کر مسکرا دیتی، اس تبسم میں فتح مندی بھی تھی، محبت بھی، تعلق خاطر بھی اور کچھ دبا دبا سا اضطراب بھی، وہ انور کو اپنے پاس بلا کر بٹھا لیتی، پھر خود کوئی کتاب پڑھنے لگتی، اور بظاہر اُس کی طرف سے غافل ہو جاتی، لیکن تھوڑے تھوڑے وقفہ سے، کن انکھیوں سے برابر اس کی طرف دیکھتی رہتی۔

یہاں للت پور کے واقعات کی، گھر میں کسی کو اطلاع نہیں تھی ــ خصوصاً سیما تو تمام حالات سے یکسر لاعلم تھی!

ایک روز، انور، اور نفیسہ ساتھ ساتھ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے

یاں گمان مختار صاحب آ نازل ہوئے، اور آتے ہی برس پڑے،
ں نے کہا

واہ بیٹا واہ ———— ہمیں تو یہ حکم کہ سارے انتظامات جلد
مکمل کر لیں شادی کے، اور خود یہاں اس طرح رہ پڑیں، جیسے اب
رہنا ہے —!

نفیسہ مسکرائی؛

ارے مختار صاحب آپ تو خفا ہو گئے، یہ بھی نہ پوچھا ہم کیسے ہے؛
مختار صاحب :۔ (تعلق کے ساتھ) کیا خدانخواستہ کچھ طبیعت ————
نفیسہ :۔ ہاں میں بیمار ہو گئی تھی، اللہ کے گھر سے پھری ہوں۔
مختار صاحب :۔ کمال ہے ———— اور اس خیراتی کے بچہ کو
بڑا اینڈ تار ہا یہاں، یہ بھی نہ ہوا، خبر کر دیتا جا کر
ہے؛ آج ایسی خبر لوں گا کہ یاد کرے گا —!

نفیسہ :۔ نہیں اس کی کوئی خطا نہیں ہے، وہ بے چارہ تو حکم کا
ہے۔

مختار صاحب :۔ تو گویا تم نے منع کر دیا تھا خیراتی کو، کیوں؟
نفیسہ :۔ ہاں ———— اپنی بیماری کی خبر وہاں بھیج کر دوسروں
ہونے کا موقعہ کیوں دیتی —!

مختار صاحب :۔ اوہ، یہ بات ہے؟ (گردن ہلا کر، سمجھ گیا) ————
———— اچھا تو اب کب چل رہی ہو؟ چلو ورنہ وہاں سارے

انتظامات درہم برہم ہوجائیں گے۔

نفیسہ:- چلئے ـــــــــــ بس آج میں کبھی آنے کا فیص

کرہی چکی تھی !

تھوڑی دیر میں موٹر پورٹیکو سے آکر لگ گئی، نفیسہ نے بڑ

پیار بھرے لہجہ میں انور سے کہا :

چل بیٹے چل –!

انور کان دباکر ساتھ ہولیا

موٹر تیزی سے ملت پورے شہر کی طرف جارہی تھی، نفیسہ او

اور مختار صاحب تینوں اپنی اپنی سوچ رہے تھے :

مختار صاحب اس خیال میں گمن تھے کہ شادی کے موقع پر انا

واکرام ملے گا کہ سارے دلدر دور ہوجائیں گے۔

نفیسہ یہ سوچ رہی تھی کہ بس اب چلتے ہی انور کی شادی کردینا چا

یہی زمانہ ہوتا ہے شادی کا کیا بڑھاپے میں ہوگی –؟

اور انور ـــــــــــ ؟

اس کے خیالات سب سے جدا تھے، اس کی نگاہِ تصور کے سا

بار بار، سیما کی قد آدم تصویر، پوری رعنائی اور زیبائی کے ساتھ آ

ہوجاتی تھی –

وہ سوچنے لگتا تھا،

سیما سے ملاقات کس طرح ہوگی، ہو بھی سکے گی یا نہیں ! آخ

میں اس سے ملنے سے انکار کروں گا۔ ؟

پھر وہ سوچتا

جب سیما کو یہ معلوم ہوگا، اب تک میں اس سے صرف محبت کا
رچا رہا تھا، حقیقتہً اس سے محبت نہیں کرتا تھا، میں نے اسے
دیا، میں نے اس کی امیدوں، آرزوؤں، اور حسرتوں کا خون کیا میں نے
جنت کے دروازے پر پہنچا کر جہنم میں ڈھکیل دیا، تو وہ کیا خیال
کی میرے بارے میں ؟

میں اس سے آنکھیں چار کر سکوں گا۔ ؟

اگر اس نے پوچھ لیا،

کیا مردوں کا یہی کام ہوتا ہے کہ بھولی بھالی عورتوں کو دھوکہ دیں،
بے وقوف بنائیں، ان کی مہر و محبت سے ناجائز فائدے اٹھائیں اور
زندگی کے نئے نئے قالب بناتے رہیں ؟

تو میں کیا جواب دوں گا ؟

اسی طرح تخیلات کی وادیوں کا سیر کرتا ہوا گھر پہنچ گیا ۔!

اور فوراً ہی اس خاموش اور سنسان گھر میں، زندگی کی چہل پہل شروع
کر چاکر اور زیادہ چوکس ہو گئے، مہمانوں اور رشتہ داروں کا تانتا
سب کو علم تھا اب شادی ہوا ہی چاہتی ہے !

سیما اس تمام عرصہ میں بحرِ تفکر میں ہچکولے کھاتی رہی۔ !

جس روز نفیسہ بے کہے اچانک فلت پور گئی تھی، اسی دن اس کا ماتھا

ٹھنکا تھا، ہو نہ ہو ضرور کچھ دال میں کالا ہے، پھر جب اسے وہاں رہتے ہو
کئی دن ہو گئے تو وہ سمجھ گئی، یہ قیام خالی از علّت نہیں ہو سکتا! اور پھر
آج جب نفیسہ آئی اور اُس کے سلام کے جواب میں صرف گردن ہلا کر سیڑھیاں
چڑھاتے ہوئے اوپر چلی گئی، تو اُسے یقین ہو گیا، طوفان آرہا ہے، اور پھر
اُس نے دیکھا، نفیسہ کے پیچھے پیچھے انور، آیا، دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں
لیکن نہ اُس کے ہونٹوں پر تبسّم آیا، نہ اُس نے کوئی بات کی، نہ اُس نے
اشارہ سے خیریت پوچھی، نہ اشارہ اشارہ میں پھر آنے کا وعدہ کیا، ایک
نظر دیکھا، اور سر جھکا کر اوپر چڑھ گیا، تو وہ یہ ماننے پر مجبور ہو گئی، طوفان آگیا
اُس نے سمجھ لیا، اس کا سفینۂ آرزو باد مخالف کا سامنا نہیں کر سکے
گا، چپو ٹوٹ جائیں گے، بادبان پھٹ جائے گا۔ اور کوئی چٹان اس
کا خاتمہ کر دے گی:

وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی، اب تک جو کچھ وہ سمجھ رہی تھی غلط تھا
انور کی شادی ضرور ہو گی، لیکن اس کے ساتھ نہیں کسی اور کے ساتھ
اس خیال کے آتے ہی سیما نے ایک پھریری لی، اور فیصلہ کر لیا
کہ وہ اس خیال کو اب قریب بھی نہیں آنے دے گی!

لیکن، ایک تمنا کا پورا نہ ہو سکنا، یہ دوسری چیز ہے، اور توقع تعلق کو
لینا یہ بالکل ایک الگ چیز ہے ——— آخر انور ملتا کیوں نہیں؟ ملتا
کیوں نہیں؟ آتا کیوں نہیں؟ بات چیت کیوں نہیں کرتا؟ ———
——— کیا وہ مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے؟ بیزار ہو گیا ہے

ان چند دنوں کے اندر آخر کون سے کیڑے پڑ گئے

ی مجھ میں —؟

نفیسہ اوّل تو اپنے عرش سے نیچے اُترتی ہی کم تھی، اور اگر کسی کام
ے اُتری بھی، تو نوکروں چاکروں سے دو چار باتیں کیں، اور پھر اوپر
ی گئی، نہ سیما کے کمرے میں آتی تھی، نہ اُسے بلاتی تھی، گویا ایک قسم کا
طعہ کر رکھا تھا اس کا 'انور اور نفیسہ نے —!

ان حالات نے سیما کو بہت دل برداشتہ اور افسردہ کر دیا تھا،
یں یہاں اس کا کون دمساز اور رازدار بیٹھا تھا، جو دلدہی کرتا —؟
تسکین دیتا؟ ایک رعنا تھی، لیکن وہ بھی بہت دنوں سے نہیں آتی
ی، اور اُس کے ہاں جانا ناممکن تھا، نفیسہ کسی قیمت پر گوارا نہیں کر سکتی
ی کہ سیما گھر سے باہر نکلے —!

———— ❖ ————

باب ۳۵

نئے مہمان!

انور کی شادی میں اب صرف چند روز باقی رہ گئے تھے۔!

لیکن یہ کسی کو نہیں معلوم تھا شادی کہاں ہوگی؟ انتظامات تیزی کے ساتھ ہو رہے تھے، تیاریاں زور و شور سے اہتمام کو پہنچ رہی تھیں، کپڑے قطع ہو رہے تھے اور سیئے جا رہے تھے، زیورات گو پہلے بھی کیا گئے تھے لیکن اب بھی دھڑا دھڑ خریدے جا رہے تھے، برتنوں کی ریل پیل لگی ہوئی تھی نئے نئے ڈیزائن کا فرنیچر تیار ہو رہا تھا، ہر شخص یہ جانتا تھا انور کی شادی ہو رہی ہے، لیکن کہاں؟ یہ کوئی نہیں جانتا تھا، اور نہ کسی میں یہ ہمت تھی، کہ نفیسہ سے یہ سوال کر بیٹھتا۔!

آج خلافِ معمول نفیسہ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی، اُس نے مختار صاحب کو بلایا، وہ کانپتے کانپتے حاضر ہوئے۔ نفیسہ نے اُن سے کہا،

آج مہمان آرہے ہیں ۔

مختار صاحب نے حیرت سے نفیسہ کی طرف دیکھا ۔ اُن کی حیرت
بھی تھی ، بھلا اس گھر میں مہمان کا گذر ؟ یہ بالکل نئی بات تھی ، لیکن
ں پر تعجب ہونا بالکل قدرتی تھا ، انھوں نے اپنی ڈھلکی ہوئی عینک
یک کرتے ہوئے کہا

" مہمان آرہے ہیں ۔ ؟ "

نفیسہ بولی :۔ کتنی دفعہ پوچھئے گا ؟ کچھ اونچا سننے لگے ہیں آپ ؟

مختار صاحب بجھ گئے ، تفصیلات جاننے کا انھیں حق نہیں ہے ،
وش ہو کر حکم کے منتظر کھڑے ہو گئے ۔

نفیسہ نے کہا

نیچے کے تینوں کمرے جلدی سے صاف کرا دیجئے ، وہاں فرنیچر لگا دیا
ئے ، پلنگ بچھا دیئے جائیں ، دروازوں پر پردے ٹانگ دیئے جائیں
لدان ، خاصدان قرینے سے رکھا دیئے جائیں ، غرض کسی چیز کی کمی ہو

مختار صاحب نے سرِ اطاعت خم کیا ، اور کچھ سوچ کر فرمایا :

تینوں کمرے ؟

نفیسہ :۔ جی ہاں ، واقعی آپ بہرے ہوتے جاتے ہیں ؟

مختار صاحب :۔ (سر کھجاتے ہوئے) بات یہ ہے کہ وہ تیسرا کمرہ جو
اس میں سیما بیگم رہتی ہیں ۔ !

نفیسہ :۔ آہا سیما بیگم !! وہ اگر بیگم ہے تو میں لونڈی ہوئی ۔ !

مختار صاحب نے کفر سے فوراً توبہ کی۔

لاحول ولا قوۃ میرا یہ مطلب کہیں ہو سکتا ہے؟

نفیسہ :۔ وقت کم ہے اور آپ باتیں کئے جا رہے ہیں جائیے اپنا کام کیجئے۔

مختار صاحب :۔ تو سیما سے کیا کہوں؟

نفیسہ :۔ آخر اس سے آپ اتنے مرعوب کیوں ہیں؟۔

مختار صاحب تن گئے،

مرعوب کیوں ہوتا؟ میں تو ۔رف آپ کا لحاظ کرتا ہوں ۔۔ یا پھر انو بھیا کا ـــــــ!

نفیسہ :۔ جی نہیں، کسی کا لحاظ نہ کیجئے، اس سے کہہ دیجئے، دو ...لی طرف جو کوٹھری ہے، اس میں چلی جائے ـــــــ اکیلی جان تو ہے، وہ کوٹھری بھی کافی ہے، اتنے بڑے کمرے میں رہنے کی آخر ضرورت بھی کیا تھی؟

مختار صاحب :۔ اور کیا، یہی تو میں بھی کہتا ہوں، مفت کا قبضہ،

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ انور آگیا، مختار صاحب دم دبا کر بھاگے، نفیسہ نے بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھا، اور بڑے پیار بھرے لہجہ میں کہا،

بیٹے انور! ـــــــ صبح سے کئے دفعہ کہہ چکی ہوں کپڑے بدل، آدمی بن، آج مہمان آنے والے ہیں، مگر تو ہے کہ ادھر ادھر گھوم رہا ہے ـ!

انور:۔ ابھی بدل لیتا ہوں ـــــــــــــ لیکن اماں یہ مہمان
ون ہیں ؟ ہمارے گھر تو کبھی کوئی مہمان نہیں آیا ۔!

نفیسہ:۔ ہاں نہیں آیا، اب خدا تجھے سلامت رکھے، روز روز
ئی کئی تقریبیں ہوا کریں گی، مہمانوں کی تو وہ کثرت رہے گی کہ خاطر
اری کرتے نہیں بن پڑے گی ۔!

پھر نفیسہ نے گھڑی دیکھی، اور کہا،

بس تم ایک گھنٹہ کے اندر تیار ہو جاؤ، میرے ساتھ اسٹیشن چلنا،

انور:۔ اتنے بڑے اور معزز مہمان آرہے ہیں کہ آپ بھی اسٹیشن
خیر مقدم کرنے جاتیں گی ؟ ـــــــ کیوں اماں ؟

نفیسہ:۔ ہاں بیٹے مجھے جانا پڑے گا، مجھے جانا چاہیئے،

انور:۔ لیکن آپ نے بتایا نہیں کون لوگ ہیں ؟ کہاں سے آرہے
ہیں ـــــ ؟

نفیسہ:۔ ابھی تھوڑی دیر میں سب معلوم ہو جائے گا، تم بھی تیار
ہو جاؤ، میں بھی تیاریاں کرتی ہوں ۔!

تھوڑی دیر میں، انور، نہا دھو کر، کپڑے بدل کر، ماں کے انتظار
میں آکر بیٹھ گیا، پھر نفیسہ آئی، آج وہ بھی اتنی بنی ٹھنی تھی کہ انور کو حیرت
ہوئی، اس نے اس طرح کی تیاریاں کرتے کبھی اسے نہیں دیکھا تھا!

نفیسہ نے آکر انور کی بلائیں لیں، اور کہا:

خدا میرے گلفام کو نظر بد سے بچائے، خدا کے فضل سے لاکھوں

میں ایک جوان ہے!

مروّت کے بوجھ سے انور کا سر جھک گیا۔!

پھر وہ کہنے لگی:

بیٹے موٹر نکال، بس صرف میں اور تو چلیں گے۔!

انور کو کیا عذر ہو سکتا تھا؟ دونوں ماں بیٹے تھوڑی دیر میں اسٹیشن پہنچ گئے۔

زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا، یہ لوگ پلیٹ فارم پر پہنچے ہی تھے کہ میل آگیا، فسٹ کلاس کے ایک ڈبہ سے ایک بوڑھا سر جھانک رہا تھا۔ نفیسہ نے انور سے کہا:

وہ ہیں۔!

گاڑی رکی۔

نفیسہ اور انور وہاں پہنچ گئے، وہ بڑی بی گاڑی سے اتریں اور نفیسہ کو گلے سے لگا کر رو۔ئیں پھر انھوں نے انور کی چٹ پٹ بلائیں لیں، اور بڑی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا،

یہ ہے میرا بچہ؟

نفیسہ بولی:۔ پہچان لیجئے ـــــــ وہی ہے یا کوئی اور۔!

بڑی بی ہنس دیں،

اے ماشا، اللہ وہی ہے کوئی اور کیوں ہوتا؟ آج بارہ سال کے بعد میں نے دیکھا ہے۔!

بڑی بی سے پیچھے، برقعہ میں سمٹی سمٹائی، ایک لڑکی کھڑی تھی
ــہ نے کہا،

ثروت! ـــــــــ آؤ بیٹی، میرے پاس آؤ ـــــــــ
ـــــ بڑی گرمی ہو رہی ہے، منہ کھول لو ـــ!

ثروت نے برقعہ کا سامنے کا حصہ سر پر ڈال دیا، اور اس کا چاند
بکھرا نظر آنے لگا، اتنے میں، ایک خوب صورت اور طرح دار نوجوان آیا،
ــس نے آتے ہی شکوہ شکایت کا دفتر کھول دیا،

ہماری کسی کو پروا نہیں ـ؟

نفیسہ نے کلیجہ سے لگا کر کہا،

اللہ قسم رشید تیری شرارت میں ذرا فرق نہیں آیا ـــــــــ
ـــــ یہ رہا انور اس سے مل ـ!

دونوں نے ہاتھ ملایا ـ!

انور محوِ حیرت تھا کہ یہ دفعتہً کون لوگ آ گئے؟ لیکن اس سوال کا
ـواب دینے والا کوئی نہیں تھا ـ!

اب یہ قافلہ موٹر تک پہنچا ـ پچھلی نشست پر بڑی بی، نفیسہ اور
ـروت بیٹھیں، اگلی نشست پر، انور اور رشید!

گھر پہنچنے کے بعد، سب نے ان نو وارد مہمانوں کا پُرتپاک
ـر مقدم کیا!

سیما کو بھی معلوم ہوا تھا کہ کچھ مہمان آنے والے ہیں، اگرچہ

مختار صاحب نے کمرہ خالی کرا کے، اس کے دل پر ایک اور کاری چوٹ لگائی تھی، لیکن اس کے اخلاق نے اسے گوارا نہ کیا، کہ گھر میں مہمان آئیں اور وہ اپنی کوٹھری میں چوروں کی طرح بیٹھی رہے، چنانچہ جیسے ہی مہمانوں کے آنے کا شور مچا، وہ بھی دروازے پر پیشوائی کے لئے پہنچ گئی۔ نفیسہ نے بڑی بی سے گھر کے تمام افراد کا تعارف کرایا، جب سیما کی باری آئی، تعارف کرانے کے بجائے بڑے ادبھے ہوئے انداز میں کہا:

اونھ کہاں ہر جگہ پہنچ جاتی ہو؟ جاؤ، بیٹھو اپنی جگہ۔

سیما نے سر جھکا لیا ———!

بڑی حیرت سے بڑی بی نے اُسے دیکھا، ثروت بھی اُسے تعجب انگیز نظروں سے دیکھنے لگی، رشید نے بھی اسے دیکھا، اور نظر جھکالی، اس نے نظر ہی نہیں اٹھائی تھی کہ جھکانا پڑتی —!

سیما جیسے ہی اپنی کوٹھری کی طرف مڑی، یہ لوگ نفیسہ کی سرکردگی میں اوپر پہنچ گئے۔

یہاں پہنچ کر نفیسہ نے الو سے کہا:

اب بھی تو نے نہیں جانا یہ کون ہیں —؟

وہ مسکرایا:

ثروت کا نام سنکر، اور رشید کی صورت دیکھکر سمجھ گیا، یہ پھوپھی جان ہیں! ——— ان دونوں کا ذکر اکثر اماں جان

کرتی تھیں۔

نفیسہ:۔ کیوں نہ کرتی ؟ جیسا تو ویسی ہی میرے لئے ثروت
ہی میرے لئے رشید! ـــــــــ سب ہی میرے جگر کے
ہیں ۔!

رشید بڑا طرار نوجوان تھا، اس نے کہا،
لیکن ممانی جان، انور ہمارے آنے سے کچھ خوش نہیں معلوم
ہے !

نفیسہ:۔ ہائے چل ہٹ ۔!

انور:۔ بات یہ ہے اماں جان کہ یہ رشید صاحب چاہتے تھے
باجے، تاشے لے کر ان کے استقبال کو پہنچتے ـــ یہ ہوا نہیں
خفا ہو گئے ۔

نفیسہ:۔ خدا اچھا رکھے گا، باجے تاشے کی دھوم بھی مچے گی اس
کا کل نہیں آج سہی، آج نہیں کل سہی ۔!

یکایک مختار صاحب پہنچے،
ناشتہ تیار ہے سرکار ۔!

—— ✿ ——

باب ۳۶

شک!

رشید بڑا ملنسار، اور مجلس طراز انسان تھا، بہت جلد وہ سارے گھر میں سب سے بے تکلف ہو گیا، چونکہ ہر شخص سے وہ بڑے تپاک سے ملتا تھا۔ لہٰذا گھر کی تمام گفتہ اور ناگفتہ بہ باتیں اُس کے علم میں آگئیں، اس نے سیما کے بارے میں بھی سب کچھ معلوم کر لیا، وہ سیما سے ملنے جلنے بھی لگا۔ اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے بھی لگا، اُس سے باتیں بھی کرنے لگا، وہ اپنی باتوں سے جب چاہتا گھر بھر کو ہنسا سکتا تھا اور اس گھر بھر میں سیما بھی شامل تھی۔!

انور اور نفیسہ کا معاملہ یہ تھا کہ انور نفیسہ سے ڈرتا تھا، اور وہ اپنے بیٹے پر بالکل حاوی تھی، رشید اور فاطمہ بیگم کا معاملہ بالکل دوسرا تھا، رشید پر بالکل حاوی نہیں تھیں، اپنی حکمت عملی، مذاق اور خوش دلی کے باعث، جس طرح وہ دوسروں سے اپنے کام نکال لیتا تھا، اس

فاطمہ بیگم سے بھی، ان میں سکت نہیں تھی کہ اس کی کوئی بات ٹال سکیں
ہیہ جو سب کے سامنے ہمیشہ اپنے تئیں لئے دیئے رہتی تھی، جس کے
ے کوئی سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ رشید کے سامنے بے بس ہو جاتی تھی!
رن وہ سیما کو ہیچ اور قابل نفرت سمجھتی تھی، اسی طرح وہ چاہتی تھی کہ
ور ثروت اور رشید بھی سمجھیں، فاطمہ اور ثروت نے تو بات مان
لی رشید قابو میں نہیں آیا، اس نے ایک دن صاف صاف کہہ دیا،
دیکھئے! —— ہر شخص کی طبیعت اور فطرت جدا ہوتی ہے، صحیح
کم یا زیادہ، آپ بہر حال سیما سے نفرت کرتی ہیں، میرے پاس
ہ نہیں ہے کہ میں اس سے نفرت کر سکوں، وہ میرے ماموں
ی یادگار ہے، میں نے انھیں بچپن میں دیکھا تھا، لیکن ہمیشہ ان
ت کرتا رہا، لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ میں اسے اچھوت سمجھوں۔!
اور نفیسہ کوئی جواب نہ دے سکی۔

ہی نہیں بلکہ وہ رشید کو اس سے ملنے سے بھی نہ روک سکی؛
بکہ وہ یہ بھی برداشت کرنے پر مجبور ہو گئی کہ فاطمہ اور ثروت سیما
مری میں جائیں، اور وہ ان دونوں کے کمرے میں گھنٹوں بیٹھے اٹھے
اور کسی قیمت پر یہ نہیں چاہتا تھا کہ رشید سیما سے ملے۔!
وہ اس کے ملنے سے جلتا تھا، اسے اپنا رقیب سمجھنے لگا تھا!
یک روز اس نے ذرا بگڑتے ہوئے لہجہ میں کہا،
ماں میں اسے بالکل گوارا نہیں کر سکتا کہ رشید صاحب سیما سے

خلا ملا بڑھائیں —!

نفیسہ نے کہا میں بھی ان باتوں کو پسند نہیں کرتی، لیکن کیا کروں
بھلا رشید کو کون سمجھا سکتا ہے، وہ خود ہی بہت بڑا افلاطون ہے۔

پھر اس نے انہام تفہیم کے لہجہ میں کہا

اور بیٹے ہرج کیا ؟ اس سے کوئی بھی ملے جلے، یا وہ کسی سے
ضبط بڑھائے، ہم دوسرے کے پھٹے میں پاؤں اڑانے والے کون۔

اور بھیا ایک بات اور بھی سن لو، تالی دونوں ہاتھوں سے
بجتی ہے، ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، اگر سیما بیگم، اس سے نہ ملنا چاہیں
تو انھیں کون مجبور کر سکتا ہے۔۔!

انور خاموشی سے ماں کی یہ باتیں سن رہا تھا، تھوڑے سے وقفہ
کے بعد، پھر نفیسہ نے کہا

جب کبھی ادھر سے گذرتی ہوں، رشید کو بیٹھا پاتی ہوں، ہنسی ہو رہی
ہے، قہقہے لگ رہے ہیں، ٹھٹھے لگائے جا رہے ہیں، بھلا ایسی بے تکلفی
میاں بیوی میں بھی ٹھیک نہیں، نہ کہ ایک غیر مرد سے، اور ایک غیر
عورت میں، مجھے تو فاطمہ بہن پر حیرت ہے، کہ وہ کیسے یہ باتیں برداشت
کر لیتی ہیں ؟ دیکھ لینا ایک دن روئیں گی، دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر، یہ
بے تکلفی رنگ لائے بغیر نہیں رہے گی —!

انور کی سمجھ میں ماں کی بات آگئی، اُس نے کہا،

ہیں کہا۔؟

نفیسہ نے کہا،

ایک میری بچی شوکت ہے ' ایک ایک ادا پر قربان ہونے کو جی چاہتا
نی شرمیلی ، مہذب ، نستعلیق ، سگھڑ اور اچھی لڑکی میں نے آج
نہیں دیکھی ، بات کرے گی تو منہ سے پھول جھڑتے گے ، لیکن کیا مجال
مرد تو مرد عورت سے بھی آنکھیں چار کرے ۔!

انور ۔ ہاں یہ تو میں بھی دیکھتا ہوں واقعی اچھی عادت ہے ۔!

نفیسہ :۔ آخر خون اپنا رنگ لائے بغیر نہیں رہتا ، نہ جانے کہاں کی
ہے؟ جیسا خون ویسی فطرت ۔!

انور :۔ کون اماں ۔؟

نفیسہ :۔ اے وہی سیما بیگم اور کون ؟ موئی رنڈی بچی ، پہلے سیٹ
پر ڈورے ڈالتی رہی ، اب رشید ہاتھ آ گیا ہے ، وہ چلا جائے گا
ی دوسرے کو تاک لیں گی ؛

انور :۔ تعجب ہے سیما ایسی تھی تو نہیں ۔

نفیسہ :۔ تم کیا جانو تھی یا نہیں ؟ ہم سے پوچھو ، ہر وقت سب
لک دیکھا کرتے ہیں ؟

انور :۔ خیر چھوڑیئے اس ذکر کو !

نفیسہ :۔ میں خود لعنت بھیجتی ہوں اس ذکر پر ——————
ن چاہے قیامت آ جائے ، اب تک تو میں چپ رہی ، اب نہیں چپ
ں گی ۔!

انور:۔ کیا ہوا اماں جان؟ کچھ کہئے تو ۔۔!

نفیسہ:۔ ثروت کو نہیں ملنے دوں گی سیما کی بچی سے ۔!

انور:۔ کیوں آخر؟

نفیسہ:۔ تخم تاثیر، صحبت کا اثر ـــــــــ صحبت کا اثر

بڑی چیز ہے بیٹے ۔!

انور:۔ ہاں، میں بھی جانتا ہوں، لیکن ثروت ہوں یا سیما پہلے

تو دونوں ایک ہیں۔!

نفیسہ:۔ واہ بیٹے، یہ تم نے کیا کہہ دیا، ایک کیسے ہیں۔؟

انور:۔ اور کیا ہیں ۔؟

نفیسہ:۔ ثروت، تیرے باپ کی سگی بہن کی بیٹی ہے، اور ـــــــ

ـــــــ وہ کون ہے تیری؟

انور:۔ ہاں ـــــــ خیر ہوگا،

نفیسہ:۔ ہوگا کیسے ایک اور بات بھی تو ہے، اسی لئے تو اور میں

اس کی کرید رکھتی ہوں کہ ثروت سیما سے نہ ملنے پائے کسی طرح۔

انور:۔ وہ کون سی بات ہے اماں۔؟

نفیسہ:۔ آج ہی کل میں وہ میری بہو بھی تو بننے والی ہے۔

انور خاموش ہوگیا،

نفیسہ نے کہا:

میں نے تو فاطمہ بہن سے بھی کہہ دیا تھا کہ میں تو برداشت کر یا

بکن انور کسی طرح برداشت نہیں کر سکے گا، کہ وہ بیما کے
نے بیٹھے۔

انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

نفیسہ کا سلسلۂ سخن بدستور جاری تھا،

اور سچ تو یہ ہے کہ جب تک دو بول نہیں پڑھ دیئے جاتے، اس
بک زیادہ زور بھی دکھانا ٹھیک نہیں ہے، اسی لئے میں نے اب
وگوں سے یہ بات بھی چھپا رکھی ہے کہ ثروت میری بہو بنے گی۔
ے کیا کیا گل کھلیں۔؟

انور نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا:

نفیسہ بیگم بولیں

اللہ جانتا ہے، ثروت کو دیکھ لیتی ہوں تو کلیجہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے
پیاری لڑکی ہے۔

انور اٹھ کھڑا ہوا۔

نفیسہ نے پوچھا "کہاں چلے بیٹے؟"

انور:۔ آج کرکٹ کا میچ ہے اسے دیکھنے جا رہا ہوں!

نفیسہ:۔ اکیلے۔؟ رشید نہیں جائے گا، تمھارے ساتھ۔؟

انور:۔ جی نہیں۔!

نفیسہ:۔ یونہی جھوٹ موٹ پوچھ تو دیکھو۔ انور:۔ کیا ضرورت ہے، جہاں
ہوں وہاں وہ بھی جائیں۔ نفیسہ خاموش ہو رہی اور وہ چلا گیا۔!

باب ۳۸

ہجوم میں تنہائی!

انور ماں کے پاس سے اٹھ کر میچ دیکھنے چلا گیا، لیکن اس کا
دل وہاں نہیں لگا — !

لوگ کھیلنے والوں کو داد دے رہے تھے، اُن کی حوصلہ افزائی کر
رہے تھے، ہر ہر منٹ پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آگئی، لیکن انور
خیال کی سیر کر رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا، کیا واقعی سیما اور رشید میں پینگ بڑھ رہے
دل نے خود بخود جواب دیا، تمھیں کیا، جب تم اس سے کوئی تعلق نہیں
رکھ سکتے، مل نہیں سکتے، شادی نہیں کر سکتے، تو تمھیں اس سے کیا
وہ کس سے ملتی ہے؟ کیا کرتی ہے؟ کیا سوچتی ہے؟

پھر اس کے دل میں خیال آیا،

کیوں نہ میں سیما سے ملوں اور اس معاملہ کو صاف کروں!

...ایا! میں پوچھوں، تم نے رشید کو واقعی پسند کر لیا ؟ اُس نے ...تمہیں جیت لیا۔؟

لیکن اس خیال پر بھی وہ قائم نہ رہ سکا۔!

جب وہ یہ سوچتا، مثلاً یہ خیال، اگر کہیں سیما نے پوچھ لیا، کہئے حضرت آپ کے وہ بلند بانگ دعوے کیا ہوئے ؟ آپ کا ...ن محبت کدھر گیا ؟ آپ کا شادی کا وعدہ کیا ہوا ؟ ——— ...وعدہ یعنی نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو ؟ ——— پھر میں ...جواب دوں گا۔؟

دفعتہً سیما کی تصویر نظر کے سامنے آجاتی، اور وہ شرمندگی کے ...ث اس سے آنکھیں نہ چار کر سکتا،

وہ سوچنے لگتا،

جب میں عہد وفا نہ نباہ سکا تو کس برتے پر اس سے وفاداری ...ب کر سکتا ہوں ! جب میں نے دھوکے کے سوا کچھ نہ دیا، تو میں اس ...ے دیانت کی توقع کیوں کروں۔!

ہاں یہ ضرور ہے کہ میں مجبور تھا،

لیکن میری مجبوری کو وہ نہیں سمجھ سکتی ——— یہ عجیب قسم ...مجبوری اس کی سمجھ میں نہیں آ سکتی ——— یہ ایک عام خیالی ...ہے کہ عورت بڑی بے کس ہوتی ہے، اور مرد مختار، وہ کچھ نہیں کر سکتی، یہ ...ب کچھ کر سکتا ہے، وہ موم ہے، یہ فولاد ہے، لیکن کبھی کبھی اس کے برعکس

بھی ہوتا ہے، حالات مرد کو بھی عورت کی طرح، بلکہ اس سے زیادہ
بس کر دیتے ہیں ۔!

وہ سوچ رہا تھا

میں نے سیما کو چاہا، اس سے دیوانہ وار محبت کی، اسے اپنی
اور آرزوؤں کا مرکز بنایا، اس سے شادی کر لینے کا اٹل فیصلہ کر لیا، مگر
یہ اٹل فیصلہ مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ثابت ہوا۔

اپنی خوشی کے لئے، اپنی زندگی بنانے کے لئے، اپنی آرزو پوری کرنے
کے لئے میں کس طرح برداشت کر لیتا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی ما
کو مرتا دیکھ لوں۔؟

اماں جان ———— جان پر کھیل گئیں :

وہ جیت گئیں، میں ہار گیا، نہیں مجھے ہارنا پڑا۔

جب سے اب تک کتنی دفعہ بغاوت کے منصوبے باندھ چکا ہوں
کتنی دفعہ سرکشی کے ارادے کر چکا ہوں، لیکن یہ منصوبے اور ارادے
مکڑی کے جالے کی طرح کمزور اور بودے ثابت ہوئے۔

وہ اب میرا بہت لحاظ کرتی ہیں، ہر وقت شفقت و محبت کے
برسایا کرتی ہیں، میرا منہ تکا کرتی ہیں، ہر وقت میرا جائزہ لیا کرتی ہیں
کہیں میں بغاوت کے لئے پر تو نہیں تول رہا ہوں؟ ان کی یہ حالت مجھ
سے نہیں دیکھی جاتی۔

میں جانتا ہوں، وہ ضدی ہیں، سنگ دل ہیں، احساس برتری کے

رض میں مبتلا ہیں، لیکن بہر حال میری ماں ہیں، میں ان کا اکلوتا لڑکا ہوں
ن کی زندگی کا سہارا، اُن کی امیدوں اور آرزؤوں کا مرکز، بغاوت کرکے
ن کی جان نہیں لے سکتا، لہٰذا اپنا دل مارنے پر، اپنی آرزؤوں کو قربان
رنے پر، اپنے ارادوں کو توڑنے پر مجبور ہوں۔!

جب کبھی میں باہر سے آتا ہوں وہ سب کام چھوڑ کر میری خاطر داری
ں لگ جاتی ہیں، بات بات پر میرا خیال کرتی ہیں، یہ محبت نہیں،
ت سے زیادہ خوشامد ہے ——— لیکن ماں کی خوشامد، اس
شامد کو ٹھکرانا بھی تو میرے بس میں نہیں، اس خوشامد کو ٹھکرا دوں،
اُن کا کیا حال ہوگا۔؟

وہ بضد ہیں کہ میری شادی ہو، اور اسی کے ساتھ ہو جس کے ساتھ
چاہیں، اس ضد کے پورے ہونے پر اُن کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہے،
ں جانتا ہوں وہ اپنی آن پر بڑے اطمینان سے جان دے سکتی ہیں۔
——— لیکن ان کی جان میں لوں، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔!

یہ سچ ہے سیما میری رگ رگ اور نس نس میں بسی ہوئی ہے، وہ
ے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے، اس کی محبت میری سانس بن چکی ہے
اُسے کبھی نہیں بھول سکتا، میں اُسے کبھی نہیں چھوڑ سکتا، میں اُس
ے بھی نفرت نہیں کر سکتا، دس ہزار ثروت اُس کی خاکِ پا پر قربان، صرف
ل رکھنے کے لئے، میں نے سیما کی تمام برائیاں سن لیں، بلکہ کسی حد تک
ائی کر دی، مجھ سے اُن کا وہ اضطراب نہیں دیکھا جاتا جواب تک میرے بارے

ہیں اُن کے دل کو زیر و زبر کر رہا ہے۔

مجھ پر ظاہر کئے بغیر، میرا عندیہ لئے بغیر، وہ برابر میری ٹوہ لیتی رہی ہیں، میرا عندیہ لیتی رہتی ہیں، وہ ڈرتی ہیں کہیں اُن کی پسند کو ناپسند نہ کر دوں، کہیں پھر بغاوت اور سرکشی پر نہ اُتر آؤں؟ اُن کا دل دھڑکتا رہتا ہے اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟ ——— لیکن ہر قیمت پر، حتیٰ کہ اپنی جان کی بازی لگا کر بھی، میں اُنھیں مایوس نہیں کروں گا، بہت سی کمزوریوں، برائیوں، اور غلط کاریوں کے باوجود میری ماں ہیں، جسے مجھ سے عشق ہے نہیں مجھے اُن کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی پڑیں گے، مجھے ثروت سے شادی کرنی ہی پڑے گی، خواہ مجھے ثروت سے نفرت ہی کیوں نہ ہو!

ہاں مجھے ثروت سے نفرت ہے، صرف ثروت ہی سے نہیں۔ رشید اور فاطمہ پھوپی سے بھی!

یہ سب میرے معیار سے بالکل پست ہیں۔

اماں کی خاطر آج مجھے ثروت کی آخر لفیہ کرنی پڑی، اور جب تک وہ زندہ ہیں مجھے یہ ڈرامہ کھیلنا پڑے گا!

ہاں ——— سیما میرے ہاتھ سے نکل گئی!

میں اُسے نہ پا سکا، اور اب شاید کبھی نہ پا سکوں گا۔!

یہ غم مجھے زندہ نہیں رہنے دے گا، میری جان لے لے گا، لیکن کچھ بھی ہو، اماں کی ضد بہرحال پوری ہوگی، ممکن ہے کہ شادی کے دن، ان کا خوشی سے دمکتا ہوا چہرہ دیکھ کر میرا یہ زخم کسی حد تک مندمل

ہو جائے، ورنہ ہو تو بھی مجھے یہ زخم نہاں منظور ہے، لیکن ان کا زرد چہرہ نہیں دیکھ سکتا ——————— آہ وہ دن جب شکست پورہیں فاقہ کی حالت میں انھیں میں نے دیکھا تھا۔ ! رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس منظر کے تصور سے

تکلیف جو کچھ ہے وہ صرف اس خیال سے کہ سیما بھی مجھے ذلیل سمجھنے لگی ہوگی —— لیکن کیا کر سکتا ہوں، اسے حق ہے میرے بارے میں زیادہ سے زیادہ بری رائے قائم کرے، میں کب اس قابل ہوں کہ اسے منہ دکھا سکوں؟

یہ رشید اور سیما کا افسانہ جو اماں جان سُنا رہی تھیں ———— ———— میں نے تردید تو نہیں کی، لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔

سیما کے کردار اور سیرت کو جتنا میں نے سمجھا ہے، کوئی نہیں سمجھ سکا، رشید ضرور اس سے بدنیتی کے ساتھ ملتا ہوگا، ممکن ہے اس نے ڈورے ڈالنے کی بھی کوشش کی ہو لیکن سیما، سیما ہے، وہ کسی کے دھوکے، اور فریب میں نہیں آ سکتی، وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے، یہ ممکن ہے لیکن کسی اور کی ہو جائے، یہ ناممکن ہے، قطعاً ناممکن —!

فیلڈ میں میچ ہو رہا تھا، اور انور تخیلات کی دنیا میں کھویا ہوا تھا، ———— ہجوم میں تنہائی ————!

میچ ختم ہوا، تو وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا، ابھی فیلڈ سے باہر نہیں نکلا تھا کہ شاہد نے اسے پکڑ لیا۔

کیوں حضرت اکیلے اکیلے۔؟

انور مسکرایا۔

اکیلے اکیلے کہاں تم بھی تو تھے۔!

شاہد:۔ باتیں بنانے کے فن میں تو واقعی طاق ہو۔!

انور:۔ صرف طاق ہی نہیں شہرہ آفاق بھی۔!

شاہد:۔ نہیں ہو تو ہو جاؤ گے ——— بچے کے پاؤں پالنے میں پہچانے جاتے ہیں، اُس دن وعدہ کرکے گئے تھے کہ کل پھر آئیں گے اور آج تک آ رہے ہو۔!

انور:۔ ارے بھئی تمھیں کیا معلوم کن اُلجھنوں میں گرفتار ہوں ——— آج کل

جو گذرتے ہیں داغؔ پر صدمے
آپ بندہ نواز کیا جانیں!

شاہد:۔ سمجھ گیا، بس اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

انور:۔ کیا سمجھے۔؟

شاہد:۔ آنکھ لڑی ہے کسی سے۔!

انور:۔ بہت خوب ——— اور کیا سمجھے؟

شاہد:۔ یہ مورچہ سر ہوتا نظر نہیں آتا!

انور:۔ سبحان اللہ ——— اور کیا سمجھ میں آیا۔؟

شاہد:۔ دشمن رخنہ اندازی کر رہے ہیں۔

انور:- لاناتو ہاتھ ـــ
شاہد:- یہ کیوں جناب ـ؟
انور:- بیعت کروں گا ـــــــــــــــ ہم تو مرشد تھے،
۔۔ل نکلے ـ!
شاہد:- آج نہیں تو کل بیعت کرنے پر مجبور ہو گے، ہمیں سمجھتے
۔۔ہو، اڑتی چڑیا کو پہچانتے ہیں ـ!
انور:- حق! حق! حق!!
شاہد:- دیکھو اگر فقیر کو خفا کرو گے، تو اچھا نہیں ہو گا۔
انور:- کیا ہو گا پھر؟ آپ بددعا دیں گے ـ؟
شاہد:- تمھیں ایک نگاہ میں جلا کر خاک کر دوں گا، ــــــــ
ــــ بددعا عورتیں دیتی ہیں ـ!
انور:- جلا کر خاک کر دوں گا، حضرت شاہ صاحب ہم تو خاک
۔۔ہی ہو چکے، اب کیا ہوں گے؟
شاہد:- خاکستر کر دوں گا۔
انور:- اس کا وقت بھی نکل گیا میرے حضور ــــــ کرید تے
۔۔ب خاک جستجو کیا ہے ـ!؟
شاہد نے انور کے گلے میں بانہیں ڈال دیں:
۔۔ار واقعی کچھ پریشان نظر آتے ہو ـــــــ ہمیں بھی اپنا
۔۔بتاؤ گے؟

انور:۔ کوئی راز ہو تو بتاؤں ———— آؤ چلو آج کھانا ساتھ کھائیں گے ——!

شاہد:۔ بہت خوب فرمایا سرکار نے کھانا کھلانے کی ملانے کو فقیر کو آپ کی دعا سے روز کھاتا ہوں۔———— کنجوس کہیں کے۔!

انور:۔ پھر کیا چاہتے ہو—؟

شاہد:۔ سینما!

انور:۔ اچھا بھئی خفا نہ ہو، سینما چلو، کہاں چلو گے؟

شاہد:۔ جہاں لے چلو ———— مجھے تو خوشی ہے کہ جو کچھ کہو بجا ہے۔

دونوں دوست رائل سینما میں جاکر بیٹھ گئے۔

فلم بڑی دلچسپ اور مزاحیہ تھی، شاہد تو اس کی دلچسپی میں کھو گیا اتنے قہقہے لگائے کہ ہال گونج گیا، لوٹا جاتا تھا ہنستے ہنستے، لیکن انور صمٌ بکمٌ بنا بیٹھا تھا۔!

پردۂ فلم پر اداکاروں کی جلوہ نمائیاں ہو رہی تھیں، اور وہ خاموشی اور یک سوئی کے ساتھ سیما سے باتیں کر رہا تھا ———— وہی دل کی باتیں—!

——— ٭ ———

باب ۳۴

یہ لوگ!

فاطمہ بیگم بڑی فطرتی اور چالاک عورت تھیں، بڑی میٹھی، لیکن زہر
کی ہوئی ہنستوں کو رُلا دینا، اور روتوں کو ہنسا دینا ان کے بائیں ہاتھ
کا کھیل تھا، دوستوں میں دشمنی کرا دینا اور دشمنوں کو دوست بنا دینا ان کا
محبوب شغل تھا، گڑھے مُردے اس طرح اکھیڑتی تھیں کہ وہ "زندہ برآمد
ہوتے تھے، اور جیتوں کو اس طرح زندہ درگور کر دیتی تھیں، کہ وہ پھر ہمیشہ
کے لئے زندگی سے محروم ہو جاتے تھے، نفیسہ کے مرحوم شوہر خاقان میاں
بڑے مرنجاں مرنج آدمی تھے، وہ فاطمہ بیگم کی یہ حرکتیں نہ برداشت کر سکے
ایک مرتبہ ایسی لڑائی ہوئی، کہ دونوں نے ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے
سے نہ ملنے کا عہد کر لیا، نفیسہ ہمیشہ سے فاطمہ کی قدردان تھی، خاقان کے
مرض الموت میں اس نے بڑی کوشش کی فاطمہ کو بلانے کی، لیکن وہ بھی آن
کے بڑے پکے تھے نہ ماننا تھا نہ مانے، مرتے مر گئے، لیکن، بہن کی صورت

نہ دیکھی، فاطمہ کے شوہر، خاقان کی زندگی ہی میں وفات پا چکے تھے، بیوہ ہونے کے بعد بھائی کے ہاں اٹھ آئیں، جب لڑائی ہوئی، تو پھر سسرال واپس چلی گئیں، کوئی بہت بڑی جائداد تو نہ تھی، لیکن اتنی تھی کہ اپنے گوشت روٹی کھا لیتے تھے یہ لوگ، خاقان کی خبرِ وفات سننے کے بعد، فاطمہ نے اڑنے کے لئے پر پرواز پیدا کئے، لیکن، نفیسہ اپنی اُلجھنوں میں، باپ کے عقدِ ثانی اور پھر حساب کتاب اور دوسری پریشانیوں میں اتنی الجھی رہی کہ اُس نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی، اب سیما کا معاملہ جو اٹھا، تو اُس نے فوراً خط بھیج کر، فاطمہ کو بلوا لیا، اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں، خط ملتے ہی چل پڑیں۔

فاطمہ بیگم اس اعتبار سے خوش قسمت تھیں کہ اولاد کی طرف سے انھیں کوئی دکھ نہیں تھا، ثروت اُن کی خوب صورت لیکن بدسیرت لڑکی تھی، جس ڈگر پر ماں نے چلایا، چلی، حسد، بدگمانی، بدزبانی، بدگوئی، اس کی سرشت تھی، لیکن ماں کی طرح اتنی خاموش اور میٹھی تھی کہ پہلی نظر میں کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا، یہ اس طرح کی چالباز اور دیدہ دلیر لڑکی ہے، صورت دیکھئے تو سراپا معصومیت، سیرت دیکھئے تو زہر ہلاہل،

یہاں آنے سے پہلے اس کی منگنی، خاندان کے ایک نوجوان تعلیم یافتہ، لیکن متوسط الحال شخص سے، ہو چکی تھی، اور منگنی سے پہلے پوشیدہ طور پر "کورٹ شپ" بھی ہو چکا تھا، یعنی ایک دوسرے سے خلا ملا، ربط ضبط، یہ منگنی بھی فاطمہ نے کی تھی، لیکن خوش دلی اور مسرت کے

رضامندی ثروت کی بھی شریک تھی، امجد کو دعویٰ تھا کہ وہ ثروت
انتہا محبت کرتا ہے، اور ثروت کا دعویٰ تھا، محبت میں عورت
مقابلہ نہیں کر سکتا! ——— یعنی وہ اپنی برتری ثابت
۔ لیکن نفیسہ کا خط، جب فاطمہ نے ثروت کو دکھایا، تو وہ مسکرا
پھر فاطمہ نے مشورۃً دریافت کیا!

بول بیٹی اب کیا کروں؟ ادھر امجد سے منگنی ہو چکی تیری، ادھر
انور سے تیرا بیاہ کرنے کو کہتی ہیں —!

بغیر کسی تامل کے ثروت نے ماں سے کہا،

خود سوچ لو، امجد اور انور میں کون بہتر ہے۔؟

فاطمہ نے کہا:

انور ہر اعتبار سے بہتر ہے، ایک تو اپنا خون، پھر دولت مند یہاں
کے ہاں، بس کھاپی لوگی، پہن اوڑھ لوگی، باقی اللہ اللہ خیر صلاً، اور
یوی نہیں، تو سونے چاندی کے برتنوں میں کھاؤگی، ریشم اور کمخواب
سب پر راج کروگی ——— اکلوتا بیٹا ہے ماں کا۔!

ثروت بولی، تو پھر مجھ سے کیا پوچھتی ہو—؟

فاطمہ نے پوچھا، ہاں کرلوں ؟

وہ بغیر کسی جھجک کے ——— امجد سے پیمانِ وفا باندھ
کے باوجود، اور انور کو ایک دفعہ بھی دیکھے بغیر——بولی،
ظاہر ہے——— ہاں نہیں کروگی تو کیا نا کردوگی۔؟

فاطمہ بیگم نے سعادت مند اور چہیتی بیٹی کی چٹاچٹ بلائیں
پیشانی چومی اور فرمایا،

خدا نے چاہا تو میری بچی ملکہ بن کر بادشاہت کرے گی
کے گھر پر !

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ قسمت کا مارا امجد آگیا، اُسے کیا معل
یہاں کیا کھچڑی پک رہی تھی، گو اب تک نکاح نہیں ہوا تھا
اس کی حیثیت تو داماد ہی کی تھی، لیکن اس وقت ماں بیٹی اُسے دیکھ
جل ہی تو گئیں۔ فاطمہ نے کمرے سے جاتے ہوئے کہا

تو یہ ہے، نہ صبح دیکھو، نہ شام، نہ وقت بے وقت، جب
دھنستے چلے آرہے ہو۔ !

یہ کہہ کر وہ تو بادِ سموم کی طرح چلی گئیں، لیکن امجد پر بجلی گر
ایسا تلخ لہجہ، اتنی بے مروتی کا سلوک، یہ چلے بھُنے تیور اس نے کا
دیکھے تھے، اب تک وہ جب آتا تھا، در و دیوار اُس کا استقبال
کو پلکتے تھے، آج وہ بارِ خاطر بن گیا، فاطمہ کے جانے کے بعد
ثروت کے قریب آکر بیٹھ گیا،

کیا بات ہے، امّاں جان کچھ خفا ہیں۔؟

ثروت پرے ہٹ کر منہ بنا کر بولی،

خفا کیوں ہوتیں۔؟ لیکن تم بھی تو بے تکا پن کرتے ہوئے
دئے چلے آئے۔ !

امجد :۔ تو کیا تعجب ہو گیا ؟ ——— یہ کوئی نئی بات
نہیں ہے، دن میں دس مرتبہ اس طرح آتا ہوں ——!
ثروت :۔ ہمیں نہیں اچھی لگتیں یہ باتیں ——— ہاں :
امجد :۔ (حیرت سے) تمھیں بھی —— ؟
ثروت :۔ (بے مروتی سے) اور کیا، ذرا تہذیب سیکھو، آدمی بنو،
اگر یہی لچھن رہے، تو بھئی ہمارا تمھارا نباہ نہیں ہو سکتا ——!
امجد غریب تھا، لیکن خود دار تھا، اُس نے جل کر کہا،
نباہ بیچارے کو کیوں بدنام کرتی ہو، شادی کو کہو ——— !
ثروت :۔ (غصّہ میں) اچھا یہی سہی ! ——— واہ چلے ہیں آدَ
جانے جب اب یہ حال ہے تو شادی کے بعد تو شاید جوتے مارنے لگو !
امجد پھر سنبھل گیا،
ثروت ! ثروت ! یہ تم لوگوں کو آج کیا ہو گیا ہے ؟
وہ بگڑ کر بولی ۔ جنون ! ——— بس اب معاف کرو خطا —— !
اتنے میں فاطمہ بیگم پھر آگئیں، چشم و ابرو سے آگ برس رہی تھی، ایسا
معلوم ہو رہا تھا، اوٹ میں کھڑی ساری باتیں سُن رہی تھیں، آتے ہی فرمایا،
نا بھیا، یہ جلال کسی اور کو دکھانا، یہاں کوئی یہ جلوے دیکھنے والا نہیں !
امجد نے بڑی نرمی سے کہا،
امّاں جان نہ جانے کیا بات ہے آج آپ بات بات پر خفا ہو رہی
ہیں کوئی خطا بھی ہو میری ——!

فاطمہ:۔ خطا تمھاری نہیں ہماری ہے، ہم اس قابل نہیں کہ آپ سے رشتہ کرکے فخر حاصل کرسکیں ——!

امجد:۔ یعنی آپ نے فیصلہ کرلیا ہے کہ منگنی توڑ دیں گی ۔؟

فاطمہ:۔ عقل کے ناخن لے لڑکے ——— منگنی کی حیثیت ہی کیا ہے، کوئی نکاح ہے جو ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا سوال پیدا ہو۔؟

امجد:۔ تو میں سمجھ لوں، میں اب تک غلط فہمی میں تھا، مجھے دھوکے میں رکھا گیا؟

فاطمہ:۔ ہاں سمجھ لو۔!

امجد:۔ آپ کی شرافت سے مجھے یہ توقع تو نہیں تھی،

فاطمہ:۔ اب تو ہو گئی !!!

امجد:۔ بہتر ——— تو میں جاتا ہوں۔

فاطمہ:۔ الٰہی تیرا شکر!

امجد غصہ میں بھرا ہوا واپس چلا گیا!

اس کے جانے کے بعد، ثروت اور فاطمہ دونوں کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔!

رشید، طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے ماں اور بہن سے مختلف تھا۔

وہ ہنس مکھ تھا، ملنسار تھا، فیاض تھا، یار باش تھا، مجلس طراز تھا، ساتھ ہی ساتھ شاہد باز بھی تھا، رقص و نغمہ سے اسے بڑی دلچسپی تھی، یہ دلچسپی

یادہ تھی کہ وہ بالاخانوں تک جانے میں بھی تامل نہیں کرتا تھا۔ اِس
ردی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آوارہ اور اوباش بھی ہو گیا، رنڈیوں
ٹھے پر بھی پہنچا تھا، اور سو سائٹی گرلس سے بھی پینگ بڑھاتا تھا۔
اعتدال اور توازن کے ساتھ ہر قسم کی تماش بینی کے باوجود، اپنا پہلو
یے رکھتا تھا کہ باپ نے جتنی جائداد چھوڑی تھی، وہ اب تک جوں
ں قائم تھی، اکلّے تلّے کا مظاہرہ صرف اُس کی آمدنی پر منحصر تھا،
اعتدال پسندی نے اسے تباہ ہونے سے بچالیا۔

یہاں آنے کے بعد اس کی نگاہ سیما پر پڑی۔

سیما کے حالات نفیسہ کے خط سے معلوم ہی ہو چکے تھے، اُس نے
لاوارث مال ہے، کوئی سر نہیں ہو گا، اس نے آہستہ آہستہ طریقہ اور سلیقہ
ڈورے ڈالنے کی مہم شروع کر دی، یہ مہم اتنے غیر محسوس طریقہ سے شروع
خود سیما بھی نہ محسوس کر سکی، فاطمہ اور ثروت نے اگر محسوس بھی کیا
لت کی ضرورت نہیں سمجھی، نفیسہ دل سے چاہتی تھی، ان دونوں کا
بط بڑھے، حد سے زیادہ بڑھے، اتنا بڑھے کہ الور یہ یقین کرے کہ
کی لڑکی رنڈی ہی ہوتی ہے!

باب ۳۹

رنگ میں بھنگ!

بڑی دھوم دھام سے انور کی شادی ثروت کے ساتھ ہوگئی۔!

نفیسہ نے پانی کی طرح روپیہ صرف کیا، کسب داروں کو صرف جوڑے ہی نہیں دیئے بلکہ نقد، زیور، اور انعام واکرام کی بارش کردی، لوگ زیادہ سے زیادہ منہ مانگا انعام پاتے ہیں، لیکن نفیسہ نے اتنا دیا کہ اگر منہ سے مانگتے تو بھی اتنا نہ مانگ پاتے، دوست دشمن سب یہ کہہ رہے تھے، نفیسہ نے ختم کردی اُلوالعزمی کی، آج اگر خاقان میاں، یا مرزا صاحب زندہ ہوتے تو وہ بھی اتنا نہ کرپاتے!

نفیسہ کا یہ حال تھا کہ پھولی نہیں سماتی تھی مسرت کے مارے، فاطمہ بیگم نفیسہ سے زیادہ خوش تھیں، اور ثروت، فاطمہ اور نفیسہ دونوں سے زیادہ رہے حضرت رشید، وہ نہ ناخوش تھے، نہ خوش، ایک بے پروا، اور آشفتہ مزاج، وہ اپنی جنّت میں کھوئے ہوئے تھے!

اور جب نفیسہ کے سامنے دولھا بن کر آیا، تو اسے شادیٔ مرگ
ہوتے رہ گیا، دونوں مٹھیوں میں نہ جانے کب کی جمع کی ہوئی اشرفیاں
بھریں اور اپنے اکلوتے بیٹے پر نچھاور کر دیں!

اور خود انور ———؟

وہ ماں کی بے پناہ مسرت دیکھکر خوش تھا، لیکن صرف ظاہر میں:-

سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے!

اُس کا دل رو رہا تھا،

وہ سیما کے ساتھ اپنی بدعہدی پر نادم تھا،

اور سیما؟ ———؟

اب تک وہ اچھوت تھی، آج وہ اچھوت سے بھی بدتر تھی، وہ اس گھر
موجود تھی، لیکن اسے بالکل الگ تھلگ رکھا گیا، نہ اسے دعوت میں
بلایا گیا، نہ اس سے آج کے دن کوئی کام لیا گیا، وہ عجیب کشمکش میں تھی،
نہ ظاہر کر سکتی تھی نہ افسوس، نہ الگ تھلگ رہ سکتی تھی، نہ حصہ لے سکتی
کوٹھری سے باہر نکل سکتی تھی، نہ اندر بیٹھی رہ سکتی تھی۔

غرض دوگونہ عذاب است جانِ مجنوں را:

اس فکر میں افسردہ اور مضمحل بیٹھی تھی، کہ اچانک رشید آگیا، اُس نے
وقت میں سیما کو دیکھا، تو کہا،

ارے بھئی سیما یوں کیوں بیٹھی ہو—؟

سیما نے مسکراتے ہوئے نشست کا پہلو بدلا اور کہا:

اچھا یوں سہی —!

رشید کا قہقہہ بلند ہوا۔

اوہ میرا مطلب یہ نہیں تھا، تمہاری حاضر جوابی تو نشی گم کر دیتی

سیما:۔ پھر کیا مطلب تھا آپ کا—؟

رشید:۔ آج اس گھر میں شادی ہے، ہر شخص مسرور نظر آرہا ہے۔ مہمانوں کا تانتا لگا ہوا ہے، لیکن تم سب سے الگ تھلگ، یوں خاموش اور افسردہ کیوں بیٹھی ہو—؟

سیما:۔ آپ نے روانی کلام میں کئی باتیں پوچھ ڈالیں، ان سب جواب ایک ساتھ کیسے دوں—؟

رشید:۔ ایک ایک کر کے سہی، لیکن جواب ضرور دو۔

سیما:۔ تو سنیئے —— الگ تھلگ۔ یوں ہوں کہ مجھے الگ تھلگ رکھا گیا، خاموش اس لئے ہوں کہ خود اپنے آپ سے گفتگو کی عادی نہیں، رہا افسردہ ہونا، تو یہ واقعہ نہیں محض آپ کی غلط فہمی ہے، خود ہی غور کیجئے، آخر افسردہ کیوں ہوں گی؟ کس لئے؟ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ مجھے خوشی ظاہر کرنے کا موقعہ نہیں ملا، اس لئے، اس کی جگہ ظاہری طور پر افسردگی نے لے لی ہو، سنا تو ہوگا آپ نے

—— خانہ خالی را دیوی گیرد—!

رشید کو پھر ہنسی آگئی۔

جواب تو خوب دیا!

سیما:۔ لیکن آپ بھی لاجواب ہوتے کہ نہیں؟

رشید:۔ ہو گیا بھئی!

سیما:۔ اب آپ میرے ایک سوال کا جواب دیجئے؟؟

رشید:۔ ضرور فرمائیے؟

سیما:۔ ہنگامہ ہائے نشاط و طرب میں حصہ لینے کے بجائے، ں نا ویرانہ میں کیوں آنکلے؟

رشید:۔ فرض کیجئے، میرے لئے یہ ویرانہ ہی ہنگامہ نشاط کا کا ام دیتا ہو تو؟

سیما:۔ یہ اَن ہونی باتیں ہیں؟ اسے کہتے ہیں بات میں بات پیدا یہ جواب نہ ہوا، سخن پروری ہوتی۔

رشید:۔ اچھا تو پھر تم ہی بتاؤ، میں کیوں چلا آیا یہاں اس وقت؟

سیما:۔ آپ کے کاموں کی جواب دہی بھی مجھ پر ہے؟

رشید:۔ ہاں کیا مضائقہ ہے، بتاؤ؟ تمھاری سمجھ میں کیا بات آتی ہے۔؟

سیما:۔ آپ اس لئے آئے ہیں کہ میری کس مپرسی کا مذاق اُڑائیں!

رشید:۔ میں اس لئے آیا ہوں؟

سیما:۔ پھر بتائیے اور کیا مقصد ہے آپ کا؟

رشید:۔ کچھ نہیں یوں ہی آگیا!

سیما:- اچھا آپ کی خاطر سے مانے لیتی ہوں، لیکن اب تشریف لے جایئے ۔!

رشید:- کیوں مجھے نکال کیوں رہی ہو۔؟

سیما:- (ہنس کر)، توبہ آپ بھی کیسی باتیں کرنے لگتے ہیں بعض وقت، نکالنے کا کیا سوال؟ آپ آتے رہتے ہیں، آتے رہیں گے، لیکن یہ موقعہ غلط ہے، اس سے غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں، اور وہ غلط فہمیاں آپ کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی، لیکن، نزلہ برعضو ضعیف کے مصداق، میرا سانس لینا دشوار کر دیں گی ——— شوق سے آیئے، جب تک چاہے بیٹھئے، لیکن "تنہا کبھی نہیں ۔!

رشید:- اچھا یہ بات ہے؟

سیما:- ہاں، کوئی بری بات تو نہیں ۔؟

رشید:- یعنی میرے آنے کے غلط معنی بھی لئے جا سکتے ہیں؟

سیما:- ہاں ——— آپ اس گھر کو نہیں جانتے، میں جانتی ہوں۔

رشید:- تم سے زیادہ جانتا ہوں، تم اس گھر کو جانتی ہو لیکن مجھے نہیں جانتیں۔

سیما:- ممکن ہے آپ کا یہی خیال صحیح ہو؟

رشید:- ہاں سیما ——— کس کے منہ میں اتنے دانت ہیں کہ مجھ پر اعتراض کرے؟

سیما:- کسی کے منہ میں نہیں؟

رشید:- پھر یہ اندیشہ کیوں —؟

سیما:- آپ کے لئے نہیں اپنے لئے ہے یہ اندیشہ —

رشید:- یعنی اعتراض مجھ پر نہیں تم پر کیا جائے گا؟

سیما:- جی! ——— اب بتایئے میں آپ کی طرح کس کس

(کو) توتی پھر دوں گی —؟

رشید:- میں تمھاری طرف سے بھی سمجھ لوں گا، جو بولے گا۔

سیما:- شکریہ اس نوازش کا، لیکن مجھے آپ کی یا کسی کی حفاظت

(کی ضرورت) نہیں —

رشید:- پھر تم کیا چاہتی ہو —؟

سیما:- یہ کہ، اس کی نوبت ہی نہ آنے پائے کہ مجھے اپنی صفائی

کی ضرورت پڑے، یا مجھ پر کوئی اعتراض کرنے کی جرأت کر سکے۔

رشید ہنس پڑا،

(خ)وف عورت کی فطرت ہے!

سیما:- ہاں بالکل اسی طرح جیسے مرد کی فطرت بے خوفی ہے۔

اتنے میں نفیسہ آگئی،

ارے رشید کیا کر رہے ہو اس وقت یہاں تم —؟

رشید سٹ پٹا گیا ——— کیا بنے بات جہاں بات بنائے

(نہ بنے)! ——— اس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا،

(ذ)را یونہی آگیا تھا،

نفیسہ:- کیا باتیں ہو رہی تھیں آخر؟

رشید کو بات چلانے کا موقعہ مل گیا،

کچھ نہیں ——— میں ان سے پوچھ رہا تھا، آج یہاں
شادی ہے، سارے گھر میں رونق ہے، ہماہمی ہے گھماگھمی ہے خوشی
کے ترانے ہیں، مسرت کے چہچہے ہیں، شہنائیوں کا شور ہے ——
——— اور تم سب سے الگ، چپ چاپ اپنی کوٹھری میں
بیٹھی ہو، حد یہ ہے کہ کپڑے تک نہیں بدلے تم نے؟
آخر کیوں —؟

نفیسہ کمر پر ہاتھ رکھکر کھڑی ہو گئی، پھر اُس نے پوچھا
تو کیا جواب ملا تھیں اس سوال کا۔؟

رشید پھر سٹ پٹا گیا؟ اس سوال کا جو جواب سیما نے دیا تھا
اس کا دوہرانا خالی از خطر نہیں تھا، لیکن آدمی زیرک تھا، بات بھی
میں آگئی —

ابھی یہ کوئی جواب دے کہاں پائی تھیں کہ آپ آگئیں،
نفیسہ نے کہا

میں بتاؤں اس کی وجہ؟ ———؟

رشید:- فرمائیے، ضرور فرمائیے!

نفیسہ:- ہماری خوشی اور اس کا رنج، دونوں ایک ہیں، یہ ہمیں
خوش دیکھ کر جلتی ہے، اکڑ مٹتی ہے، بھسم ہوتی جاتی ہے، لیکن خدا نے چاہا

م ہیشہ اس کے سینہ پر کودوں دلیں گے ۔!

رشید:۔ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی !

نفیسہ:۔ خدا نہ کرے تیری سمجھ میں آئے ـــــــ چل قاضی جی
ئے ہوں گے ـــــــ منحوس باپ کو کھا گئی، میرے ابا جان کو
ڈکار لئے نگل گئی، ارے اور تو اور خود اپنی ماں کو چبا گئی، اب نہ جانے
ما پر نظر ہے؟ کسے لقمہ بنائے گی؟ ـــــــ آ رشید چل ـــ
ـــــ میں کہتی ہوں اس کی صورت پر نحوست برستی ہے، جس گھر
یہ منحوس جائے گی وہاں کا بیڑا غرق کردے گی، لیکن کہیں بھی جائے
یں کیا، ہم تو یہ سمجھیں گے بلا ٹلی ـــــــ چل بٹیا رشید
ـــــ یہ اتنی بڑی منحوس اور منبر قدم ہے کہ اسی کی بدولت
ری بہنیں، صالحہ اور تو قیر چھنیں، غضب خدا کا انور کی شادی ہورہی
ہ اور اس کی سگی خالائیں، اسی شہر میں موجود ہیں اور نہیں آسکتیں،
ے ورنا آنے کا تو کسے آئے گا، کل رات سے کیا مجال ہے جو آنسو
ے ہوں مجھ بد نصیب کے ـــــــ رشید چل قاضی آچکے
ں گے ـــــــ ذرا دیکھو تو اس کلموہی کو کیسی چپ چاپ بیٹھی
وجیسے سانپ سونگھ گیا ہو، بڑی نیک، بڑی پارسا، اکیلے کمرے
ایک غیر مردوے کے ساتھ، جب ہی تو مسکرا مسکرا کر باتیں ہو رہی
ں ـــــــ موئی لچی کہیں کی ـــــــ!

نفیسہ بیگم نے یہ صلواتیں سنائیں، اور جھپ جھپ کرتی ہوئی

اپنے زرق برق کپڑے سنبھالے رشید کو وہیں چھوڑ کر چلی گئیں،

رشید کھڑا ہکا بکا انھیں دیکھتا رہا،

ان کا آنا اور جانا ایسا تھا، جیسے دفعتہً بڑے زور کا چھینٹا پڑے اور یک بیک تھوڑی دیر میں مطلع صاف ہو جائے۔

رشید کو، اگر نفیسہ بیگم ساتھ لے جاتیں تو کوئی بات نہیں تھی، پھر سیما سے وہ ہزار باتیں اپنی اس وقت کی خاموشی کی بنا سکتا تھا، لیکن ستم تو یہ ہوا کہ وہ دل کی بھڑاس نکال کے چپ چاپ چلی گئیں، اور وہ ایک مجرم کی طرح جہاں کھڑا تھا کھڑا رہا؛

سیما نے اس کی یہ کیفیت تاڑلی، اس نے کہا

مان لیجئے، ڈر صرف عورت ہی کی فطرت نہیں ہے، — مرد کی بھی ہے —

رشید حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا، اس کی حالت اس وقت واقعی، بہت زیادہ "قابل رحم تھی" ابھی چند منٹ پہلے وہ بڑی بڑھ بڑھ کے باتیں بنا رہا تھا، لیکن نفیسہ بیگم کے طنطنہ کے سامنے وہ ایک تنکے کی طرح بہ گیا،

سیما نے بڑا گہرا طنز کیا تھا، اور اس طنز کا اس مسخرے کے پاس کوئی جواب نہیں تھا؛

لیکن سیما بھی اس وقت پے بہ پے وار کرنے پر تلی ہوتی تھی، رشید کی بے بسی پر اس کا دل ذرا بھی نہ پسیجا!

اب بھی چلے جایئے ۔!

رشید چونک پڑا،

چلا جاؤں ۔؟

سیما:۔ ہاں ———— وہ ضرور پلٹیں گی، اور اس
نہ، جتنا میں سُن چکی ہوں، اس سے کئی گنا زیادہ، آپ کو سننا
ے گا ۔!

یہاں تک تو غنیمت تھا ———— سیما نے مزید سوال کیا،

کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں ۔؟

اب رشید سنبھل گیا،

ہاں میں تیار ہوں ۔!

سیما مسکرائی ۔ دیکھئے سوچ لیجئے ۔!

رشید:۔ وہ مجھے کچھ نہیں کہیں گی، اور اگر کہیں گی تو انھیں جواب
ملے گا میں تمھاری طرح چپ نہیں رہ سکتا،

سیما:۔ ہاں وہ تو میں جانتی ہوں، بلکہ ابھی دیکھ چکی ہوں ۔!

—— خیر میری خاطر اس وقت جایئے، پھر کسی مناسب وقت
تشریف لایئے گا ۔

آخر رشید نہ ٹھہر سکا، اسے چلا جانا پڑا ۔!

رشید کے جانے کے بعد، سیما کا وہ تبسم، اس کی وہ زندہ دلی حاضر
خوش طبعی، رخصت ہوگئی، وہ پھر کسی سوچ میں پڑگئی :

باب ۴۰
اظہارِ عشق!

انور اور ثروت کی شادی کو کئی دن گزر چکے تھے، مہمان رخصت ہو چکے تھے، ہما ہمی اور چہل پہل اپنے معمول پر آ گئی تھی۔

ایک روز، رشید پھر سیما کے کمرے میں پہنچا، وہ آج بھی تنہا تھی، اُس نے کہا،

آپ پھر آ گئے۔؟

رشید:- ہاں آ گیا ——— تم منع کر دگی تو بھی آتا رہوں گا

سیما:- نہیں، آنے سے تو آپ کو منع نہیں کرتی، شوق سے آیئے، لیکن ایسے وقت نہ آیئے جب میں تنہا ہوں۔

رشید:- لیکن آج تو میں تاک کر ایسے وقت آیا ہوں!

سیما:- (حیرت سے) کیوں —؟

رشید:- کچھ باتیں کرنی ہیں۔

سیما :- (اور زیادہ حیرت زدہ ہو کر) تنہائی میں ؟

رشید :- ہاں ، وہ ایسی ہی باتیں ہیں ،

سیما تو کہہ ڈالئے جلدی سے ،

رشید :- تم نے اپنے بارے میں آخر کیا سوچا ہے ؟

سیما :- کچھ نہیں ،

رشید :- اونہہ ، تم میرا مطلب نہیں سمجھیں ، کہنا یہ ہے کہ اپنے
[مستق]بل کے بارے میں کیا فیصلہ کیا تم نے ؟

سیما :- مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا حماقت ہے ۔

رشید :- سبحان اللہ یہ کیوں — ؟

سیما :- جو چیز انسان کے قبضے میں نہ ہو ، اس کے بارے میں فیصلہ
[کرن]ا حماقت نہیں تو کیا ہے -؟

رشید :- تو یہ ہے کبھی ——— پھر وہی فلسفہ ، اچھا مستقبل
[نہ]ی، حال کا فیصلہ تو انسان کے ہاتھ میں ہے ؟

سیما :- ہاں وہ ہے ۔

رشید :- تو بتاؤ ، اپنے حال کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ؟

سیما :- آپ کو کیوں بتاؤں ؟

اس سوال نے رشید کو گم سا کر دیا ، واقعی اس سوال کا کیا جواب
[ہو س]کتا ہے ، لیکن وہ لاجواب ہونے نہیں آیا تھا ، باتیں کرنے آیا تھا :

میرا مطلب یہ ہے کہ اب یہ صورت ختم ہونا چاہئے ۔

سیما:۔ کون سی صورت ۔ ؟

رشید:۔ یہی کہ میں کب آؤں، کب نہ آؤں،

سیما:۔ آخر آپ کیا چاہتے ہیں ۔ !

رشید:۔ میں وہ حق چاہتا ہوں، جسے حاصل کرنے کے بعد ہر وقت تمھارے پاس آسکوں ۔ !

اب سیما کی باری تھی،

وہ اتنی صاف، اور واضح گفتگو کے لئے تیار نہیں تھی، کیا جواب دے ؛ جب کچھ جواب نہ دے سکی، خاموش ہو رہی!

رشید:۔ سیما جواب دو ۔ !

سیما:۔ ایسی عجیب باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں!

رشید:۔ یہ عجیب باتیں ہیں ؟

سیما:۔ ہاں، کم ازکم میرے لئے ۔

رشید:۔ کچھ بھی ہو تمھیں میری بات ماننی پڑے گی ——— ——— میں تم سے محبت کرتا ہوں ۔ !

سیما:۔ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں ؟

رشید:۔ ہاں: ——— میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں ۔ !

بڑی سنجیدگی سے سیما نے جواب دیا:

لیکن میں اس قابل نہیں کہ مجھ سے محبت کی جائے، کیونکہ محبت کا

محبت سے نہیں دے سکتی ۔!
رشید :۔ میں جانتا ہوں، تم انور سے محبت کرتی ہو۔!
سیما خفا ہو گئی۔
میں کس سے محبت کرتی ہوں اور کس سے نفرت، آخر آپ اس
سے کیوں دلچسپی لیتے ہیں؟
رشید :۔ محبت کے باعث۔
سیما :۔ آپ کی محبت کو میں ٹھکراتی ہوں۔
رشید :۔ لیکن میں تمھیں نہیں ٹھکرا سکتا، نفیسہ ماتی نے ٹھکرا دیا،
انور نے شادی کرکے ٹھکرا دیا، تمھیں اس سارے گھر نے ٹھکرا دیا۔
میں نہیں ٹھکرا سکتا، اس لئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔!
سیما :۔ شکریہ :
رشید :۔ سیما تم میری بن جاؤ ۔!
سیما :۔ ناممکن بات کی تمنا نہ کیجئے، میں کسی کی نہیں بن سکتی ——
—— آپ ہی کی نہیں، کسی کی بھی نہیں۔
رشید :۔ اچھا مجھ سے محبت نہ کرو، نفرت کرو، نفرت کرتی رہو،
شادی کرلو میرے ساتھ ۔!
سیما :۔ نہیں، یہ بھی نہیں ہو سکتا، آپ مجھ سے محبت کرتے رہئے
شادی کا نام نہ لیجئے۔
رشید :۔ آخر تم مجھ سے کیوں کتراتی ہو۔؟

سیما:۔ للہ ایسے سوالات نہ کیجئے، میں نہ آپ سے کتراتی ہوں
نہ آپ سے کوئی واسطہ رکھنا چاہتی ہوں۔

رشید:۔ کیا اس لئے کہ میں انور کے مقابلہ میں غریب ہوں؟

سیما:۔ ممکن ہے آپ غریب ہوں، لیکن میں خود کافی امیر ہوں
ایک لاکھ روپیہ میرے پاس موجود ہے۔!

رشید:۔ ہوگا، وہ تمہارا روپیہ ہے مجھے اس سے کوئی سروکار
——— خدا کے لئے یہ بتا دو، تم مجھے کیوں ناقابلِ التفات سمجھتی ہو۔
——— کیا اس لئے کہ میں انور کے مقابلے میں بدصورت ہوں!

سیما:۔ آخر بار بار آپ انور کا ذکر کیوں کرنے لگتے ہیں؟

رشید:۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے، میں سب کچھ جانتا ہوں
تمہیں انور نے دھوکا دیا،

سیما:۔ غلط، کس نے کہا آپ سے؟

رشید:۔ مجھ سے نہ چھپاؤ، تمہیں انور نے دھوکا دیا، لیکن میں ا
نہیں کروں گا، میں ایک برا آدمی ہوں، میں نے پارسائی کا دعوٰی کبھی ن
میں عورتوں سے کھیلتا رہا، لیکن محبت کسی سے نہ کر سکا، اور خدا جانتا
پہلے دن جب تمہیں دیکھا تھا، محبت کا تیر اسی دن دل کے پار ہوگیا
تمہیں دھوکا دینا، ناممکن ہے، قطعًا ناممکن ——!

سیما:۔ میں نے کبھی آپ کو دھوکہ باز نہیں کہا۔

رشید:۔ نہیں، بجا طور پر تم خیال کرتی ہوگی کہ میں بھی انور جیسا

یما:۔ نہیں میرے دل میں یہ خیال کبھی نہیں آیا۔

رشید:۔ پھر میری التجا نہ ٹھکراؤ، مان لو، میرا کہنا!

یما:۔ اچھا ایک وعدہ کرتی ہوں، اس پر قناعت کیجئے۔

رشید:۔ (خوش ہوکر) کون سا وعدہ؟ بتاؤ جلدی بتاؤ یما؟

یما:۔ یہ کہ اگر شادی کر دوں گی، تو صرف آپ سے!

رشید:۔ نہیں یہ تو کچھ نہیں، آخر شادی کرنے میں تامل کیوں ہے؟

یما:۔ ہر بات دریافت نہ پوچھیے، ہر بات نہیں بتائی جا سکتی۔!

رشید:۔ صرف اس سوال کا جواب دے دو، پھر کچھ نہیں پوچھوں گا!

یما:۔ اِس کے علاوہ جو سوال کیجئے گا اس کا جواب دے دوں گی،

رشید:۔ (عاجز آکر) اللہری ضد۔!

یما:۔ اچھا یہی سمجھ لیجئے۔

رشید:۔ یما تم ایک بات نہیں جانتیں، جان لوگی تو یقیناً تمھارا طرزِ عمل بدل جائے گا۔

یما:۔ وہ کون سی بات؟

رشید:۔ تمھارے اقرار یا انکار پر میری زندگی اور موت منحصر ہے!

یما:۔ یعنی آپ کا عشق، یہاں تک بڑھ چکا ہے کہ انکار کی صورت میں آپ خودکشی کر لیں گے؟

رشید:۔ ہاں جھوٹ نہیں سچ۔!

یما:۔ میں بھی جھوٹا نہیں سمجھتی، لیکن آپ غلط راستے پر جا رہے ہیں

بالکل غلط راستے پر۔

رشید:۔ سچ کہتی ہو۔ ؎

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غم گسار ہوتا

سیما میں تم سے نصیحت نہیں مانگتا، چارہ سازی اور غم گساری طلب کرتا ہوں، دے سکتی ہو تو یہ دو، ورنہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔

سیما:۔ میرا یہ مشورہ چارہ سازی اور غم گساری ہی پر مبنی ہے۔

رشید:۔ مجھے کسی قسم کا مشورہ نہیں چاہیے، میں تو آج فیصلہ کرنے آیا ہوں، یا اِدھر یا اُدھر۔!

سیما:۔ آپ مجھے مجبور کرنا چاہتے ہیں؟

رشید:۔ آپ مجھے مجبور کرنا چاہتے ہیں؟

رشید:۔ قطعاً نہیں ——— محبت بے اثر نہیں رہتی، کیونکہ مان لوں میری محبت کا تمہارے دل پر کوئی اثر نہیں ہے ——— بتاؤ میری استدعا کے جواب میں کیا کہتی ہو۔؟

سیما:۔ اتنی جلدی نہ کیجئے، مجھے سوچ لینے دیجئے۔

رشید:۔ ہاں یہ منظور ہے، لیکن کب تک؟ میں جواب کی کس دن توقع کروں۔؟

سیما:۔ کوئی وقت مقرر کرنا ممکن نہیں، جس روز میں کسی نتیجہ پر پہنچوں گی، خود آپ کو مطلع کر دوں گی!

رشید:۔ نہیں یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔

سیما:۔ آپ زیادہ اصرار کریں گے، اور مجھے ابھی جواب دینا پڑا، تو انکار کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، یہ سوچ لیجئے گا۔

رشید:۔ اچھا انتظار کروں گا، اور جب انتظار کرتے کرتے ہو جاؤں گا، پھر ——————؟؟

سیما:۔ ہاں پھر آپ کو اختیار ہے جو چاہئے گا، کیجئے گا!

رشید:۔ چلا گیا۔!

———— ❖ ————

باب ۱۴

جا ہم نے تجھے آزاد کیا!

رشید کو گئے ہوئے مشکل سے چند منٹ ہوئے ہوں گے کہ انور آگیا!

——— انور کو دیکھکر سیما نے آنکھیں جھکا لیں، وہ کھڑا ہوا تھا، سیما بیٹھی ہوئی تھی، نہ وہ اُسے دیکھکر کھڑی ہوئی، نہ اُس سے بیٹھنے کے لئے کہا،

چند لمحوں تک انور چُپ چاپ کھڑا رہا، پھر اُس نے کہا:

سیما میں آیا ہوں!

وہ بولی:- ہاں میں دیکھ رہی ہوں —!

انور:- سیما میں انور ہوں —!

سیما:- میں جانتی ہوں -

انور:- سیما میں نے شادی کرلی -

سیما:- یہ بھی کوئی نئی بات نہیں ——— اگر تھی بھی تو پُرانی ہو چکی ہے۔

انور:۔ میں نے گناہ کیا ہے سیما؟

سیما۔ نہیں شادی گناہ نہیں — !

انور:۔ میں نے تم کو دھوکہ دیا۔ میں تم سے جھوٹ بولا!

سیما:۔ میں نے آپ کو فرشتہ کبھی نہیں سمجھا تھا!

انور:۔ کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہو تم؟

سیما:۔ اگر آپ نے فریب کاری سے کام لیا، یا غلط بیانی کی، تو کیا ہوا!
ان ہی سے غلطی ہوتی ہے —!

انور:۔ یہ طنز ہے یا ہمدردی؟

سیما:۔ نہ طنز نہ ہمدردی، صرف اظہارِ واقعہ اور بس —!

انور:۔ اگر میں یہ کہوں کہ مجھے اب بھی تم سے محبت ہے، اب بھی میں
ے عشق میں چور ہوں، اب بھی سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے
ن اور ہر لمحہ، تمھاری تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھرا کرتی ہے تو کیا
ان لوگی ———؟

سیما:۔ ممکن ہے مان لوں، ممکن ہے نہ مانوں، لیکن یہ سوال کیوں؟

انور:۔ سیما میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

سیما:۔ کرتے ہوں گے —!

انور:۔ اور تم ———؟

سیما:۔ میں کیا ———؟

انور:۔ مجھ سے محبت کرتی ہو یا نفرت؟

سیما:۔ نفرت نہیں کرتی ۔

انور:۔ اور محبت ؟

سیما:۔ محبت کا نام نہ لیجئے اکرتے بھی ہیں تو اسے دفن کر دیجئے کہیں۔

انور:۔ یا اللہ! ــــــــــ یہ نہیں ہو سکتا، آخر تم یہ کیوں کہہ رہی ہو ؟

سیما:۔ اس لئے کہ اب سے چند دن پہلے تک محبت کرنا گناہ نہیں تھا۔ اب ہے ۔

انور:۔ نہیں ہے، کبھی نہیں ہو سکتا، محبت ثواب ہے، گناہ نہیں۔

سیما:۔ جذباتی نہ بنیئے ــــــــــ میں ایک غیر عورت ہوں ثروت آپ کی بیوی ہے، اور کسی شریف آدمی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر ایک غیر عورت سے محبت کرے ۔

انور:۔ آہ ــــــــــ سیما تم نہیں جانتیں، اس ڈرامہ کا پس منظر کیا ہے ۔ ؟

سیما:۔ ہو گا کچھ ــــــــــ میں پس منظر کو دیکھوں یا منظر کو؟

انور:۔ میں مجبور تھا سیما ۔

سیما:۔ تو اب مجبوری کو نبا ہیئے ۔

انور:۔ بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہیں ہو سکا ۔

سیما:۔ زندگی بھر کوشش جاری رکھیئے

انور:۔ نا ممکن ــــــــــ تم نہیں جانتیں سیما، میرا کلیجہ پھٹ

ے، اس بوجھ کو میں نہیں اٹھا سکتا، میں ثروت سے نفرت کرتا ہوں،
اسے مار ڈالوں گا، اور ——————،

سیما:۔ خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے —————— اگر آپ نے
کیا تو بھی آپ مجھے نہیں پا سکیں گے۔

انور:۔ نفرت کی جڑیں اتنی گہری ہیں؟

سیما:۔ ابھی کہہ چکی ہوں، میں آپ سے نفرت نہیں کرتی
ب کہتی ہوں کہ محبت بھی نہیں کر سکتی —!

انور:۔ سیما، تم تو بہت رحم دل تھیں، بڑی خدا ترس تھیں، پھر یہ کیا
ہے کہ مجھ پر ترس نہیں آتا؟

سیما:۔ خدا نہ کرے آپ اس قابل ہوں کہ آپ پر ترس کھایا جائے۔

انور:۔ اب اس سے بڑھ کر اور کیا حالت ہوگی؟ کیا یہ چاہتی ہو کپڑے
ڈالوں، بال نوچ لوں؟

سیما:۔ خدا نہ کرے۔

انور:۔ پھر مجھے کیوں دھتکار رہی ہو—؟

سیما:۔ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟

انور:۔ میرے دل میں طوفان اٹھ رہا ہے، اور خدا ہی جانتا ہے اس کا
م کیا ہوگا، کاش تم اندازہ کر سکتیں —!

سیما:۔ آپ مرد ہیں، حوصلہ سے کام لیجئے، ہمیں زندگی میں بہت سی
باتیں کرنا پڑتی ہیں، جو ناپسند ہوتی ہیں، لیکن ان کے لئے اتنی قیامت

نہیں برپا کی جاتی، مردوہ ہے جو بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی اپنے حواس قائم رکھتا ہے —!

انور:- میں اس صفت سے محروم ہوں، میں پاگل ہوجاؤں گا، میں دیوانہ ہوجاؤں گا، میں خودکشی کرلوں گا، میں کپڑے پھاڑکر کہیں نکل جاؤں گا، روپوش ہوجاؤں گا۔

سیما:- آخر کیوں؟

انور:- میں تمھارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

سیما:- لیکن میں نے خودکشی کا ارادہ نہیں ظاہر کیا۔

انور:- اس سے کیا ہوتا ہے۔؟

سیما:- پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟

انور:- تمھیں —!

سیما:- تو میں کہاں جارہی ہوں؟ اس گھر میں تو ہوں۔!

انور:- رشید تم پر ڈورے ڈال رہا ہے، تم بڑی بھولی بھالی ہو، وہ ضرور تمھیں مجھ سے متنفر کردے گا، اور تمھارا بن جائے گا۔

سیما:- یہ نہیں ہوسکتا۔

انور:- پھر سے کہو، پھر سے کہو سیما، یہی بات، یہی الفاظ —!

سیما:- میں نے اُن سے کہہ دیا، یہ نہیں ہوسکتا —!

انور:- کس سے کہہ دیا —؟

سیما:- رشید صاحب سے!

انور:- (مسرت سے بے قابو ہو کر) رشید آیا تھا تمھارے پاس -؟

سیما:- ہاں! ابھی تھوڑی دیر ہوئی گئے ہیں گئے ہیں ــــ!

انور:- کیا کہہ رہا تھا وہ -؟

سیما:- وہی جو آپ کہہ رہے تھے ابھی -

انور:- یعنی اظہارِ عشق؟

سیما:- جی ـــــــ ایک نئے مطالبہ کے ساتھ -

انور:- کیسا مطالبہ؟

سیما:- اظہارِ عشق ـــــ اور شادی کی التماس -!

انور:- اوہ ـــــ ہاں تو پھر تم نے کیا جواب دیا؟

سیما:- میں نے کہہ دیا، یہ اَن ہونی بات ہے، یہ نہیں ہو سکتا -

انور:- (بہت خوش ہو کر) پھر اُس نے کیا کہا؟

سیما:- وہی جو ابھی آپ کہہ رہے تھے!

انور:- یعنی؟ ـــــ پاگل ہو جاؤں گا، کپڑے پھاڑلوں گا؟ بال نوچ لوں گا؟ خودکشی کروں گا؟

سیما:- ہاں یہی، یہی!

انور:- میں پہلے ہی سمجھ رہا تھا، یہ سب کچھ ہو گا، لیکن سیما تمھارا شکریہ کس منہ سے ادا کروں؟

سیما:- شکریہ کاہے کا! ـــــ میں نے یہ جواب آپ کو خوش کرنے کے لئے تو نہیں دیا -

انور:- پھر کس لئے ؟

سیما:- اس لئے کہ میں انھیں پسند نہیں کرتی ۔

انور:- اور مجھے ـ ؟

سیما:- کہہ چکی ہوں اس طرح کی باتیں اب نہ کیجئے، اب وقت نکل گیا ان باتوں کا ۔

انور:- گویا دوسرے الفاظ میں، یاس و حرمان کے سوا مجھے کچھ نہیں مل سکتا ۔

سیما:- یاس و حرمان، نشاط و مسرت، سب اضافی الفاظ ہیں ایک ہی بات کسی کو خوش کر دیتی ہے، کسی کو ناخوش، یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ خوش ہوں یا ناخوش، حوصلہ مند لوگ ہر حالت میں خوش رہتے ہیں، اور کم حوصلہ ہمت ہار دیتے ہیں اور سینہ پیٹنے لگتے ہیں ـ !

انور نے سر جھکا لیا، کچھ دیر تک بحر تفکر میں غرق رہا، پھر اس نے آہستہ آہستہ کہا:

اچھا اب میں جاتا ہوں ۔

سیما:- جایئے ـــــــــــ لیکن اب کبھی نہ آیئے گا، میں نہیں چاہتی کہ گھر میں میرے باعث ہنگامے اٹھیں، اور فتنے کھڑے ہوں!

انور:- ہاں میں جانتا ہوں، لیکن بالکل بے بس ہو کر آگیا تھا! ـــــــــــ اب احتیاط کروں گا، لیکن ایک بات بتا دو!

سیما:- فرمایئے، کون سی بات ـ ؟

انور:۔ تم نے مجھے معاف کر دیا۔؟

یما نے اب تک انور سے آنکھیں نہیں چار کی تھیں، اب نظر اٹھا کر دیکھا، پھر نظر جھکا لی، اور کہا:

ہاں ——————!

پاک لائبریری و بک اسٹال
بی ۲/۳ پاک کالونی
کراچی

باب ۴۲
قیامت!

ثروت نے انور کو، سیما کی کوٹھری سے نکلتا دیکھ لیا! اس کے تن بدن میں، آگ لگ گئی!

سچی بات تو یہ ہے کہ شادی تو انور سے خوشی خوشی کرلی، لیکن چند ہی روز میں محسوس کرلیا کہ وہ اُس کی محبوبہ نہیں بن سکتی، وہ اس سے کھنچا کھنچا رہتا ہے، سیدھے منہ بات نہیں کرتا، اس کی ناز برداری نہیں کرتا، اس کے ساتھ سینما نہیں جاتا، اس کے ساتھ کھانا نہیں کھاتا، رات گئے باہر سے دیر میں آتا ہے اور آتے ہی سو جاتا ہے، صبح دیر میں اُٹھتا ہے اور اُٹھتے ہی باہر چلا جاتا ہے وہیں ناشتہ کرتا ہے، وہ اگر کوئی بات کرتی بھی ہے، تو رُکھائی سے اس کا جواب دے دیتا ہے، اپنی طرف سے کبھی کوئی بات نہیں کرتا—!

سیما اور انور کی کہانی اُسے معلوم تھی، نفیسہ نے فاطمہ بیگم کو جو خط

ں، اس میں صاف صاف لکھ دیا تھا، وہ گھر ہی کی ایک ناگن سیما کے چکر
ں پھنسا ہوا ہے، لیکن ثروت کو امید تھی کہ وہ انور کو اپنے قابو میں ے
ے گی، جس طرح امجد کو لے آئی تھی، اسے اپنے حسن پر، اپنے انداز دل
بڑی پرا اعتماد تھا، وہ سمجھتی تھی سیما کتنی ہی حسین و جمیل ہو اس کے
منے نہیں ٹھہر سکتی، لیکن شادی کے بعد جب اس نے دیکھا کہ یگانگت
ے بجائے انور کی بیگانگی بڑھتی جا رہی ہے تو وہ آتش بجاں ہو گئی، اور
ں جب اس نے اُسے سیما کی کوٹھری سے نکلتا دیکھ لیا، تو اس کا خون کھولنے لگا!

سیما کے ہاں سے نکل کر انور سیدھا اپنے کمرے میں پہنچا، اور شیو
رنے لگا۔ شاید وہ کہیں باہر جا رہا تھا! معًا تھوڑی دیر کے بعد ثروت
چ گئی، اس نے آتے ہی کہا:

اب میں سمجھ گئی ——!

انور نے شیو کرتے کرتے منہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کہا،

کیا سمجھ گئیں —؟

ثروت:۔ یہی کہ گھر میں کیا گلچھرے اڑ رہے ہیں —؟

انور:۔ گلچھرے؟ —————— کیسے گلچھرے؟ کیا کہنا چاہتی
————؟

ثروت:۔ مجھ سے نہ بنیے، سب کچھ جانتی ہوں میں —!

انور:۔ کیا کیا؟

ثروت:۔ ابھی آپ سیما کے ہاں کیوں گئے تھے، بتائیے؟

اس سوال میں تحکم کا رنگ جھلک رہا تھا۔

انور:۔کیوں بتاؤں۔؟

ثروت:۔ بتانا پڑے گا آپ کو؟۔۔۔۔۔ یہ کوئی مذاق نہیں ہے

انور:۔ پھر کیا ہے۔؟

ثروت:۔ تو میں یہ سمجھ لوں، یہاں میری ایک سوت بھی موجود ہے۔

انور کو غصہ آگیا،

زبان سنبھال کر بات کرو ثروت۔۔۔۔۔!

ثروت:۔ میں زبان سنبھال کر بات کروں؟ آپ اپنا چال چلن ٹھیک نہیں کریں گے۔۔؟

انور:۔ (برہمی کے ساتھ) تم نے کیا خامی دیکھی میرے چال چلن میں۔؟

ثروت:۔ کوئی شریف مرد، ایک غیر عورت کے پاس تنہائی میں جاکر باتیں نہیں کرسکتا۔

انور:۔گویا میں شریف نہیں کمینہ ہوں۔!

ثروت:۔آپ ہی سوچئے۔؟

انور:۔تم کس سے اس طرح کی باتیں کررہی ہو، جانتی ہو؟

ثروت:۔ ہاں، انور صاحب سے، جو میرے شوہر ہیں! اور ایک غیر عورت سے ناجائز تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں۔!

انور نے طمانچہ اٹھایا، لیکن ثروت کے گال تک ہاتھ جا کر
پس ے آیا! اُس نے دانت پیستے ہوئے کہا:

بدتمیز ——— !

ثروت کیوں چُپ رہتی، اُس نے تند لہجہ میں کہا،
یں کسی کی دبیل نہیں ہوں، آپ مجھے لونڈی بنا کر نہیں رکھ سکتے؟

انور:- ٹھیک ہے ——— لیکن تم بھی مجھے غلام بنا کر
یں رہ سکتیں —!

ثروت:- میں سوچا کرتی تھی، حضرت مجھ سے کھنچے کھنچے کیوں
تے ہیں؟ آج یہ راز سمجھ میں آیا —!

انور:- پھر وہی بے وقوفی کی باتیں۔

ثروت:- بجا فرمایا ——— لاکھ نادان ہوے، کیا تجھ
ے بھی ناداں ہوں گے؟ ——— میں اپنا بھلا بُرا سمجھتی ہوں،
ں بے وقوف نہیں بن سکتی، اپنے حقوق کے لئے میں آخر وقت تک
ں کروں گی —!

انور:- (مفاہمت کے لہجہ میں) تو بھائی تمھارے حقوق کون چھینے
رہا ہے؟

ثروت:- سیما —!

انور:- خدا سے ڈرو!

ثروت:- ہاں، میں خدا سے ڈروں اور آپ؟ اور سیما؟

ــــــــ مطلب یہ کہ میں خدا سے ڈرتی رہوں، اور آپ دونوں ـ

انور:۔ دیکھو آگے کچھ نہ کہنا،

ثروت:۔ کہوں گی اور آپ کو سننا پڑے گا! آپ کا ہما

فیصلہ ہو کر رہے گا۔!

انور:۔ کیا چاہتی ہو؟ ــــــــ فیصلہ کر لو ۔:

ثروت:۔ آپ مجھے کیوں نہیں چاہتے؟

انور:۔ اس لئے کہ تم سے محبت نہیں ہے ذرا بھی،

ثروت:۔ کر لیا نا اقرار ــــــــ؟ ــــــــ اچھا پھر محبت

کس سے ہے سیما سے؟

انور:۔ سیما کا نام بار بار نہ لو ثروت ورنہ بہت برا ہوگا۔!

ثروت:۔ کیا کریں گے آپ ۔؟

انور:۔ نہ جانے کیا کر گذروں ۔ !

ثروت:۔ اچھا تو کر گذریئے جو چاہے، میں تو ضرور اس کا نام لو

اس چڑیل نے میری زندگی غارت کر دی، میرا عیش خراب کر دیا۔

انور:۔ غلط بات ہے ثروت ــــــــ وہ تمہارے

میں ذرا بھی حائل نہیں ہے۔!

ثروت:۔ پھر کون حائل ہے ۔؟

انور:۔ کوئی بھی نہیں ــ!

ثروت:۔ اگر یہ بات ہوتی، تو آپ مجھ سے نفرت نہ کرتے

ں سے اتنے بے توجہ نہ ہوتے، مجھے اتنا حقیر اور کم مایہ نہ سمجھتے؟۔
بتایئے کیا سیما مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے!

انور:- استغفراللہ ـــــــ بہرحال میں سیما کا ذکر مت
بھئی ـــ،

ثروت:- تکلیف ہوتی ہے آپ کو شاید؟ ـــــ اب اگر
اس طرف جاتے دیکھ لیا، تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔

انور:- کیا کرو گی تم ـــ؟

ثروت:- سارا بھرم کھول کر رکھ دوں گی!

انور:- میرا کیا بگڑے گا۔؟

ثروت:- دیکھ لیجئے گا اُسی دن۔

انور:- تو پھر تمھارا بھی وہ آخری دن ہوگا اس گھر میں۔

ثروت:- کیا مار ڈالیں گے مجھے۔؟

انور:- نہیں طلاق دے دوں گا۔!

طلاق کا نام سنتے ہی، ثروت نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا
کے رونے کی آواز سُن کر فاطمہ بیگم، اور نفیسہ دوڑی دوڑی آئیں ـــ
بیگم تو آتے ہی اس سے لپٹ گئیں!

کیا ہوا میری بچی، میرے لال، میں قربان۔!

نفیسہ بھی محوِ حیرت کھڑی تھی ـ!

ثروت نے روتے روتے کہا:

یہ طلاق دے رہے ہیں مجھے ۔ !

نفیسہ چیخی :۔ کون ؟ انور ؟

ثروت :۔ ہاں ممانی جان یہ ——— انھوں نے ابھی مارنے کو ہاتھ بھی اٹھایا تھا ۔ !

نفیسہ :۔ انور نے ۔ ؟

ثروت :۔ جی، ممانی جان ، اور یہ کبھی کہہ رہے تھے کہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں ۔ !

ثروت پھر پھوٹ پھوٹ کر اور بلک بلک کر رونے لگی !

نفیسہ :۔ انور یہ میں کیا سُن رہی ہوں ۔ ؟

انور :۔ ان ہی سے پوچھئے ۔

نفیسہ :۔ کیا بات تھی بیٹی ؟ ——— آخر کوئی بات تو ہوئی ہی ہوگی ——— ؟

ثروت :۔ کچھ نہیں ——— میں نے انھیں سیما کے کمرے سے نکلتے دیکھ لیا تھا ، اسی پر جل گئے ، میں نے اعتراض کیا ، تو مارنے اور طلاق دینے پر تیار ہو گئے ۔

نفیسہ :۔ کیوں انور ۔ ؟

انور :۔ امّاں جان یہ بڑی بدتمیز اور بے ہودہ گو ہیں ۔

نفیسہ :۔ مان لیا تھوڑی دیر کے لئے ، لیکن تم کیا ہو ۔ ؟ یہ شرافت ہے کہ تم نے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ، طلاق کی دھمکی دی !

ت کا اظہار کیا۔؟

انور:۔ جب پانی سر سے گذر جاتا ہے تو انسان سب کچھ کر گزرتا ہے؛

فاطمہ بیگم:۔ تو بیٹا تمہارا جو جی چاہے کرو، میں نے اپنی لڑکی پٹوا
ئے تو بیاہی نہیں ہے۔ طلاق دینا ہے تو ابھی دے دو، میں درگذری
ے سہاگ سے ——— اے غضب خدا کا جس لڑکی کو میں نے
ں پھول کی چھڑی سے نہ چھوا ہو، اسے چلے ہیں طمانچہ مارنے ؟—
یہ اندھیر تو دیکھو۔ !

اب فاطمہ بیگم بھی رونے لگیں،

نفیسہ:۔ کیوں انور تم سیما کے ہاں کیوں گئے تھے؟ بتاؤ؟

انور:۔ گیا تھا—!

نفیسہ:۔ یہ تو معلوم ہے گئے تھے، لیکن کیوں گئے تھے یہ بھی تو بتاؤ؟

ثروت:۔ خوب عشق عاشقی کی باتیں ہو رہی تھیں، میں نے خود
اپنے کانوں سے۔ !

انور:۔ (ڈپٹ کر) ثروت۔ !

ثروت:۔ دیکھ لیجئے، دھمکائے جا رہے ہیں!

نفیسہ:۔ خاموش ——— تم نے بیہودگی کے ساتھ گستاخی
ی کر باندھی ہے؟ میرے سوال کا جواب دو، کیوں گئے تھے سیما کے
ہاں کیا ضرورت تھی آخر—؟

انور:۔ اپنی کچھ کتابیں لینے گیا تھا!

نفیسہ:۔ ہاں بیٹی۔ اسی لئے گیا ہوگا ـــــ زیادہ بدگمانی سے کام نہیں لیتے ـــ!

پھر اس نے ثروت کو گھسیٹ کر کلیجہ سے لگایا اور کہا:

تو (فاطمہ کی طرف اشارہ کرکے) ان کی بیٹی نہیں، میری بیٹی ہے، کس میں ہمت ہے کہ تجھ پر ہاتھ اٹھائے۔ یا وہ نہیں یا میں نہیں ـ!

پھر نفیسہ نے ثروت کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے گئی ـ!

باب ۳۴

حکمتِ عملی!

نفیسہ بڑی دور اندیش اور ہوشیار عورت تھی ۔ !

دوسرے روز، اس نے 'انور' اور ثروت کو ملت پور بھیج دیا چند
ے لئے، تجویز اتنی معقول تھی کہ انور، ثروت، فاطمہ بیگم، میں سے
ھی انکار نہیں کر سکا ۔ !

میاں بیوی میں کھٹ پٹ ہو ہی جاتی ہے، چند روز ایک نئے
یں رہیں گے، صلح ہوجائے گی ۔ !

یہ تھا وہ اصول جسے بڑی وضاحت کے ساتھ فاطمہ بیگم اور ثروت
امنے بیان کرکے دونوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا، اس طوفانِ بے تمیزی
ور بھی پریشان ہوگیا تھا، اس نے سوچا،

اچھا ہے، چند روز اطمینان سے سیر و شکار میں مصروف رہنے
ع ملے گا ۔ !

۳۲۰

انور کو روانہ کرنے کے دوسرے دن، بڑی دیرتک، نفیسہ اور فاطمہ بیگم میں کاناپھوسی ہوتی رہی، پھر فاطمہ بیگم تو اپنے کمرہ میں چلی گئیں، اور نفیسہ سیدھی سیما کے کمرے میں پہنچی، قبل اس کے کہ سیما اس کے استقبال کو اٹھے وہ اس کے پاس بڑی بے تکلفی کے ساتھ بیٹھ گئی،

کیا کر رہی تھیں سیما؟

وہ بولی:- کچھ نہیں ———— ذرا یوں ہی کتاب دیکھ رہی تھی ——!

نفیسہ:- کوٹھری میں اکیلے بیٹھے بیٹھے، تمہارا جی نہیں گھبراتا ——؟ ذرا دیر کو آئی ہوں، لیکن میرا تو دم اوبھا جارہا ہے ——!

سیما:- (مسکرا کر) ذرا دیر کے لئے آئی ہیں اس لئے ———— لیکن جہاں مستقل رہنا ہو وہاں طبیعت نہیں اوبھتی۔

نفیسہ:- پھر بھی کبھی فاطمہ بیگم کے ہاں چلی جایا کرو، کبھی انھیں بلا لیا کرو، ثروت بھی بڑی ملنسار لڑکی ہے، اس سے دوستانہ بڑھاؤ ——!

سیما:- کیا کروں نفیسہ آپا، کہیں آنے جانے کا جی نہیں چاہتا ——!

نفیسہ:- مانتی ہوں، لیکن جو لوگ تم سے اپنایت کا اظہار کریں اُن سے تو بیگانہ بن کر نہ رہا کرو ——!

سیما:- نہیں آپا ایسا تو میں نہیں کرتی ——!

نفیسہ:- اس دن کسی بات پر تمہارا ذکر چلا، تو رشید نے تمہاری تعریف میں وہ زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں کہ خدا کی پناہ!

——یہی حال ثروت کا بھی تھا۔!

سیما خاموش رہی،

نفیسہ :۔ فاطمہ بیگم تو میں ایسا محسوس کر رہی ہوں تمھیں اتنا ہی
ہیں جتنا کوئی اپنی اولاد کو چاہتا ہے۔!

سیما :۔ ہاں وہ بڑی اچھی ہیں ۔

نفیسہ:۔کئی دن سے میرے پیچھے پڑی ہیں ،لیکن میں ٹال ٹال
ہوں ۔

سیما:۔ ایسی کون سی بات ہے کہ آپ کو ٹالنا پڑتا ہے ؟

نفیسہ:۔ارے بھئی اپنا معاملہ ہو، تو کوئی بات نہیں، دوٹوک فیصلہ
وقت ہو سکتا ہے، لیکن دوسرے کے معاملہ میں بولتے ہوئے ڈر
ہے——میں نے تو حامی نہیں بھری ۔!

سیما:۔کس چیز کی آپا۔؟

نفیسہ :۔ (مسکرا کر) اونھ تمھارے بیاہ کی اور کس کی ؟——
——ثروت اور فاطمہ بیگم دونوں اڑی ہوئی ہیں کہ سیما کی نسبت
ہوے کرادو، اودھر رشید صاحب بھی اڑے ہوئے ہیں کہ جب تک
نہیں ہو جاتی چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

سیما :۔ پھر آپ نے کیا جواب دیا۔؟

نفیسہ :۔ میں کیا جواب دیتی ؟——————میں نے کہہ دیا
ں جانتی بھئی ۔

سیما:۔ بہت ٹھیک ——— یہی جواب دینا چاہیئے تھا آپ کو — !

نفیسہ:۔ ہاں وہ تو میں نے دے دیا، لیکن اس میں حرج کیا ہے سیما — ؟

سیما:۔ آپا حرج کا کیا سوال ہے — ؟

نفیسہ:۔ پھر کیوں نہیں راضی ہو جاتیں ؟ ——— آخر اللہ رکھے جوان جہان ہو کوئی عمر بھر تو یوں ہی کنواری بیٹھی نہیں رہو گی — !

سیما:۔ آپا کسی کو اس سے کیا ؟ ——— بہرحال میں یہ بات نہیں مان سکتی ۔

نفیسہ:۔ ہم کہیں جب بھی — ؟

سیما:۔ آپ کا حکم ماننے پر میں اپنے تئیں مجبور پاتی ہوں ۔ آپ کا رویہ میرے ساتھ جیسا ہے ایک دنیا جانتی ہے، پھر بھی آپ سے لڑتے آپ کا دل دکھانے کا میرا جی نہیں چاہتا — !

نفیسہ:۔ لیکن اس وقت ——— کیا لڑ نہیں رہی ہو — ؟ دل نہیں دکھا رہی ہو ؟ ——— سچ کہتی ہوں رشید چال چلن اور مزاج و طبیعت کا اتنا اچھا لڑکا ہے کہ اگر میری کوئی لڑکی ہوتی تو خود پیام دے کر بیاہ دیتی اس سے — !

سیما:۔ میں نے رشید صاحب کو بُرا تو نہیں کہا — ؟

نفیسہ:۔ بُرا کیوں کہنے لگیں ؟ ——— کوئی بُرائی اُس میں

ی نہیں۔

سیما :۔ نہ ہوگی —!

نفیسہ :۔ سیما میرا بہت مخلصانہ اصرار یہ ہے کہ اس رشتے کو منظور نہ کرو۔

سیما :۔ نہیں آپا، یہ نہیں ہوسکتا، ضد نہ کیجئے۔

نفیسہ :۔ (بگڑ کر) کیسے ضد نہ کروں؟ تو کیا اپنے گھر کو چکلہ بنادوں! ے چھپ چھپ کر تم دونوں اکیلے میں ایک دوسرے سے ملتے رہو ی مضائقہ نہیں، اور نکاح کا نام لوں تو ناک بھوں چڑھالو—— —— ابھی کتنے دن کی بات ہے جب میں نے رشید کو تیرے تھ اسی کمرہ میں پکڑا تھا۔؟

یہ باتیں سن کر سیما کا خون کھولنے لگا، اس نے کہا؛

کیا دیکھا تھا آپ نے یہاں۔؟

نفیسہ :۔ کیا دیکھا تھا آپ نے یہاں؟—— ذرا ٹھائی اور بے غیرتی تو دیکھو اس عورت کی، ہونھ، ہم بتائیں ہم نے یا دیکھا —؟

سیما :۔ جب اتنا بڑا الزام لگا رہی ہیں آپ تو ضرور آپ کو بتانا ے گا —؟

نفیسہ :۔ اچھا ذرا تمیز سے بیٹھی رہو، میرے منہ زیادہ نہ لگو، ورنہ ت پشتیں بکھان کر رکھ دوں گی۔

سیما:۔ آپ تو لڑنے لگیں ۔؟

نفیسہ:۔ لڑوں گی نہیں تو پیار کروں گی؟ ——— غضب خداکا ہم تو پیار دلار کررہے ہیں، سنارہے ہیں، سمجھارہے ہیں، وہ ہیں کہ ماش کے آٹے کی طرح اکڑی جارہی ہیں ——— سچ ہے شریف سے خطا نہیں، کم اصل سے وفا نہیں —!

سیما:۔ پھر وہی۔

نفیسہ:۔ پھر وہی کیا۔؟ ——— کچھ جھوٹ کہہ رہی ہوں؟ تیری ماں رنڈی نہیں تھی؟ ——— تو بھی اسی پر جائے گی —!

سیما:۔ میری ماں کا نام نہ لیجئے ۔

نفیسہ:۔ کیوں نہ لوں؟ کون سی بڑی رابعہ بصری تھیں وہ!

سیما:۔ میرے لئے وہ سب کچھ تھیں۔

نفیسہ:۔ اور ہماری نظر میں وہ کچھ نہ تھیں، سوا ایک طوائف کے ایک ہرجائی عورت کے یا ایک بیسوا کے ۔!

سیما:۔ دیکھئے، اپنی عزت اپنے ہاتھ، پھر میرے منہ سے بھی نکل جائے گا کچھ —!

نفیسہ:۔ ذرا وہ "کچھ" نکال کے تو دیکھ، راکھ لگا کر زبان نہ کھینچ لوں گدی سے باہر تو کہنا ۔!

سیما:۔ مشکل یہ ہے کہ آپ میری بڑی ہیں ۔!

نفیسہ:۔ ورنہ تیری جوتی ہوتی، اور میرا سر؟۔ ایں؟

سیما :- پھر جواب ضرور دیتی ۔

نفیسہ :- تو اب دے دے ———— نکال دے جی کی بھڑاس!

یوں تو کیا جواب دیتی ہے ؟

سیما :- ہاتھ جوڑتی ہوں معاف کر دیجئے مجھے -!

نفیسہ :- تو اس قابل بھی نہیں کہ تجھے معاف کیا جائے۔

سیما :- اچھا مت معاف کیجئے ، لیکن اس کمرے سے چلی جائیے،

نفیسہ :- لوگو ذرا یہ اندھیر دیکھو ، میرا گھر ہے ، میرے ہی گھر میں یہ رہتی ہے ، اور مجھی سے کہتی ہے ، چلی جائیے ، میں اپنے گھر چلی جاؤں ، اور تو یہیں رہے ———— اے تجھے نکال دوں گی — ؟

سیما :- اچھا یہی کیجئے ———— میں چلی جاتی ہوں -

ہے — !

نفیسہ :- جا نکل! ———— ابھی جا یہاں سے! ———

کر دے میرا گھر — !

سیما اُٹھ کھڑی ہوئی —

ابھی بیجئے — !

نفیسہ :- لیکن جائے گی کہاں — ؟

سیما :- کہیں بھی — ؟

نفیسہ :- وہاں صالحہ اور توقیر کے ہاں چلی جائیو ، دونوں ہاتھوں

ہاتھ لیں گی تجھے۔!

سیما:۔نہیں، وہاں نہیں جاؤں گی، وہ آپ کی بہنیں ہیں، او
میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے بہنوں.بہنوں میں لڑائی ہو تفرق
پڑے —!

نفیسہ:۔ کیا کہنا ہے.بی بنّو کا!——— یہ کیوں نہیں کہ
ہو کوئی دوسگرا تلاش کر لیا ہے، یہاں سے اٹھو گی وہاں چلی جاؤ گی
———.بہانے اور رچھانے کا فن تو ماں سے ورثہ ملا ہوگا

سیما:۔ خدا کے لئے میری مرحوم ماں کا نام نہ لیجئے،———
ورنہ———!

نفیسہ:۔ ہاں میں یہی سننا چاہتی ہوں، ورنہ کے بعد کیا ہوگا۔

سیما:۔کچھ نہیں، جانے دیجئے مجھے!——— میں ا
اس گھر میں ایک لمحہ بھی نہیں رہنا چاہتی —!

نفیسہ:۔ جانے دوں ———؟ اہں،

سیما:۔ جی ہاں —!

نفیسہ:۔ تاکہ تو یہاں سے جا کر ابّا مرحوم کی ناک کٹائے!
میں تو یہی مشہور ہے کہ تو ان کی لڑکی ہے، مجھے تیری نہیں، اباجا
بدنامی کا خیال ہے۔

سیما:۔یہی خیال تو مجھے بھی تھا اب تک——— یہ
اب یہ خیال میرا راستہ نہیں روک سکتا۔!

نفیسہ:- تو نہیں جاسکتی —!

سیما:- کیوں —؟

نفیسہ:- ہمارا حکم —!

سیما:- تو وعدہ کیجئے، اب کبھی رشید کا نام نہیں لیں گی میرے

ے —!

نفیسہ:- ہزار بار لیں گے ______ تجھے شادی کرنی پڑے

س ہے —!

سیما:- ہرگز نہیں —!

نفیسہ:- ہرگز نہیں کی بچی بیٹھ اپنی جگہ، ورنہ مارے جوتوں کے
کر دوں گی، کیا مجال جو ایک بال بھی رہ جائے سر پر، مجھے سمجھی کیا

—؟

سیما:- نہیں، نہیں، نہیں!!

نفیسہ:- تسبیح منگائے دیتی ہوں، بس نہیں نہیں کا وظیفہ پڑھے جا
ے شام تک، لیکن ہوگا وہی جو میں کہہ رہی ہوں، میرا حکم
ل سکتا۔

سیما:- آپا نہیں —

نفیسہ:- بس بہت ہو چکا آپا ٹاپا، میں کیوں ہوتی ایک طوائف بچی
______ خوب کان کھول کے سن لے، تیرا نکاح رشید سے
ضرور ہوگا، اور کل ہی ہوگا —!!

سیما رونے لگی ۔

نفیسہ :۔ اے ہے یہ ٹسوے کسے دکھا رہی ہو ؛ یہاں نہ ان
ہے نہ رشید ۔ !

سیما :۔ خدا کو ــــــــــــ کیا وہ بھی نہیں دیکھ رہا ہے ۔؟

نفیسہ :۔ دیکھ رہا ہے تو کیا ؛ حرام کاری سے شادی بہتر ہے
چھپ چھپ کے رشید سے ملتی ہو، شادی کر لوگی ، تو کون سی قیا
آجائے گی ۔؟

سیما :۔ غلط بالکل غلط !!

نفیسہ :۔ کیا غلط ۔؟

سیما :۔ یہی جو آپ کہہ رہی ہیں ۔

نفیسہ :۔ اچھا غلط سہی ــــــــــــ لیکن شادی تو ہو گی ۔!

سیما :۔ نہیں ــــــــــــ اگر آپ زبردستی کریں گی تو میں قا
کے سامنے انکار کر دوں گی ۔!

نفیسہ نے زور سے ایک طمانچہ سیما کے منہ پر لگایا ، اور کہا :

سیما :۔ آپ مار ڈالیں گی بس ؟

نفیسہ :۔ واہ ، اتنی معمولی سزا نہیں دیتی ــــــــــــ ڈلا
کو جانتی ہے ، وہی خیراتی کا بھتیجا ، خدا کی قسم رات کو اُسے بلاؤں گی
تجھے اس کے حوالے کر دوں گی ــــــــــــ اب تو فیصلہ کرے ، ڈلا
تجھے پسند ہے ، یا رشید ؟ اگر تو چپ چاپ رشید سے شادی کر لیتی ہے تو

سوچ لے دُلارے کو، وہ مار مار کے اگر تجھ سے ہاں نہ کہلوائے تب کہنا
تجھے اس کی بیوی بن کر رہنا پڑے گا، پھر اس گھر میں تیری حیثیت ایک
مہ سے زیادہ نہیں ہوگی، آخر وہ دُلارے بھی اس گھر کا خانہ زاد نوکر ہی ہے
کی بیوی ملازمہ نہ ہوتی تو اور کیا ہوتی، اور وہ مزاج کا ایسا تیکھا ہے
بغیر خطا قصور ہی صبح شام جوتیاں لگایا کرے گا ——— بس اُسی
ٹھیک رہے گی — !
بیما رونے لگی، اور نصیبہ بیگم فاتحانہ شان سے واپس چلی گئیں۔!

⋄——— ⋄ ———⋄

باب ۴۴

انجام کا آغاز!

رات بھر سیما روتی رہی ۔۔!

کسی پہلو اُسے قرار نہیں تھا، وہ اِس گھر سے بھاگ جانا چاہتی تھی، لیکن جیل خانے کی چار دیواری سے کسی قیدی کا بھاگ نکلنا آسان نہیں ہوتا، قدم قدم رُکاوٹیں ہوتی ہیں، پہرے دار ہوتے ہیں، چوکی پہرہ ہوتا ہے ۔۔!

بالکل یہی کیفیت سیما کی بھی تھی، اُس نے چاہا تھا کہ رعنا کے پاس چلی جائے وہ ضرور اس سے ہمدردی کرے گی، کسی قیمت پر بھی اُسے شہید ستم نہیں بننے دے گی، وہ اس کی حمایت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دے گی، ضرورت پڑی تو قانون اور عدالت کا دروازہ بھی کھٹکھٹائے گی، لیکن رعنا تک جانا، ممکن کب تھا؟ اس کی باقاعدہ نگرانی ہو رہی تھی، نفیسہ بیگم نے کئی خادماؤں کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ دن رات اس پر کڑی نظر رکھیں، اگر وہ اپنے کمرہ سے پیشاب کرنے بھی جائے تو ایک ملازمہ ساتھ جائے، اِدھر خیراتی اور دلارے کو الگ الگ ہدایت کر دی گئی

ں کہ خواہ کچھ ہو جائے مگر، سیما کو گھر سے نہ نکلنے دیا جائے، خیراتی کو سب معلوم تھا، وہ اس کا بڑا ہمدرد بھی تھا، لیکن خود اُس کی بھی یہی رائے ں کہ سیما کی شادی رشید سے ہو جانی چاہیئے، اس کا خیال تھا کہ چند روز رو دھو کر سب کچھ بھول جائے گی اور سچے دل سے رشید کی بیوی بن ے گی، شریف لڑکیاں یہی کرتی ہیں، وہ اسے کسی طرح گوارا نہیں کرسکتا کہ اس گھر سے نکل کر سیما کہیں اور جائے، اس طرح خود بھی خراب ہوگی مرزا صاحب مرحوم کا نام بھی بدنام ہوگا۔

اپنی نگرانی کا یہ منظر دیکھکر سیما مایوس ہوگئی۔:

اور عین اسی مایوسی کے عالم میں ا سے رشید کا مسکراتا ہوا نظر آیا۔:

رشید نے کہا،

سیما میں تمھارا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔

وہ حیرت سے بولی "شکریہ کا ہے کا۔؟"

رشید:۔ آہ تم کیا جانو، یہ بات صرف میرا دل جانتا ہے ——

—— کس منہ سے شکر کیجئے اس لطفِ خاص کا؟ ——

ں مامی جان نے مجھے خوش خبری سنائی ہے کہ تم راضی ہوگئیں!

—— کل ہماری شادی ہو رہی ہے۔!

سیما چُپ رہی۔:

رشید:۔ سیما بتاؤ، میری خوشی جائز ہے یا ناجائز۔؟

سیما :- یہ آپ جانیے۔

رشید :- نہیں سیما تم بتاؤ، تم نے اس رشتہ کو منظور کر لیا ہے نا؟

سیما کا جی چاہا انکار کر دے، کہدے ہرگز نہیں، لیکن معًا اس کے سامنے دلارے کا بھیانک ہیولٰی آکر کھڑا ہوگیا، عالمِ تصور میں اس ہیولے کو دیکھکر وہ سہم گئی '' انکار نہ کر سکی '

رشید :- بتاؤ سیما —!

سیما :- کیا بتاؤں —؟

رشید :- یہی کہ کل ہماری شادی ہو رہی ہے ؟

سیما :- ہاں سُنا میں نے بھی ہے -

رشید :- دل کے کانوں سے یا ظاہری کانوں سے ؟

سیما :- دونوں سے -

رشید :- (خوشی سے اُچھل کر) سیما میں تمھیں بہت چاہتا ہوں، دیوانہ وار چاہنے لگا ہوں - انشا - اللہ ہماری زندگی بڑی مسرت کی زندگی ہوگی - جب تک زندہ ہوں تمھیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دوں گا -

سیما :- (افسردگی کے ساتھ) شکریہ!

رشید :- لیکن تم بھی میری طرح خوش کیوں نہیں ہو —؟

سیما :- مرد خوشی اور برہمی کسی چیز کو نہیں چھپا سکتے ———

رشید :- لیکن عورتیں چھپا لیتی ہیں یہی نا ؟

سیما :- جی ———!

رشید :- لیکن چھپانے کی ضرورت کیا ہے ؟ ہماری زندگی کا ایک
شان دار اور نہایت کامیاب دور شروع ہو رہا ہے' اس پر بے ساختہ
ر مسرت کی ضرورت ہے نہ کہ سنجیدگی اور افسردگی کی۔

سیما :- جی ہاں ' ہماری زندگی کا شان دار دور شروع ہو رہا ہے
ن آپ شان دار دَور سے شان دار دَور میں داخل ہو رہے ہیں ' لہٰذا
پ کی خوشی بالکل بجا ہے۔

رشید :- اور تم ——— ؟

سیما :- میں ایک نہایت ناکام ' افسردہ کُن اور غم انگیز دَور سے '
ں نئے دَور میں داخل ہو رہی ہوں ' یہ نیا دور شان دار اور کامیاب
گا ' یا برعکس ہوگا ' مجھے بار بار یہی سوچنا پڑ رہا ہے۔

رشید :- نہیں ' خدا کے لئے ایسی باتیں نہ سوچو ——— کیا
میں مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔؟

سیما :- یہ دوسری چیز ہے '

رشید :- تو بس مجھ پر بھروسہ کرو ' تمھاری پریشانیوں کا دَور ختم
ہوگیا۔ ناکامیاں نام ہوگئیں ' اب صرف مسرت ہے ' خوشی ہے ' انبساط و
نشاط ہے ' تمھاری کشتیِ حیات اب تک بادِ مخالف کے رحم و کرم پر تھی '
ب میں بادِ مرادبن کر آگیا ہوں سیما — !

سیما چپ چاپ رشید کی باتیں سُن رہی تھی۔ !

رشید :- تم نے مجھے آدمی بنا دیا ——— '

سیما:۔ پہلے آپ کیا تھے؟

رشید:۔ ننگِ انسانیت ———— کون بُرائی تھی جو مجھ میں نہ ہو، لیکن جب سے تمھاری محبت نے میرے دل پر قبضہ کیا ہے، میں خود محسوس کرتا ہوں کہ ہاں اب میں آدمی بنتا جا رہا ہوں، پہلے میری یہ حالت تھی کہ جہاں کسی خوب صورت عورت کو دیکھا، اور بےقرار ہوا، اب حوریں اور پریاں بھی میری نظر کے سامنے سے گذر جائیں، تو ایک غلط انداز بھی نہ ڈالوں۔!

سیما:۔ یہ تبدیلی تو واقعی بڑی اچھی ہے۔

رشید:۔ دیکھتی رہو سیما، تبدیلی کیا، تم انقلاب دیکھو گی مجھ میں ———— بڑا اچھا اور بڑا شان دار انقلاب۔!

سیما نے پھر چپ سادھ لی۔!

رشید بھی کچھ دیر چپ چاپ بیٹھا رہا، پھر اُس نے کہا:

کیا سوچ رہی ہو۔؟

وہ بولی: کچھ بھی نہیں۔!

رشید:۔ (بڑے پیار بھرے لہجہ میں) نہیں کچھ ضرور سوچ رہی ہو بتاؤ۔؟

سیما:۔ کوئی بات بھی تو ہو۔!

رشید:۔ اس وقت میں بھی کچھ سوچ رہا تھا۔!

سیما نے کچھ نہیں پوچھا۔

رشید :۔ پوچھو میں کیا سوچ رہا تھا اس وقت ؟

سیما :۔ بتایئے کیا سوچ رہے تھے۔ ؟

رشید :۔ میں سوچ رہا تھا، شادی کے دوسرے دن، ہم وں سیر و سیاحت کا ایک طویل پروگرام بنا کر چل کھڑے ہوں گے، کامل چھ مہینے تک نئے نئے شہروں، پہاڑوں، دریاؤں اور وادیوں سیر کریں گے ۔!

پھر اُس نے بچوں کی طرح ہمک کر کہا:

کیوں سیما ٹھیک ہے نا ۔؟

اُس نے زبان سے کچھ جواب نہ دیا، تائید میں گردن ہلا دی ۔!

باب ۴۵
خاتمہ

دوسرے دن مابین عصر و مغرب، سیما اور رشید کا نکاح بڑی خاموشی اور سادگی کے ساتھ ہو گیا۔ !

نکاح میں صرف گھر کے لوگ اور ملازم شریک ہوئے تھے، تقریب کے اختتام کے بعد، رشید، شہر چلا گیا کہ سیما کے لئے کوئی اچھا سا تحفہ خرید کر لائے، نفیسہ اور فاطمہ بیگم بیٹھی آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں سیما چپ چاپ اپنے حجلۂ عروسی میں بستر پر گٹھری بنی پڑی تھی، ذرا ہٹ کے فرش پر ایک خادمہ بیٹھی تھی — !

اتنے میں بغیر کسی سابقہ اطلاع کے انور اور ثروت آتے نظر آئے انور کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار تھے، ثروت کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں، خلاف معمول انور نے کڑکتی ہوئی آواز میں نفیسہ سے پوچھا :-

کیا سیما کی شادی رشید کے ساتھ ہو گئی۔ ؛

انھوں نے بڑے ٹھنڈے لہجہ میں جواب دیا:

ہاں ——— جوان جہان لڑکی کب تک یوں بیٹھی رہتی ——
—— پھر دونوں محبت بھی کیا کرتے تھے۔ !

بالکل غلط — ! انور نے کہا ' میں سیما سے جاکر پوچھوں گا — !

حجلۂ عروسی کے پہچاننے میں دیر نہیں لگی ' وہ سیدھا سیما
رے میں پہنچا ' وہ اُسے دیکھکر مسکرائی ' اور کمزور آواز میں کہا ،——
—خوب ہوا تم آگئے انور— !

انور :- ہاں میں آگیا——— لیکن غلطی کی آکر' تم اب
نہیں رشید کی بیوی ہو۔

سیما :- نہیں ' میں وہی سیما ہوں ' میں صرف تم سے محبت کرتی
ں ' بڑے بڑے ظلم ہوتے مجھ پر ' لیکن تمھاری محبت مجھ سے کوئی نہ
ین سکا ' اور جب تمھیں نہ پاسکی ' تو میں نے زہر کھا لیا !

انور زور سے چیخا ۔ " سیما ! "

وہ بہت نڈھال ہورہی تھی ' لیکن مسکرائی ' پھر ایک ہچکی لی اور
ھیں بند کرلیں — !

انور بے تابانہ چیخا ' " سیما ' میری سیما ! "

لیکن اب زہر ہلاہل اپنا کام کر چکا تھا ' — وہ کہنے سننے کی
سے بہت آگے نکل چکی تھی — !

اتنے میں نفیسہ، فاطمہ اور ثروت آ گئیں، انور نے اِن سب پر

ایک نگاہ ڈالی، اور کہا،

سیما نے زہر کھا لیا، وہ مر گئی ــ!

سب سیما کی طرف لپکیں ــ!

دفعتہً انور کی آواز فضا میں بلند ہوئی ـ

سیما نے وفا کا حق ادا کر دیا، لیکن میں اسے تنہا نہ جانے دوں گ

وہ زندگی میں مجھے نہ مل سکی، لیکن موت کے بعد، اسے کوئی مجھ سے نہ

چھین سکتا، سیما، میں آیا میں آیا ـ!

اور قبل اس کے کہ لوگ سمجھ سکیں، یہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو

والا ہے، وہ سامنے کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر نیچے کود گیا ـ

اور عین اس وقت پستول ہاتھ میں لئے ہوئے رشید دا

ہوا، وہ کہہ رہا تھا ـ

سیما میری بیوی ہے، اسے ورغلانے کے لئے، خراب کرنے

انور یہاں کیوں آیا؟ میں اسے مار ڈالوں گا ــ!

لیکن انور کے بجائے، اُس نے سیما کی لاش دیکھی، اور پھر ثرو

نے روتے ہوئے کہا،

جسے تم مارنے آئے تھے اُس نے خودکشی کر لی ـ!

رشید تن کر کھڑا ہو گیا،

ہاں ــــــــ انور سیما سے محبت کرتا تھا، اور میں بھی ا

ت کرتا ہوں! ——— ہم دونوں وہیں فیصلہ کریں گے، سیما
ں کے حصہ میں آتی ہے ۔!

پھر اُس نے پستول کی لبلبی دبائی، اور کنپٹی پر مارکر، چکر کھاتا ہوا
ڑام سے سیما کی لاش پر گر پڑا ۔

انور کی لاش جب اوپر آئی، تو رشید کا دم نکل چکا تھا ۔!

سارے گھر میں کہرام مچ گیا، سارے شہر میں ہل چل مچ گئی، دور دو
یک کے رشتہ دار، دوست، عزیز، واقف کار، انجان، تماشائی،
ں ہی جمع ہو گئے، اور جب یہ تینوں لاشیں اس گھر سے نکلیں تو کوئی نہ
جس کی آنکھوں سے آنسو نہ بہ رہے ہوں، نالہ و ماتم کی فلک شگاف
وں سے گھر نہیں، زمین ہل رہی تھی، آسمان کانپ رہا تھا
ایک نفیسہ تھی، جس کے بلند نگ قہقہے، ایک عجیب ہولناک سناٹا
ر دیتے تھے! ٥

وہ پاگل ہو گئی تھی ۔!

پاکستان لائبریری و بک اسٹال
کراچی